باب دہم

کشان یا ہندی سیتھی خاندان

از تقریباً سنہ ۲۰ ء تا سنہ ۲۲۵ ء

یوچی قوم کا نقل مکان وسط ایشیا کے میدانوں کی خانہ بدوش اقوام کے نقل مکان کا مختصر ذکر گذشتہ باب میں ہو چکا ہے۔ مگر اس نقل وطن نے ہندوستان کی سیاسیات پر ایسا گہرا اثر ڈالا ہے کہ اس کا مفصل ذکر نہ صرف مناسب بلکہ لابدی ہے؛

دوسری صدی قبل مسیح کے وسط میں ترکی خانہ بدوشوں کی ایک جماعت نے جنھیں چینی ہیونگ نو کہتے ہیں۔ اپنی ایک ہم نسل ہمسایہ اور حریف قوم کو شکست دی۔ اکثر علماء نے اس واقعے کی تاریخ سنہ ۱۶۵ ق م قرار دی ہے۔ مگر ڈاکٹر فلیٹ کا خیال ہے کہ یہ جنگ سنہ ۱۷۴-۱۶۰ ق م کے بین بین واقع ہوئی۔ اس شکست سے یوچی قوم کو مجبوراً شمال مغربی چین کے صوبہ کن سُہ کو خیرباد کہنا پڑا۔ اور انھوں نے مغرب کی طرف نئے چراگاہوں کی تلاش میں نقل مکان کیا۔ اس متحرک قوم نے تیر اندازوں کی ایک فوج تیار کر لی۔ جس کی تعداد کا اندازہ ایک لاکھ سے دو لاکھ تک کیا جاتا ہے۔ مگر یہ سب کی سب جماعت تعداد میں پچاس لاکھ اور ایک کروڑ کے بین بین ہو گی۔ جس میں ہر عمر کے

مرد اور عورتیں شامل تھیں[1]

یوچی کی شکست

یہ قوم مغرب کی سمت ایسی چراگاہوں اور مرغزاروں کی تلاش میں چلی جہاں ان کی کثیر التعداد مرد و زن اور چوپاؤں کو آذوقہ اور خوراک مل گئی۔ وہ کچاؤ (شمالی عرض بلد ۴۱ - ۳۸ - مشرقی طول بلد ۸۳ - ۲۵) کے پاس سے گذرتے ہوئے تکلمکان (یعنے قدیم صحرائے گوبی) کے صحرا کے شمال میں پہنچے۔ یہاں ان کی مڈبھیڑ ایک اور چھوٹی سی قوم سے ہوئی جس کا نام ووسن تھا اور جو دریائے ایلی اور اس کے دو جنوبی معاون ٹیکلے اور کنگیز کے میدان میں آباد تھی[2]۔ ووسن کی تعداد اگرچہ محض دس ہزار تیر اندازوں کی تھی۔ مگر انھوں نے اپنے ملک کی بربادی اور تباہی گوارا نہ کی۔ بلکہ اس کی حفاظت کے لئے تیار ہو گئے۔ مگر یوچی کی تعداد کی کثرت سے حملہ آوروں کو فتح ہو گئی۔ اور یہ لوگ ووسن کے سردار کو قتل کر کے مغرب کی طرف جھیل ایسک کُل جس کو ہیون سانگ نے جھیل لتسنگ لکھا ہے کے پار اور زیادہ فراخ چراگاہوں کی تلاش میں بڑھتے چلے گئے۔ ان جلاوطنوں کی ایک تھوڑی سی تعداد جنوب کی جانب ہو رہی اور تبت کے ملک کی سرحد پر بس گئی۔ یہ لوگ آخر میں "قلیل یوچی" کے نام سے مشہور ہو گئے اور ان کا بڑا حصہ جو مغرب کی طرف بڑھتا چلا گیا "کثیر یوچی" کہلایا۔

---

[1] یوچی چپٹی ناک کے منگولی اقوام سے نہ تھے۔ بلکہ یہ دراز قد گلابی رنگ اور دراز بینی لوگ تھے۔ اور اوضاع و اطوار میں ہیونگ لوجن کے بہت مشابہ تھے۔ (کنگس مل: جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۸۲ء صفحہ ۷۔ رسالہ "انٹرکورس آف چائنا دتھ ایسٹرن ترکستان")۔ کنشک۔ ہوشک اور کدفائسس ثانی کے سکوں پر اچھی خاصی تصویریں موجود ہیں۔

[2] جونیر:۔ ٹرکس اکسی ڈنٹکس۔ صفحہ ۲۶۳۔

سک قوم کی شکست۔

اس کے بعد دوسرا دشمن جس سے یوچی کو سابقہ پڑا وہ سک یا سے قوم تھی۔ جس میں بلاشک وشبہ ایک سے زیادہ جرگے شامل تھے۔ کیونکہ جیسا کہ ہیرڈوٹس نے لکھا ہے۔ ایرانی تمام سیتھی خانہ بدوش جرگوں کو سکائی کہا کرتے تھے۔ یہ سک قوم وُوسُن کے مغرب اور دریائے جیحوں (سیر دریا) کے شمال میں رہتی تھی۔ اس نے بھی ووسن کی طرح اپنے ملک وعلاقے کی حفاظت اور حمایت پر کمر باندھی۔ مگر ان کا حال وُوسُن سے بھی برا ہوا۔ کیونکہ اُن کو مجبوراً اپنے چراگاہوں کو یوچی قوم کے لئے چھوڑ دینا پڑا اور یہ لوگ اس میں بس گئے۔ اب سک قوم مجبوراً اس بات پر آمادہ ہوئی کہ نئی سرزمین تلاش کرے۔ اور جیسا کہ گذشتہ باب میں بیان کیا گیا ہے یہی لوگ انجام کار شمالی دروں سے نکل کر ہندوستان میں داخل ہوئے[1]۔

[1] دارا گشتاسپ کے زمانے میں (سنہ ۵۰۰ ق م) سکائی اور کیسپی دونوں مل کر پندرھواں صوبہ بنتا تھا۔ اور کیخسرو کی فوج میں وہ باختری لوگوں کے رسالے کے ساتھ شامل تھی اور دارا اور اِلشا کے بیٹے گشتاسپ کے زیر کمان تھے (ہیروڈوٹس باب ۳۔ فصل ۹۳۔ باب ۷۔ فصل ۶۴)۔ اب کیونکہ وُوسُن کی اصلی جائے قیام کا پتہ چل گیا ہے۔ اور اس کے معلوم ہو جانے سے یوچی کے نقل مکان کا تمام راستہ بالکل بین ہو گیا ہے۔ اس لئے سک قوم کی جائے قیام جو کتاب میں بیان کی گئی ہے غالباً درست ہے۔ سٹربیو نے صاف لکھا ہے کہ سک اور اقوام متعلقہ دریائے جیحوں (سیر دریا) کے گرد و نواح سے آئی تھیں۔ کپتان رالنسن کی یہ رائے کہ دارا کے زمانے میں وہ کاشغر اور یارقند کے علاقوں میں بسے ہوئے تھے۔ اب بالکل قابل قبول نہیں (ترجمہ ہیروڈوٹس جلد ۲ صفحہ ۴۰۳۔ جلد ۵ صفحہ ۱۷۰)۔ سک قوم کے نقل پر میرا مضمون:۔ "دی سکاز ان ناردرن انڈیا (زید۔ ڈی۔ ایم۔ جی سنہ ۱۹۰۶ صفحہ ۴۲۱-۴۰۳)۔

تقریباً ۱۴۰ ق م یوچی کی شکست

پندرہ یا سولہ برس تک یوچی قوم اپنے مفتوحہ علاقے میں بالکل بےخوف بیٹھی رہی۔ مگر اسی اثنا میں ان کے قدیم دشمن ہیونگ نو قوم نے وُوسُن قوم کے سردار کے شیر خوار بچے کو اپنی زیر عاطفت لے لیا تھا۔ اور اب وہ ان کی زیر نگرانی جوان ہو گیا تھا۔ اس نوجوان شہزادے نے ہیونگ نو کی مدد سے یوچی پر حملہ کیا۔ اور اپنے باپ کی موت کا بدلہ ان سے اس طرح پر لیا کہ ان کو ان اراضی سے نکال باہر کیا جس کو یوچی نے سک قوم سے چھینا تھا۔ اس طرح اب یہ لوگ جب دوبارہ نقل مسکن پر مجبور ہوئے تو وہ دریائے سیحون کی وادی میں چلے گئے۔ اور یہاں کے باامن اور صلح کن باشندوں کو جنہیں چینی "ٹاہیا" کہتے تھے زیر نگین کیا۔ اغلب یہ ہے کہ فوراً باختر کے تمام علاقے پر یوچی کی دھاک بیٹھ گئی۔ اور ان کا سیاسی حلقۂ اثر دریائے سیحوں کے جنوب تک پھیلا۔ مگر بہر حال جرگے کا صدر مقام بہت دنوں تک دریا کے شمال ہی کی جانب رہا۔ اور اسی سمت کی چراگاہیں اس نووارد قوم کے لئے کافی ہوگئیں۔

یوچی قوم مدنی ہوگئی

اندازاً ایک یا دو پشتیں گذرنے کے زمانے ہی میں یوچی قوم نے اپنی خانہ بدوشی کی تمام عادات وخصائل فراموش کر دیں۔ اور ایک ملکی آبادکار قوم بن گئی۔ اس کے ساتھ دریائے سیحون کے جنوب کا تمام باختری علاقہ اور اس کے شمال میں سغدانہ کا علاقہ شامل تھا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:— اور ڈاکٹر ایف۔ ڈبلیو ٹامس کے مضمون:— سکستان (جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ سنہ ۱۹۰۶ صفحہ ۲۱۶-۱۸۱ و صفحہ ۴۶۰-۴۶۰) میں مفصل بحث ہے۔ ٹامس اس امر پر یقین کرنے کے وجوہات بیان کرتا ہے کہ سک قوم شروع ہی سے سیستان میں آباد ہوئی تھی۔ اور اس کا یہ بھی خیال ہے کہ دوسری صدی ق م میں سیستان میں آکر ان کا آباد ہونا خلاف قیاس ہے۔ اس کتاب کے دوسری ایڈیشن میں میرا خیال تھا کہ یہ نقل مکان واقع ہوا ہے۔ مگر میں اب ڈاکٹر ٹامس سے متفق ہوں۔

یہ لوگ پانچ ریاستوں میں منقسم تھے - بہ ہیئت مجموعی یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ

سنہ ۱۰ قم

یہ تمام معاشرتی اور سیاسی ارتقا سنہ ۱ ق م میں بالکل مکمل ہو گیا تھا؛

یوچی کی سلطنت کا اتحاد -

اس کے بعد ایک صدی تک یوچی قوم کی سلطنت کی تاریخ کے متعلق کچھ معلوم نہیں - لیکن اس قوم کی پانچ ریاستوں میں جو ہندوکش کے شمال میں واقع تھیں منقسم ہو جانے کے کم و بیش سو برس بعد کوئی جرگے کے کشان حصے کا سردار جو یورپ میں کڈفائسس اول کے نام سے مشہور ہے اس کام میں کامیاب ہوا کہ اپنے ہم قوم دیگر سرداروں کو اپنا زیر نگین کر لے - اور خود تمام یوچی قوم کا سردار اور بادشاہ ہو جائے - اس کی تخت نشینی کی تاریخ تقریبی صحت کے ساتھ سنہ ۱۵ئہ مقرر کی جا سکتی ہے - اور اس میں غلطی کا زیادہ احتمال بھی نہیں[1]؛

[1] بہت سی کتابیں کشان حکومت کے اتحاد کو بہت بعد کا واقعہ قرار دیتی ہیں - اور اس کی وجہ ماٹوان لن کی چینی انسائی کلو پیڈیا کے مذکورہ تاریخی واقعات کے ملخص ترتیب کا غلط سمجھنا ہے - ان اصلی کتب کی عبارتیں جن کو اس کتاب کے لکھنے والے نے اپنی کتاب میں جمع کیا تھا - انکا ترجمہ شائع ہو جانے سے تمام واقعات صاف ہو گئے ہیں - اگرچہ صحیح تاریخیں اب بھی معلوم نہیں ہوئیں - اور اگر آخر میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ بھی جائے کہ کنشک اور اس کے جانشینوں کے کتبات کی تاریخیں کسی خاص سنہ سے متعلق ہیں تو بھی اس نظام سنین پر بہت کچھ زیادہ اثر نہ پڑے گا جو اس کتاب میں اختیار کیا گیا ہے - وہ بادشاہ جس کا نام متن کتاب میں کڈفائسس اول لکھا ہے - وہی ہے جس کو چینی کیوشیوکیو کہتے ہیں اور جسے مختلف سکوں میں کوزلکڈفیز - کوزول کڈفیز - کوجل کز کڈفسیز لکھا ہے - ان ناموں یا لقبوں کے صحیح معنے نامعلوم ہیں - اس کے متعلق مکمل حوالے میرے مضمون :- "دی کشان آر انڈو-سیتھین پیریڈ آف انڈین ہسٹری" (جے - آر - اے - ایس سنہ ۱۹۰۳ صفحہ ۲۲-۱) -

یوچی ہندوکش کو عبور کرتے ہیں۔

وہی آبادی کی زیادتی اور آذوقے کی کمی کا دباؤ جس نے اس سے قبل بھی یوچی قوم کو چین کی سرحد سے لے کر ہندوکش تک کے دور و دراز اور دشوار گذار سفر پر آمادہ کیا تھا۔ اسی نے اب اُسے اس امر پر مجبور کیا کہ وہ اس سدِّراہ کو بھی اب عبور کرے۔ اور اسی نے کڈفائسس اول کی ہمت افزائی کی کہ وہ ان پہاڑوں کے جنوبی صوبجات کے زیر کرنے کا مشکل اور دشوار کام اپنے ہاتھ میں لے۔

کڈفائسس اوّل کی سلطنت۔

اس نے کی پن (؟ کشمیر؟ کافرستان) اور کابل کے علاقے پر قبضہ کیا[۱]۔ اور اپنی طولانی مدت حکومت میں اس نے اپنی طاقت کو باختر میں مستحکم کیا۔ اور پھر

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ میں نے خود اس نظریئے کو اب رد کر دیا ہے جس پر میں نے مذکورۂ بالا مضمون میں زور دیا تھا کہ کشان لوگ سنہ کو استعمال کرتے تھے۔ کروشتی طرز تحریر میں اس قوم کا نام "کشن" لکھا ہے۔ مگر ساسانی اور چینی شہادات اس امر کی ملتی ہیں کہ یہ نام کشان تھا۔ مثلاً ہرمزد ثانی (۳۰۲-۹ سنہ ع) کے سکوں پر "ربا کشان" کے الفاظ۔ دیکھو ڈورن "لیس لیجنڈس مونٹاس ساساندس" (ریویو آر کی آلوجیک ۱۸۹۸ صفحہ ۶۲ الخ)۔ اور اسی وجہ سے میں نے بجائے عام "کشن" کے کننگھم اور ڈورن کے تتبع میں کشان لکھا ہے۔ سنین کے متعلق میں نے آر۔ ڈی بینرجی کے خیالات کی پیروی کی ہے۔

[۱] چینی کتابیں جیسا کہ ایم سلوین لیوی نے اب ثابت کر دیا ہے کی پن اور کوفو یا کابل میں فرق ظاہر کرتی ہیں۔ کی پن یا کاپن کے نام کے اطلاق میں فرق آتا رہا ہے۔ ساتویں صدی میں تنگ خاندان کے زمانے میں اس سے عام طور پر۔ اگرچہ بالکل بلا استثناء نہیں اس سے مطلب کپسا یعنے شمال مشرقی افغانستان ہوا کرتا تھا۔ ہن اور وی خاندانوں کے زمانے میں اس سے عموماً کشمیر مراد لی جاتی تھی۔ کتاب میں جس زمانے کا ذکر ہے وہ کیونکہ (سنہ ۲۳ ع) آخری ہن خاندان کا زمانہ ہے۔

پارتھیوں پر حملہ آور ہوا۔ اس طرح اس کی حکومت ایران سے لے کر دریائے سندھ اور غالباً جہلم تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس میں سغدانیہ جو آج کل خان بخارا کے ماتحت ہے۔ اور غالباً وہ تمام علاقے شامل تھے جن پر آج کل سلطنت افغانستان متصرف ہے۔ افغانی کوہستان کے جنگجو اور جفاکش پہاڑی باشندوں کے پوری طور پر تسخیر کرنے میں بہت سے سال صرف ہوئے ہوں گے۔ اور اس واقعے کو کسی خاص سنہ کے ساتھ متعلق نہیں کیا جا سکتا۔ مگر ۲۰ء کو کابل کی فتح کی تاریخ قرار دیا جا سکتا ہے ۃ

ہندی یونانی اور ہندی پارتھی دول کا خاتمہ۔

یوچی قوم کے آگے بڑھنے سے دریائے سندھ کے مغرب کی ہندی یونانی اور ہندی پارتھی ریاستوں کے سرداروں کا خاتمہ لابدی تھا۔ اور آخری گذشتہ باب میں اس امر کا ثبوت دیا جا چکا ہے کہ کس طرح کابل کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- کی بن کو کشمیر سمجھا جا سکتا ہے (سلوین لیوی۔ جے۔ اے۔ جلد ۷۔ سلسلہ ۹۔ صفحہ ۱۶۱۔ جلد ۱۰ صفحہ ۳۱-۵۲۶)۔ شونیز "ترکس آکسی ڈنٹکو" صفحہ ۳۰۷۔ شروع صفحہ پر۔ "واٹ ڈی سنگ یُن" صفحہ ۵۴)۔ نگر کپیسا کی معنے بہت معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے متعلق دیکھو ویٹرس کے عالمانہ خیالات (آن یون چانگ جلد اول صفحہ ۲۵۹)۔ وہ لکھتا ہے کہ "بہت سی چینی کتابوں میں کاپن کا نام ایک مبہم جغرافیہ اصطلاح ہے۔ اس کی وسعت میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے۔ اور در اصل وہ کسی خاص ملک یا علاقے کا نام نہیں۔ مختلف کتابوں میں اس کا اطلاق کپس۔ نگر۔ گندھار۔ ادیانہ۔ اور کشمیر پر ہوتا ہے۔" سر ایم۔ اے۔ سٹین نے کاپن کے ہجے چی پن لکھے ہیں۔ تمام چینی ناموں کو مختلف مصنف مختلف صورتوں میں لکھتے ہیں۔ اس طرح تاریخیں بھی تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ دی جاتی ہیں ۃ

آخری یونانی بادشاہ ہرمیاس کو بتدریج مغلوب کرنے کا اظہار نہایت صراحت سے سکوں کے ذریعے سے ہوتا ہے ؛

پنجاب اور وادئ سندھ میں ہندی پارتھی سلطنت کا خاتمہ غالباً کنشک کی قسمت میں بدا تھا ؛

تقریباً ۸۵ء کڈفائسس دوم

اسی برس کی عمر میں کڈفائسس اول کے فاتحانہ عہد حکومت کا خاتمہ ہوا۔ اور اس کی جگہ ۸۵ء کے قریب اس کا بیٹا تخت نشین ہوا جس کو آسانی کے لئے کڈفائسس دوم کا خطاب[1] دیا گیا ہے۔ یہ بادشاہ بھی اپنے باپ کے مانند باہمت اور اولو العزم تھا۔ اور اس نے بھی اپنی تمام طاقت یوچی کی سلطنت کو وسیع کرنے میں صرف کر دی ؛

یہ باور کرنے کے وجوہ ہیں کہ اس نے پنجاب اور دریائے گنگا کی وادی کے ایک بڑے حصے کو غالباً بنارس تک فتح کر لیا۔ دریائے سندھ کی وادی میں زیرین سندھ کا علاقہ بظاہر بدستور سابق پارتھی سرداروں کے ہاتھ ہی میں رہا۔ ہندوستان کے مفتوحہ صوبجات پر فوجی نائب السلطنت کے ذریعے سے نظم و نسق کیا جاتا تھا۔ اور غالباً انھوں نے ہی وہ سکے مضروب و مروج کرائے تھے جن کو ماہرین سکہ جات "گمنام بادشاہ" کے سکے کہتے ہیں۔ اور تمام شمالی ہند میں وادی سے لے کر وادی گنگا کے شہر غازی پور اور بنارس تک ایک طرف اور کچھ اور کاٹھیاواڑ تک دوسری طرف بکثرت پائے جاتے ہیں[2] ؛

---

[1] یہی وہ بادشاہ ہے جس کو چینی ین۔ کو۔ چنگ کہتے ہیں۔ اور جسے سکوں میں وما کڈفائسس وغیرہ لکھا ہے ؛

[2] کیونکہ کڈفائسس دوم کے زمانے کے کوئی کتبے نہیں ملتے۔ اس لئے اس کی ہندی سلطنت کی وسعت جانچنے کا سب سے بہتر طریقہ اس کی سکوں کی تقسیم ہے جب پیری پلس ۸۰ء میں لکھی گئی ہے تو اس وقت تک پارتھی سردار

چین کے ساتھ تعلقات۔

۱۲۵-۱۱۵ ق م میں چنگ۔کین کی سفارت یو-جی قوم کے پاس اس وقت آئی جب کہ وہ دریائے سیحون کے شمال میں سغدانیہ کے علاقے میں مقیم تھے۔ اس سفارت نے اس وحشی قوم کے تعلقات سلطنت وسطےٰ (چین) سے قائم کردئے۔ اور سوا سو سال تک شہنشاہ چین نے سیتھی دول کے ساتھ اپنے تعلقات جاری رکھے۔ سنہ ۸ء میں یہ سفارتی تعلقات ختم ہوگئے۔ اور جب سنہ ۲۳ء میں پہلے سیتھی خاندان کا خاتمہ ہوا تو مغربی ممالک میں چین کی سلطنت کا اثر اور رسوخ بالکل برائے نام رہ گیا تھا۔ اس کے پچاس سال بعد چینیوں کی اولوالعزمی پھر بروئے کار آئی۔ اور سنہ ۷۳ء سے لے کر ۱۰۲ء تک کے تیس سالہ عرصے میں جنرل پن۔چو اپنی فوج ظفر موج کو لئے ہوئے آگے بڑھا چلا گیا۔ یہاں تک کہ چینی سلطنت کی سرحد رومی سرحد سے مل گئی[1] اور اس طرح اس جنرل نے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ دریائے سندھ کے شمالی دہانہ پر حکمراں تھے۔ اس امر کا ثبوت کہ "گمنام بادشاہ" کڈفائسس دوم کا ہمعصر تھا کننگھم نے تفصیل سے دیا ہے۔ (نیومسمیٹک کرانکل سنہ ۱۸۹۲ء صفحہ ۱۷) اس کے سکے عام طور پر تانبے یا کانسی کے ہیں۔ مگر چند ایسے بھی ہیں۔ جو نہایت خراب چاندی سے مضروب ہیں۔ کڈفائسس دوم اور "گمنام بادشاہ" دونوں سوٹر میگس کا لقب استعمال کرتے ہیں۔ مگر مقدم الذکر اپنے آپ کو "بے سی لیئس بے سی لیئون" یعنے "شاہنشاہ" اور موخر الذکر اپنے کو "بے سی لیئس بے سی لیون" یعنے "شاہ حکمراں" کہتا ہے۔ اور اسی سے یہ معلوم ہوا کہ غالباً وہ اس کا ماتحت تھا (دیکھو کیٹلاگ آف کائنز ان دی انڈین میوزیم جلد اول)؛

[1] پروفیسر ڈگلاس کا بیان ہے کہ "جنرل پن۔چو کے زیر کمان ایک فوج ختن پر حملہ آور ہوئی۔ بلکہ اپنے ملک سے جھنڈے کو بحیرۂ خضر کے ساحل تک پہنچا دیا۔" (چائنا۔ہسٹوری آف دی نیشنز سیریز صفحہ ۱۸)؛

مغرب کی طرف چینی قوم کی حکومت کو انتہائی وسعت وعروج کو پہنچا دیا۔ ۳۷ ئہ میں ختن کے بادشاہ نے چین کی اطاعت قبول کی۔ اور اس کے بعد دوسرے بادشاہ بھی جن میں کاشغر کا بادشاہ بھی شامل تھا چینیوں کے مطیع ہو گئے۔ اور اس طرح اب مغرب کی طرف کا راستہ صحرا میں سے ہو کر چینی فتوحات اور تجارت کے لئے بالکل کھل گیا۔ بعینہ اسی طرح ۹۴ ئہ میں کچا اور کرشہر کی فتح نے ان کے شمال کا راستہ صاف کر دیا۔

تقریباً ۹۰ ئہ چین کے ساتھ جنگ

فاتح چینیوں کے تبدریج آگے بڑھتے چلے آنے سے کشان خاندان کے بادشاہ کو تردد پیدا ہوا۔ یہ بادشاہ غالباً کڈفائسس دوم کا جانشین کنشک تھا۔ جو اپنے آپ کو چینی شاہنشاہ کا ہم پلہ اور ہمسر سمجھتا تھا۔ اور اس نے اس کا باجگذار ہو کر رہنا گوارا نہ کیا۔ چنانچہ ۹۰ ئہ میں کھلم کھلا اور دلیری کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ کرنے کے لئے ایک چینی شہزادی کے ساتھ شادی کا پیام دیا۔ جنرل پن۔ چو نے محض اس پیغام ہی کو اپنے آقا کی ذلت و بے عزتی متصور کیا۔ اور اس کے ایلچی کو گرفتار کر کے اس کے پاس واپس بھیجدیا۔ کنشک اس بدسلوکی کی تاب نہ لا سکا۔ اس نے ستر ہزار سواروں کی ایک فوج اپنے نائب السلطنت سی کی زیر کمان تیار کی اور اس کو چینیوں پر حملہ کرنے کے لئے سلسلہ کوہستان لتسنگ لنگ یا تاغ دمباش پامیر کے پار روانہ کر دیا۔ سی کی فوج غالباً درہ تاشکرغان کے راستے سے روانہ ہوئی جو چودہ ہزار فٹ بلند ہے[۱]۔ اور پہاڑوں کے عبور کرنے کی دشواری کی وجہ سے اس کی حالت اس قدر ابتر ہو گئی کہ جونہی وہ کاشغر یا یارقند کے میدانوں میں

---

[۱] تاشکرغان کے حال کے لئے جو اس کوہستان کے سری کول کے حصے میں واقع ہے۔ دیکھو:۔ سٹین۔ پری لی می نری رپورٹ آف ایکسپلوریشن ان چائنز ترکستان۔ صفحہ ۱۳-۱۱۔ سینڈ بریڈ روئنز آف ختن باب ۵۔ اینشنٹ ختن صفحہ ۵۴ نوٹ ۱۷۔

اتری وہ بڑی آسانی سے ۔پن۔چو کے آہنی پنجے میں آگئی ۔ اور اسے شکست فاش ہوئی ۔کنشک کو اس بات پر مجبور ہونا پڑا کہ چینی سلطنت کو خراج ادا کرے ۔ اور اس زمانے کی چینی تاریخوں میں ایسی چند سفارتوں کا ذکر ہے جو اس زمانے میں خراج لے کر چین میں آئی تھیں [۱] ؛

تقریباً ۶۰ ء شمالی مغربی ہندوستان کی فتح ۔

میں نے ان امور کے بیان کرنے میں جو غالباً کنشک سے منسوب ہونے چاہئیں کڈفائسس دوم کی حکومت کے حالات کو پس پشت ڈال دیا ہے ۔جو بظاہر شمالی ہند کے ان علاقوں کی فتح میں مصروف رہا جس کا آغاز اس کے پیشرو کے زمانے میں ہو چکا تھا ؛

رومی اثر ۔

یو چی کی فتوحات نے رومی سلطنت اور ہندوستان کے مابین بری تجارت کا راستہ کھول دیا ۔ کڈفائسس نے صرف تانبے اور کانسے کے سکے مضروب کرائے تھے ۔اس نے کابل کی فتح کے بعد اپنے سکے یا تو آگسٹس کے آخری سنین کے سکوں یا ویسے ہی ٹائبیریئس کے سکوں کی نقل ڈھلوائے تھے (۱۴-۳۷ء) ۔ جب شروع زمانے کے قیاصرہ کے مضروبہ سونے کے رومی سکے مشرقی براعظم میں ریشم ۔مصالح ۔جواہرات ۔ اور رنگوں کی قیمت میں بکثرت آنے لگے تو کڈفائسس دوم کو سونے کے سکوں کی قدر معلوم ہوئی ۔ اور اس نے

---

[۱] " شاہنشاہ ہوا (= ہیو ۔ ہو ۔ ٹی ۔ یا ہو ۔ تی) (۸۹-۱۰۵ء) میں وہ (یعنی ہندی) اکثر چین کو اپنے ایلچی بھیجتے تھے ۔ اور کچھ نہ کچھ نذرانہ بطور خراج کے پیش کرتے تھے ۔ لیکن بعد میں مغربی علاقے کے لوگوں نے (چینی شاہنشاہ کے برخلاف) بغاوت کی ۔ اور تمام سلسلۂ نامہ و پیام قطع کر دیا ۔ یہ حالت ینسی کے عرصے کے دوسرے سال (۱۵۹ء) شاہنشاہ کوان (= ہون ۔ تی) (۱۴۷-۱۶۷ء) تک رہی " (" اینلز آف لیٹر ہن ڈائنسٹی ترجمہ پروفیسر لیگ ۔ منقول فی " انڈیا وٹ کین اٹ ٹیچ اس ") ؛

اس کے بعد رومی سکۂ اوری کی نقل میں بکثرت سکے مضروب کرائے جو وزن میں بالکل اصل کے مطابق تھے۔ اور اسی طرح دھات کے خالص ہونے میں بھی ان میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا۔ جنوبی ہند نے بھی اسی زمانے میں رومی سلطنت کے ساتھ بحری تجارت کا سلسلہ زور و شور سے جاری رکھا۔ مگر یہاں کے مقامی بادشاہوں نے قیصری سکۂ اوری کی نقل اتارنے کی کوشش نہ کی۔ کیونکہ ان کی درآمد بکثرت ہوتی تھی۔ اور بعینہ اس طرح جس طرح کہ آج کل دنیا کے بہت سے حصوں میں انگریزی پاؤنڈ بطور سکہ استعمال ہوتا ہے اسی طرح اُس زمانے میں رومی سکہ مستعمل[1] تھا۔

[1] کشان خاندان کے سکوں کے اوزان اور کس کے لئے دیکھو کننگھم (کائنز میڈ۔ انڈیا صفحہ ۱۶)۔ اس کے متعلق جو آرا فان سیلٹ (نیخ فولگرالکزنڈرس صفحہ ۵۶ و ۸۱) نے دی ہیں کہ کڈفائسس اول اور آگسٹس کے چہروں کی مشابہت محض ایک اتفاقی امر ہے۔ اور یہ کہ اس امر کے باور کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں کہ کشان سکوں کے اوزان کا کوئی کسی قسم کا تعلق قیصر کے اوری سے ہو سکتا ہے۔ اس زبردست ماہر فن سکہ جات کی عجیب و غریب دیوانگی یا خبط ہی قرار دی جا سکتی ہے۔ کڈفائسس دوم کا ایک دریافت شدہ چاندی کے سکے کا وزن ۵۶½ گرین ہے۔ اور جیسا کہ کننگھم نے کہا ہے یہ وزن عین چاندی کے رومی دینار کے برابر ہے۔ ہندوستان میں رومی سکوں کے بکثرت پائے جانے کے حال کے متعلق دیکھو تھرسٹن :- "کائن کیٹلاگ نمبر ۲ آف مدراس میوزیم"۔ اور زیادہ مفصل حالات کے لئے دیکھو :- سیول :- "رومن کائنز فاؤنڈ ان انڈیا" (جے آر اے ایس ۱۹۰۴ء صفحہ ۵۹۱)۔ پلنی کی شہادت (ہسٹری نیچرل باب ۱۲ فصل ۸) رومی سونے کے سکوں کے ہندی۔ عربی۔ چینی عیش و عشرت کی چیزوں کے تبادلے میں مشہور و معروف ہے۔

کڈفائسس دوم کا عرصۂ حکومت	کڈفائسس دوم کی فاتحانہ حکومت کا زمانہ غالباً بہت دراز تھا۔ اُس کے متعلق یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ وہ تینتیس برس ۸۵ء-۴۵ تک حکمراں رہا[1]؛

[1] اس عرصۂ حکومت کی مدت و درازی کا کوئی بین ثبوت نہیں دیا جا سکتا۔ مگر اس کی فتوحات کی وسعت اور اس کے سکوں کی کثرت و افراط سے یہ بالکل یقینی معلوم ہوتا ہے کہ عرصۂ طولانی ضرور ہوگا۔ کننگھم نے اس کو چالیس برس کا زمانہ مانا ہے۔ کنشک کی حکومت کی تاریخ کا جو حال میں نے لکھا ہے وہ زیادہ تر انڈین میوزیم کے مسٹر آر ڈی۔ بنرجی کے اس اچھوتے اور قابل قدر مضمون پر مبنی ہے :- دی سیتھین پیرڈ آف انڈین ہسٹری" (انڈین انٹی کویری ۱۹۰۸ء صفحہ ۷۵ - ۲۵)۔ انھوں نے جو وجہ کنشک - ہوشک - اور واسشک کی تاریخوں کے ایک دوسرے میں مدغم ہو جانے کی بتلائی - میرے نزدیک وہ بالکل تسلی بخش ہے - اور مجھے اس بات کا یقین ہے کہ سلسلہ کا کنشک جس کا ذکر آرا کے کتبے میں ہے وہی ہے جس کا بیان اس سے قبل کے کتبوں میں سنہ و سلسلہ میں کیا گیا ہے۔ پروفیسر لیوڈر کا یہ خیال کہ آرہ کے کتبے کا کنشک ثانی ممکن ہے کہ سنہ و سلسلہ کے کنشک کا پوتا ہو میرے نزدیک قابل ثبوت نہیں۔ میرے خیال میں لیوڈر کا خیال صحیح ہے کہ کیسر اس کا جو لقب کنشک کو آرہ کے کتبے میں دیا گیا ہے وہ دراصل قیصر" ہے۔ مگر کتبے کا یہ لفظ اب تک ایسا صاف نہیں ہوا کہ اس پر زور دیا جا سکے۔ کنشک کا نام کانشک لکھا جاتا ہے۔ اگرچہ مجھکو اس امر پر پورا وثوق نہیں ۷۸ء کا سک سنہ کو کنشک نے قائم کیا تھا۔ یا اس کا قیام بالکل اس کی تخت نشینی کے سال ہی واقع ہوا۔ مگر اب میرا خیال یہ ہے کہ بہت اغلب ہے کہ سک سنہ کنشک کی تخت نشینی یا تاجپوشی ہی سے شروع ہوتا ہے۔ اس بادشاہ کو ۵۸ء تک پیچھے ہٹا دینا جس پر ڈاکٹر فلیٹ نے اتنا زور دیا ہے۔ میرے نزدیک بالکل بے وجہ اور بے سبب ہے۔ اس بات کی بحث دیکھو :- جے - آر - اے - ایس ۱۹۱۳ء۔ مجھے اس میں بھی شک نہیں کہ دونوں کڈفائسس بادشاہ کنشک سے پہلے گذرے ہیں۔ اور اب مجھ کو

تقریباً ۷۸ء کنشک کی تخت نشینی

کڈفائسس دوم کے بعد کنشک تخت پر بیٹھا۔ تمام کشان بادشاہوں میں سے یہی ایک بادشاہ ہے جو اپنے پیچھے ایک ایسا نام چھوڑ گیا جس کو ملکی روایات نے فراموش نہ ہونے دیا۔ اور جو ہندوستان کی حد سے باہر بھی نامور اور مشہور ہے۔ یہ صحیح ہے کہ وہ یورپ میں سوائے ان چند علماء کے جو غیر مانوس تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں عام طور پر بالکل گمنام ہے۔ مگر تبت۔ چین۔ اور منگولیا کی روایات میں اس کا نام اب تک زندہ ہے۔ اور بدھ مذہب کے پیروؤں کے لیئے وہ تقریباً اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ اشوک کا نام۔ مگر باوجود اس شہرت عام کے اس کی تاریخ کا مواد بہت ہی قلیل ہے۔ اور زیادہ تعجب یہ ہے کہ اس کا سنہ اب تک مشکوک ہے۔ بد قسمتی سے چین کے مورخین کی کتابوں میں سے کسی میں کوئی ایسی عبارت دریافت نہیں ہوئی جس سے کہ چین کی سلطنت کا کوئی واقعہ کنشک سے مطابقت کر سکے۔ جہاں تک کہ اب تک معلوم ہوا ہے وہ تمام چینی کتابیں جن میں کہ کنشک کا ذکر ہے وہ محض بدھ مذہب کی دینی کتب ہیں۔ اور وہ اس قابل نہیں کہ ان سے تاریخی واقعات کا اخراج کیا جا سکے۔ تبت اور منگولیا کی کتابوں کی طرح وہ در اصل یا تو ہندی روایات کا ترجمہ اور یا ان کا ایک قسم کا عکس ہیں۔ اس امر کے ظاہر کرنے کی کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی کہ ان میں کس قدر اختلافات و خیالات کیسے پریشان کن ہیں۔ مگر کنشک اور اس کے جانشینوں کا ذکر کتبوں کی ایک بہت بڑی تعداد میں پایا جاتا ہے۔ ان کتبوں میں سے بیس سے زیادہ میں سنہ و تاریخ موجود ہے۔ اور امید ہے کہ ان تمام کتبات کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ یہ معلوم کر کے خوشی ہوتی ہے کہ ٹکسلا کے کھودے جانے سے جو نئی شہادت دستیاب ہوئی ہے اس نے میری رائے کو مستحکم کر دیا ہے؛

ذخیرے سے تمام شکوک مٹ جائیں گے اور کشان خاندان کا سلسلۂ سنین بھی اس طرح قائم ہو جائے گا کہ اس میں شک و شبہ یا بحث کی گنجائش نہ رہے۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ ان کتبوں میں تاریخیں اس طرح لکھی ہیں۔ کہ ان کے مختلف معنے لئے جا سکتے ہیں۔ اور اب بھی بعض بعض نامور علماء ایسے موجود ہیں جو کنشک کی تخت نشینی کا سن ۵۸ء قرار دیتے ہیں[1]؛

اس کی تاریخ

مجھے اس امر میں کوئی شک نہیں کہ محض سکوں کی ہی شہادت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کنشک سنہ عیسوی کے شروع ہونے کے بہت بعد ہوا ہے۔ اس کا زمانہ کڈفائسس اول و دوم کے بعد کا ہے۔ اور یہ کہ اس پر رومۃ الکبریٰ کا اثر پڑا تھا۔ یہ سکوں کی شہادت ایسی چیز ہے جس کو بہت سے تاریخ کے علماء نے بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ اور بہت سی قسم کی شہادتیں۔ جن کو اگر جمع کر دیا جائے تو وہ بہت قابل قدر ہو جائیں گی۔ یہ بات ثابت کرتی ہیں کہ

---

[1] فلیٹ ۵۸ء پر تلا ہوا ہے۔ اور دونوں بھنڈارکر اور بھی زیادہ آخر کا زمانہ یعنی ۷۸ء تبلاتے ہیں۔ مگر ان کا نظریہ صریحاً ناقابل قبول ہے۔ اصل نزاع علماء کی ان دو جماعتوں کے مابین ہے جو کنشک کے تخت کا ۵۸ء یا ۷۸ء قرار دیتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ کشان خاندان نے سک سنہ کے سوا اور کوئی سنہ اپنا استعمال کیا ہو۔ مگر اس کا احتمال نہیں۔ اور اگر کوئی ایسا سنہ استعمال ہوا بھی تو وہ ۷۸ء کے بعد نہ کہ پہلے شروع ہوا ہوگا۔ ڈاکٹر مارشل سی۔ آئی۔ ای۔ ناظم محکمۂ آثار قدیمہ ٹکسلا کے آثار کے کھودنے کی تہوں سے اس بات کا پورا یقین ہو گیا ہے کہ کنشک دوسری نہ کہ پہلی صدی عیسوی میں برسر حکومت تھا۔ اور یہ کہ ڈاکٹر فلیٹ کے قول کو قبول کرنا ناممکن ہے۔ تمام ایسے کتبوں کی فہرست جن میں تاریخیں موجود ہیں کشان خاندان کے زمانے کے متعلق مصنف کے مذکورۂ بالا مضمون میں ملے گی۔ کنشک کے تیسرے سال کے کتبے کے لئے جو بنارس کے قریب سارناتھ کے مقام پر پایا گیا ہے۔ دیکھو ایپی گریفیا انڈیکا جلد ۸ صفحہ ۱۷۳۔ اس کے علاوہ اس فہرست میں اور بھی بہت کچھ اضافہ کرتا ہے؛

کنشک پہلی صدی عیسوی کے بالکل آخر میں تخت پر بیٹھا - اور گمان غالب یہ ہے کہ وہ کڈ فائسس دوم کے بعد ۷۸ء میں تخت نشین ہوا؛

اس میں شک نہیں کہ کنشک یوچی قوم کے حصۂ کشان سے تعلق رکھتا تھا۔ بعینہ اسی طرح جس طرح کہ دونوں کڈ فائسس کا تعلق اس سے تھا - اور یہ باور کرنے کے لیئے بھی کافی وجوہ نہیں کہ وہ ان دونوں کا قرابتی نہ تھا - حالانکہ ہم کو یہ معلوم ہے کہ کنشک کڈ فائسس دوم کا بیٹا نہ تھا - بلکہ اس کے باپ کا نام وجھشک یا وجہشپ تھا - کڈ فائسس دوم اور کنشک کے سکّوں پر جو اکثر ایک ہی جگہ پائے جاتے ہیں - ایک ہی قسم کے نشان ہیں اور الٹی طرف اور بہت سی مشابہتوں کے علاوہ وزن اور دھات کے خالص ہونے میں بھی بالکل یکساں ہیں[ا] - اور ان باتوں سے صرف یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ زمانے کے لحاظ سے یہ دونوں بادشاہ ایک دوسرے کے بہت ہی قریب یا حقیقت میں ایک دوسرے کا جانشین ہی ہوگا - یہ یقینی ہے کہ کڈ فائسس دوم (ین - کو - چنگ)

ا کڈ فائسس دوم اور کنشک کے سکوں کے ایک جگہ برآمد ہونے کی مثالیں مفصلۂ ذیل ہیں:- (۱) ضلع گورکھپور میں گوپال پور ستوپ: کڈ فائسس دوم - کنشک - ہوشک اور قدیم بادشاہ آیومتر کے سکّے (پروسیڈنگس - اے - ایس - بی - سنہ ۱۹۰۶ صفحہ ۱۰۰) - (۲) بنارس میں (۱۶۳) سکّوں کا مجموعہ جن میں (۱۲) کو کڈ فائسس دوم کے ہیں - اور باقی (جن میں سے ۴۰ اب تک پڑھے نہیں جا سکے) - کنشک اور ہوشک کے ہیں - (ٹامس پرنسپ:- الیسیز جلد اول صفحہ ۲۲۷ حاشیہ) (۳) میسن کے جمع کیئے ہوئے یفرام کے سکّے جو کابل سے پچیس میل کے فاصلے پر واقع ہے - (کتاب مذکورۂ بالا صفحہ ۵۱ - ۳۴۴) - اس کے علاوہ دیکھو آریانہ انٹی کوا - ڈاکٹر مارشل کو جو بے شمار سکّے ٹکسلا میں ملے ہیں - ان سے خاندانوں کی وہی ترتیب جو اس کتاب میں دی گئی ہے بالکل یقینی ہو جاتی ہے؛

نہ صرف کڈفائسس اول (کیوجیستیوکیو) کا جانشین بلکہ اس کا بیٹا بھی تھا۔ یہ کڈفائسس دوم ایک طولانی حکومت کے بعد اسّی برس کی عمر میں فوت ہوا۔ اسی لیئے اگر کنشک کا تعلق کڈفائسس دوم سے تھا۔ تو وہ یقیناً اس کا جانشین ہی ہوا ہوگا۔ اور جیساکہ بعض علماء کا خیال ہے کہ کنشک واسشک۔ ہوشک۔ باسودیو تمام بادشاہوں کا گروہ کا گروہ کڈفائسس اول سے قبل ہوا تھا۔ تو دو موخرالذکر بادشاہوں کے سکّے یکجا ملنے چاہئیں۔ مگر وہ نہیں ملتے۔ اور اسی طرح کڈفائسس دوم اور کنشک کا کوئی تعلق آپس میں نہ ہونا چاہیئے۔ جیساکہ بادی النظر میں ہے۔ ہم کو اس امر میں چینیوں کی شہادت قبول کر لینی چاہیئے کہ کڈفائسس دوم ددنے تین۔ چو (ہندوستان) کو فتح کیا۔ اور پھر اس پر یوچی قوم کی طرف سے حکومت کرنے کے لیئے فوجی افسر مقرر کیئے" اس امر واقعی میں کسی کو بھی مجال اعتراض نہیں کہ کنشک۔ واسشک اور ہوشک دریائے جمنا کے مقام متھرا۔ اور کشمیر اور پنجاب کے تمام درمیانی علاقوں پر پورے استحکام کے ساتھ قابض تھے۔ اور اب یہ معلوم نہیں ہوتا جیساکہ چینی مورخین نے لکھا ہے کہ کڈفائسس دوم کے "فتح ہند" سے قبل انھوں نے اپنی یہ حیثیت پہلے سے کس طرح قائم کر لی تھی۔ آثار قدیمہ کے دل اکتانے والے دلائل کی تفصیلات سے اب قطع نظر کرکے۔ یہاں صرف یہی کہہ دینا کافی ہوگا کہ بہت سے وجوہ اس امر کے بیان کیئے جاسکتے ہیں کہ ماہرین علوم ہندیہ کی ایک بڑی جماعت اس بات پر متفق اور حق بہ جانب ہے کہ کنشک بادشاہوں کا گروہ کڈفائسس بادشاہوں کے بعد کا ہے۔ ان تمام باتوں کے متعلق ہمارا علم اس قدر محدود ہے کہ خواہ کوئی نظریہ بھی اختیار کیوں نہ کیا جائے مشکلات رہ ہی جاتی ہیں۔ لیکن بہر حال بادشاہوں کے ناموں کا نظام بظاہر دوسری قوموں کی تاریخ اور عام فنون لطیفہ۔ ادبیات اور

مذہبی تحریکات کے ارتقاء کے بالکل مطابق نظر آتا ہے[۵]۔

[۵] ڈاکٹر فلیٹ (جے - آر - اے - ایس ۱۹۰۳ء ۱۹۰۵ء ۱۹۰۶ء ۱۹۱۳ء کے متعدد مضامین) برلن کا ڈاکٹر او - فرنیک (" بیٹریگ اوس چیناسیشن کیولن از گنٹنس ڈرٹرک فولکر اُنڈ سکیتھین رنڈ الئینٹس " برلن ۱۹۰۴ء) - اور جیمز کینڈی کی یہ رائے ہے کہ کنشک - واسشک ، ہوشک - اور باسودیو شاہان کڈفائسس سے پہلے گذرے ہیں - اور یہ کہ ۵۸ء کا سمت بکرماجیت یا تو کنشک کی تخت نشینی سے شروع ہوا تھا - یا کم از کم دونوں واقعات ایک ہی ساتھ کے ہیں - میں نے مذکورۂ بالا علماء کی تمام کتب شائع شدہ کا بغور مطالعہ کیا ہے - مگر مجھے افسوس ہے کہ مجھ کو اب بھی ان سے بدستور سابق اختلاف ہے - اور میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ شاہان کڈفائسس کنشک سے جو تقریباً ۷۸ء میں تخت پر بیٹھا تھا پہلے گذرے ہیں - ڈاکٹر فلیٹ نے (جے - آر - اے - ایس ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۰۴۸) یہ بالکل ظاہر کر دیا ہے کہ وہ ڈاکٹر فرنیک کی رائے اور اس امر کو بہت اہمیت دیتا ہے کہ کنشک بدھ کی موت کے چار سو سال بعد گذرا ہے - اس کے آگے وہ یہ دلائل پیش کرتا ہے کہ اس کے نظریے سے کتبات کی تاریخوں کا ایک سلسلہ قائم ہو جاتا ہے - اور ہوشک کے سکوں پر اس کے نام میں (ہ) حرف کے نہ ہونے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بادشاہ پہلے گذر چکا تھا - پچھلی دونوں دلیلوں پر یہاں بحث نہیں کیجا سکتی - مگر میں ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ ایک اور روایت کے مطابق کنشک بدھ کی موت کے سات سو سال بعد گذرا تھا - (انڈین انٹی کویری جلد ۳۲ ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۸۲) - اور اس قسم کی کوئی روایت دوسری روایت پر مرجح ہو سکتی ہے - مگر دراصل یہ تمام روایتیں بالکل بے اصل ہیں - مختلف روایات کنشک کا زوال کے (۱۵۰) (۳۰۰) (۵۰۰) برس بعد ہونا بتلاتی ہیں - ڈاکٹر فرنیک نے اس بات پر زور دیا ہے کہ چینی مورخین برخلاف بدھ مذہب کے مصنفین کے کنشک کا نام تک بالکل نہیں لیتے - مگر اس نے خود ہی اس اعتراض کا جواب یہ کہہ کر دے دیا ہے کہ " ۱۲۰ء سے وہ منبع ہی سوکھ گیا تھا جس سے کہ مورخ ترکستان کے متعلق اپنے تمام اخبار نقل کرتا " (صفحہ ۷۱ دیکھو ۸۰) - ایک اور دلیل جس پر کہ اس کو بہت اعتماد معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ مشہور و معروف حکایت کے مطابق ۲ سنہ ق م میں ایک یوچی بادشاہ نے بدھ مذہب کی چند کتب ایک

۷۸ء اس کی سلطنت کی وسعت۔

اس طرح اب یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ کنشک تقریباً ۷۸ء میں کڈفائسس دوم جس کا غالباً وہ قرابت دار بھی تھا جانشین ہوا۔ اس کے زمانے کی روائیتیں ۔ یا آثار اور کتبات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی سلطنت تمام شمال مغربی ہندوستان پر ایک طرف جنوب میں سلسلۂ کوہستان بندھیاچل تک دوسری طرف ۔ اور پامیر کی سطح مرتفع کے دورافتادہ دروں تک پھیلی ہوئی تھی ؛

ہیون سنگ جس نے اس تاریخ یا روایات کو قلمبند کیا ہے جو اس نے کپس میں سنی تھی ۔ صاف طور پر لکھتا ہے کہ "جب کنشک گندھیرا کے علاقے میں حکمراں تھا تو اس کی طاقت گرد و نواح کی ریاستوں پر پھیلی ہوئی تھی ۔ اور اس کا اثر

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔ چینی عامل (افسر) کو دی تھیں ۔ اس حکایت سے نتیجہ یہ نکالا جاتا ہے کہ یہ بادشاہ کنشک ہی ہونا چاہیئے ۔ میں قضیئے کے مقدمے کو مانتا ہوں کہ سنہ قدم میں یوچی کا کوئی بادشاہ بدھ مذہب سے واقف اور تھوڑا بہت اس سے متاثر بھی تھا ۔ مگر مجھے اس نتیجے کے ماننے سے انکار ہے جو فرینک اور ایم ۔ سلوین لیوی نکالتے ہیں ۔ اس حکایت سے ایک اور نتیجہ بھی نہایت آسانی سے نکالا جا سکتا ہے ۔ ڈاکٹر فرینک (صفحہ ۹۶) نے کنشک کے اثر اور قوت کا صحیح اندازہ نہیں لگایا اور غلطی کی ظاہری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس زبردست عالم نے دیدہ و دانستہ ہندوستان کے آثار قدیمہ کی شہادت کو پس پشت ڈال دیا ہے (صفحہ ۱۰۱) مگر مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تاریخی مسئلہ اس وقت تک تسلی بخش طور پر حل نہیں کیا جا سکتا جبتک کہ اس کے متعلق تمام شہادتوں پر بغور نظر نہ ڈالی جائے ۔ اور ایسی تمام دلائل جو بعض خاص واقعات کو نظر انداز کردیں ہرگز اس قابل نہیں کہ ان کی طرف التفات کیا جائے ۔ اور بلا ان کو فیصلہ کن مان لیا جائے ؛

دور افتادہ علاقوں پر بھی چھایا ہوا تھا" وہ یہ بھی کہتا ہے کہ وہ ایک وسیع علاقے پر جو تسنگ لنگ کے پہاڑوں کے مشرق تک پھیلا ہوا تھا حکومت کرتا تھا۔ یعنے "وہ جنوبی علاقہ جو مشرق کی طرف پامیر کی حد ہے اور اس کو دریائے تاریم کے علاقے سے جدا کرتا ہے[1]۔ ہندوستان خاص میں اس کے سکے کڈفائسس دوم کے سکوں کی معیت میں کابل سے لے کر دریائے گنگا کے کنارے پر غازی پور کے شہر تک برابر پائے جاتے ہیں۔ اور ساتھ ہی تعداد میں ان کی کثرت اور اختلافات کی وجہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا عہد حکومت خاصہ طویل و مدید تھا۔ سندھ کا بالائی علاقہ[2] اس کی سلطنت میں شامل تھا۔ مگر فاتح کی حیثیت سے جو شہرت اس کو حاصل ہوگئی ہے۔ اس سے یہ اغلب ہے کہ اس کی فتوحات کا سلسلہ دریائے سندھ کے دہانوں تک بڑھا ہوا تھا۔ اور اگر اس کے وقت میں وہ لوگ موجود تھے۔ تو اس نے ان یارتھی بادشاہوں کا بھی بالکل صفایا کردیا۔ جو اس علاقے میں پہلی صدی عیسوی تک حکمراں تھے۔ مگر اس کے بعد ان کا نام سننے میں نہیں آتا؛

اس کے تعلقات روما سے

وہ ہندی سفارت جس نے ۹۹ء میں ٹراجن کے روما میں واپس آنے کے بعد اس کی خدمت میں

---

[1] شٹین "اینشنٹ ختن" صفحہ ۲۷؛

[2] سوبہار بھاول پور کے قریب کے کتبے پر جس کو ہارنل نے بعد تصحیح انڈین انٹی کویری جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۴ میں طبع کرایا۔ مہاراجہ راجہ تراجہ دیوپتر کنشک کی حکومت کے گیارھویں سال کی تاریخ ہے۔ جو مطابق ہے مقدونوی ماہ ڈیسئوس کی ۲۸ تاریخ کے۔ یہ جنتری کسی سال یا سمت کے ظاہر کرنے کے استعمال کی جاسکتی ہے جس طرح کہ ۲۹۷ ق م کے پونٹک سال کے ظاہر کرنے کے لئے کی گئی تھی (نیومسمیٹک کرانکل ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۱۸)۔ اسی طرح جہانگیر ایرانی شمسی ماہ کے ناموں کو ہجری کے قمری ماہ کے ساتھ استعمال کیا کرتا تھا؛

مبارکباد عرض کی غالباً اس کو کنشک نے ہی اپنی فتوحات کو مشتہر کرنے کے لئے روانہ کیا ہوگا[1]؎

ٹراجن کے سلاا ۱۱۶ء میں دریائے دجلہ و فرات کے درمیان علاقہ الجزیرہ پر عارضی طور پر قبضہ کرنے سے رومتہ الکبرےٰ کی سرحد اور یوچی سلطنت کی مغربی حد میں صرف (۶۰۰) میل کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ اور اگرچہ دریائے فرات کے مشرقی صوبے کو اس کی فتح کے دوسرے ہی سال ہڈرین نے واگذاشت کردیا تھا[2]۔ مگر اس میں شک نہیں ہے کہ اس زمانے میں شمالی اور مغربی ہندوستان کے بادشاہ اس مغربی سلطنت کی عظمت اور شہرت سے بخوبی واقف تھے؎

کشمیر کی فتح

یہ غالباً کنشک کا ہی کام تھا کہ اس نے کشمیر کی دور افتادہ وادی کو زیر نگین اور اپنی سلطنت کے ساتھ ملحق کیا۔ یہ یقینی ہے کہ اس نے اس خوشگوار ملک کو اپنے اور تمام مقبوضات میں ہمیشہ مرجح سمجھا۔ یہاں اس نے بہت سی عمارات تعمیر کرائیں۔ اور ایک شہر بسایا۔ جو اگرچہ اب محض ایک گاؤں ہی رہ گیا ہے مگر کنشک کا نام اب تک اس میں باقی ہے[3]؎

---

[1] "اور جب ٹراجن روما میں واپس آگیا تو بیرونی بادشاہوں کے درباروں میں بڑی بڑی سفارتیں اس کے پاس آئیں۔ اور ایک سفیر خاص کر ہندوستان سے آیا۔ ..... وہ (ٹراجن) جب سمندر (دریائے دجلہ کے دہانے) تک پہنچا تو اس نے ایک جہاز کو ہندوستان کی طرف جاتے دیکھا" (ڈیوُن کیسئس۔ ہسٹری آف روم۔ باب ۹ فصل ۵۸ باب ۶۷ فصل ۲۸۔ منقول فی میک کرنڈل اینشنٹ انڈیا سنہ ۱۹۰۱ء صفحہ ۲۱۳)؎

[2] وہ صوبے جن کو ہڈرین نے چھوڑ دیا تھا۔ آرمینیہ۔ الجزیرہ۔ اور السیریا کے علاقے تھے۔ (میریویل "ہسٹری آف دی رومن" باب ۶۶)؎

[3] اسٹین:۔ راج ترنگنی۔ مترجم باب اول ۱۶۸۔۲۔۱۷۲ تک۔ کنشکپور کی جگہ اب ایک گاؤں کانسپور آباد ہے۔ جو ۷۴-۲۰ مشرقی طول بلد۔ اور ۳۴-۱۴ شمالی عرض بلد پر

پاٹلی پتر پر حملہ

روائت کا بیان یہ ہے کہ کنشک اندرون ملک میں بہت دور تک چلا گیا تھا۔ اور اس نے اس بادشاہ پر حملہ کیا تھا جو پاٹلی پتر کے قدیم دار السلطنت میں حکمراں تھا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اس شہر سے بدھ مذہب کے ایک ولی اسوگھوش نامی کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس حکایت کے تمام پہلوؤں اور اختلافات کا مقابلہ کرنے کے بعد صرف اتنی بات صحیح مان لینے کے وجوہ ملتے ہیں کہ کنشک اور اسوگھوش ہمعصر تھے[1] اگر وہ نظام سنین جو اس کتاب میں اختیار کیا گیا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ دریائے بہت اور اس شاہ راہ کے درمیان واقع ہے جو بارامولا سے سرینگر کو جاتی ہے۔ کشمیر کی تاریخ کی عبارت حسب ذیل ہے:۔ "اس کے بعد اس ملک میں تین بادشاہ گذرے جن کے نام ہُشک جُشک اور کنشک تھے۔ انھوں نے اپنے ناموں سے تین شہر الگ الگ بسائے۔ جشک وہ شاہ دانشمند جس نے جشکپور بسایا تھا۔ اسی نے جے سوامی پور کو بھی آباد کیا تھا۔ یہ بادشاہ جو نہائت عابد و زاہد تھے اگرچہ نسلاً ترشک کی قوم سے تھے۔ مگر انھوں نے سشکلیتر اور دوسرے مقام شل مٹھ چیت وغیرہ تعمیر کرائے" (اسٹین ترجمہ راج ترنگنی باب ۱ - ۱۷۱ - ۱۶۸)۔ آگے چل کر کلہن لکھتا ہے کہ ان زبردست بادشاہوں کے زمانے میں تمام کشمیر کا علاقہ بہ ہیئت مجموعی بدھ مت والوں کے قبضے میں تھا۔ ان کی تاریخ وہ نروان کے (۱۵۰) برس بعد بتلاتا ہے۔ مگر بظاہر یہ بالکل خلاف عقل ہے۔ جشک کے نام سے ایک اور نام جُوشک بھی نکل سکتا ہے۔ اس بادشاہ کے وجود کا ثبوت اس امر سے ملتا ہے کہ اس کا آباد کیا ہوا شہر اب تک موجود ہے۔ اور سرینگر کے شمال میں زکور کے نام سے ایک آباد قصبہ ہے۔ باسودیو سے اس کو ایک کرنے کی کوئی کافی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ ممکن ہے کہ وہ کشمیر میں محض ایک نائب السلطنت کی حیثیت سے ہی ہو۔ کنشک اور ہوشک کے سکّے اس ملک میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ترشک کے لفظ کا اطلاق اکثر مسلمانوں پر کیا جاتا تھا۔ اور میرے نزدیک اس کے معنے صرف یہ ہیں کہ کوئی وہ شخص جو دروں کے پار سے ہندوستان آیا ہو" اس اصطلاح کا مطلب ہرگز یہ نہ لینا چاہیئے کہ کنشک وغیرہ کا تعلق ترک اور یا ان کے ہم جنس کسی خانہ بدوش قوم سے تھا؛

[1] چینی ترجمہ جو ۴۷۲ء میں ایک گم شدہ سنسکرت کتاب سری دھرم پٹک سمپرادیا ندان (۶) سے

صحیح ہے تو ہندی سیتھی یا کشان خاندان کی سلطنت کنشک کے عہد حکومت میں مہاراشٹر کے کشہرات سترپ نہپان اور اجین کے سترپ چشٹس کی معرفت جو غالباً سک قوم کا تھا تمام مغربی ہندوستان پر

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- کیا گیا منقول از لیوی :- "نوٹس سر لیس انڈو سیتھینز" صفحہ ۳۶ - ملک تبت کی ایک روایت کے مطابق کنشک نے اسوگھوش کو دوستانہ طور پر اپنے دربار میں مدعو کیا - مگر کیونکہ وہ اضمحلال اور معمری کی وجہ سے اس دعوت کو قبول نہ کر سکا اس وجہ سے اس نے اپنے چیلے جنان لیس کو اپنی جگہ بھیج دیا (ترجمہ سُمپاہی جیو جُنگ - جرنل بدھسٹ ٹکسٹ سوسائٹی ۱۸۹۳ء احصہ تین صفحہ ۱۳) - اس سے ایک ذرا مختلف روایت شیفر نے اپنی کتاب تارناتھ (باب ۱۲) میں - اور ایک روایت وٹیرس (جلد ۲ صفحہ ۱۰۴) نے دی ہے - جو کہتا ہے کہ اس ولی اللہ کو کا - نی ٹا (کنشک) بادشاہ کے حوالے بطور تاوان جنگ کے کر دیا گیا تھا چینیوں کے کانیٹا کے نام استعمال کرنے کی توجیہہ بھی کنشکپور (یا کانسپور) کے مقامی برہمنوں کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ ان کے خیال میں شہر کے بانی کا نام کنشتھ راجہ تھا (اسٹین - ترجمہ راج ترنگنی باب ۱ - فصل ۵ - صفحہ ۱۶۸ حاشیہ) - یہ کانٹیا راجہ بھکشوؤں کے ساتھ نہایت تلطف اور عزت سے پیش آتا تھا - اور اسو گھوش نے کشمیر میں سکونت اختیار کرنے کے بعد اپنا کام برابر جاری رکھا - مسٹر وٹیرس لکھتا ہے کہ " بدھ مذہب کا یہ زبردست عالم بظاہر دوسری صدی عیسوی میں گذرا ہے - وہ شاعر - موسیقی داں - عالم - مذہبی مناظر ایک جوشیلا بھکشو - مذہب کا نہایت پکا اور اس کے تمام قواعد وضوابط کا پابند تھا " اسوگھوش پارسوا کا چیلا تھا جس نے کنشک کی منعقدہ مجلس میں سب سے زیادہ شرکت کی تھی - (وٹیرس جلد اول صفحہ ۲۰۹) - ایم - فوشر کا بھی براہ راست یہی خیال ہے کہ اسوگھوش دوسری صدی عیسوی میں گذرا ہے - اگر یہ رائے درست اور قابل ثبوت ہے اور اگر اسوگھوش ایک حد تک کنشک کا ہمعصر بھی تھا - تو پھر کنشک کا ۷۸ء میں تخت پر بیٹھنا ناممکن ہے "

پھیل گئی تھی - جیسا کہ ان کے خطابات سے ظاہر ہے یہ دونوں سردار یقیناً کسی اعلیٰ تر بادشاہ کے زیر نگرانی ہوں گے - اور یہ بادشاہ یا حکومت سوائے کنشک اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

اس کا دارالسلطنت

کنشک کا دارالسلطنت پرشپور (موجودہ پشاور) تھا - یہی وہ شہر تھا اور اب بھی ہے جو افغانستان کے دروں سے ہندوستان کی شاہ راہ کی حفاظت کرتا ہے - اپنی زندگی کے آخری حصے میں جب کنشک بدھ مت کا پرجوش حامی اور پیرو ہو گیا تھا تو اس نے اسی مقام پر تبرکات کا ایک زبردست مینار تیار کیا تھا جس کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ وہ دنیا کے عجائبات میں شمار کئے جانے کے لائق تھا - بنیاد کے اوپر تیرہ منزلوں کا ایک مینار قائم کیا گیا تھا - جو بلندی میں (۴۰۰) فیٹ تھا - اور جس پر لوہے کا ایک زبردست کلس تھا - جب ایک چینی جاتری سنگ یُن چھٹی صدی عیسوی کے اوائل میں اس جگہ آیا تھا - تو یہ مینار تین دفعہ جل کر خاکستر ہو چکا تھا - اور ہر دفعہ کوئی نہ کوئی زاہد و عابد بادشاہ پھر اس کو قائم کر دیتا تھا - ایک خانقاہ جو اسی کے قریب واقع تھی - نویں صدی عیسوی تک بدھ مذہب کی[1]

[1] پشاور کے گرد و نواح گندھار کے علاقے کے جغرافیائی حالات کے لیئے دیکھو ایم - فوشر کا قابل قدر اور نایاب رسالہ :- نوٹس سر لا جیوگریفی انسین ڈ گندھارا " (ہنوئی ۱۹۰۲ء) تارناتھ (شیفنر باب ۱۳ صفحہ ۶۲) قریب ہی کے ایک اور شہر لشکلاوتی کا ذکر کیا ہے جو کنشک کے بیٹے کا جائے قیام تھا - تبرکات کے مینار کا سب سے زیادہ تفصیلی بیان سنگ یُن کا ہے (بیل - ریکارڈس جلد ا صفحہ ۱۰۳ (iii ۲) اور جو نیئر کی کتاب دوسری ایڈیشن - ہنوئی ۱۹۰۳ء) - اس کا ذکر فاہیان (باب ۱۲) اور ہیون سانگ (باب ۲ - بیل جلد اول - صفحہ ۹۹ - واٹرس جلد اول صفحہ ۲۰۴) نے بھی کیا ہے - سنہ ۱۰۳۰ء میں البیرونی تک نے کنک چیتیا کا ذکر کیا ہے - (زخاؤ ترجمہ جلد دوم صفحہ ۱۱) - خانقاہ کا ذکر ہیون سانگ نے کیا ہے (بیل - جلد ا صفحہ ۱۰۳) -

تعلیم کا ایک بارونق مرکز تھا۔ اسی آخری زمانے میں بدھ مذہب کا ایک زبردست عالم ویرہ دیو بھی وہاں آیا تھا جو آخر کار مگدھ کے بادشاہ دیو پال کے زمانے میں (سنہ ۸۴۲-۹۲ء) نالندکی خانقاہ کا حاکم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔

اس مشہور و معروف عمارت کی آخری بربادی بلاشک و شبہ محمود غزنوی اور اس کے جانشینوں کے حملوں سے ہوئی۔ بدھ مذہب کے مقدس مقامات میں بتوں کی افراط و کثرت کے نظارے سے مسلمان بت شکنی کے واسطے دیوانہ وار بڑھتے تھے۔ اور ان کا جوش بالآخر تباہی اور بربادی کی صورت پکڑ لیتا تھا۔

پارتھی جنگ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کنشک کی اولوالعزمی ہندوستان کی سرحد کے اندر محدود نہ تھی۔ اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے پارتھیوں کے مقابلے میں ایک کامیاب جنگ کی تھی جس میں اس نے اس قوم کے بادشاہ پر حملہ کیا۔ جس کے متعلق کہتے ہیں کہ "سخت احمق اور تیز مزاج تھا"[۲]۔ یہ پارتھی بادشاہ ممکن ہے کہ خسرو ہو یا ان رقیب شہزادوں میں سے کوئی اور ہو جو پارتھی تخت و تاج کے سنہ ۱۱۰-۱۳۰ء کے درمیان میں دعویدار تھے[۳]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔ اس مقام کے محل وقوع کو ایم۔ فوشر نے دریافت کیا تھا۔ فوشر کی تبلائی ہوئی جگہ کو محکمۂ آثار قدیمہ نے نہایت کامیابی سے کھودا۔ اور اس میں سے سب سے زیادہ قابل قدر معلومات و تبرکات کا ڈبا ہے ایک تصویر اور کنشک کا ایک کتبہ ہے۔ کنشک کے میر عمارات کا یونانی نام اگے سیلوس تھا۔ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۱۰۹۔ اینئول رپورٹ آرکی آلوجیکل سروے آف انڈیا۔ سنہ ۱۹۰۸-۹ء صفحہ ۶۰-۳۰۔ ہسٹری آف فائن آرٹ ان انڈیا اینڈ سیلون صفحہ ۸-۳۵۶۔ پلیٹ ۷۵)۔

[۱] گھوسراؤں کا کتبہ مصححہ و مترجمہ کیلہارن۔ انڈین انٹی کویری جلد ۱۱ (سنہ ۱۸۹۹ء) صفحہ ۱۲-۳۰۷۔

[۲] لیوی۔ کتاب مذکورہ بالا صفحہ ۴۔

[۳] جی۔ رالنسن :۔ پارتھیا سنہ ۱۸۹۳ء صفحہ ۳۰۶۔

کاشغر۔ یارقند۔ اور ختن کی فتح

کنشک کی سب سے زیادہ تعجب خیز اور حیرت انگیز فوجی مہم کاشغر۔ یارقند اور ختن کی فتح تھی۔ یہ چینی ترکستان کے نہایت وسیع صوبے ہیں جو تبت کے شمال اور پامیر کے مشرق میں واقع ہیں۔ اور آج کل کی طرح اس زمانے میں بھی چین کے باجگذار تھے۔ جب ۹۰ء میں اس نے اس دشوار مہم کو سر کرنے کی کوشش کی تھی تو جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اس کو اس میں سخت ناکامیاب اور رسوا ہونا پڑا تھا۔ اور مجبوراً اس نے چین کو خراج ادا کرنا منظور کر لیا تھا۔ لیکن تھوڑی مدت کے بعد۔ جب پن۔ چو کا انتقال ہو گیا۔ اور اس نے بھی ہندوستان اور کشمیر کے پر امن مقبوضات کو مستحکم کر لیا۔ تو وہ اب گذشتہ مرتبہ کی بہ نسبت زیادہ تیار تھا کہ تا عذمباش پامیر کے دشوار گزار پہاڑوں کو ایک زبردست فوج کی ہمراہی میں قطع کرے۔ یہ ایک ایسا کارنامہ تھا جو ہندوستان کا کوئی موجودہ حکمراں انجام دینے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ کنشک دوسری مہم میں کامیاب ہوا۔ اور نہ صرف خراج کی ادائی کے فرض سے اپنی گلوخلاصی کر لی۔ بلکہ ایک ایسی ریاست سے یرغمال بھی حاصل کیئے جو سلطنت کی باجگذار تھی۔ ایک صاحب تاریخ کا یہ بیان کہ ان یرغمالوں میں چین کے ہن خاندان کے شاہنشاہ کا بیٹا بھی شامل تھا۔ اس قابل نہیں معلوم ہوتا کہ اس پر یقین یا اعتبار کیا جاوے۔ وہ علاقہ جس کے حکمراں کے خاندان سے یہ یرغمال حاصل کیئے گئے تھے۔ کاشغر سے کچھ بہت دور واقع نہ تھا؛

یرغمال

ان یرغمالوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا گیا جو ان کے مرتبے اور شہزادگی کی شان کے شایاں تھا۔ ان کی بہت کچھ خاطر و مدارات کی گئی۔ اور تینوں موسموں میں ان کے لائق مختلف بدھ خانقاہوں میں ان کو رہنے کی جگہ دی گئی۔ گرمی کے موسم میں جب کہ ہندوستان کے میدان

---

[1] یارقند موجودہ تلفظ ہے۔ عموماً مسلمان اس نام کو یارقند لکھتے چلے آئے ہیں۔ (اسٹین اینشنٹ ختن صفحہ ۹۷)؛

دوزخ کا نمونہ ہو جاتے تھے۔ تو وہ ہنیان کی ایک خانقاہ شا۔ لو۔ کا میں ٹھنڈی ہوائیں کھاتے تھے۔ اس نام کے معنے غالباً خانقاہ کا شعر ہیں۔ یہ کپس یعنے کابل کے اُس طرف موجودہ کافرستان میں واقع تھی۔ اور خاص کر ان کیلئے اس مقصد کے لئے تعمیر کی گئی تھی موسم بہار و خزاں کے دوران میں جس میں برسات کا موسم بھی شامل تھا یہ لوگ گن دھار غالباً خاص دارالسلطنت ہی میں زندگی بسر کرتے تھے۔ موسم سرما میں ان کا قیام مشرقی پنجاب کے کسی نامعلوم مقام پر ہوتا تھا۔ جس کا نام اسی وجہ سے چین بھکتی پڑ گیا تھا۔ ان کی نسبت یہ مشہور تھا کہ انھوں نے چین بھکتی کے سکونت کے دنوں میں ناشپاتی۔ اور شفتالو کو سب سے پہلے ملک میں رواج دیا ورنہ اس سے قبل یہ دونوں پھل اس نواح میں بالکل ناپید تھے۔ ان میں سے ایک نے وطن جانے سے پہلے سونے اور جواہرات کا ایک بڑا ذخیرہ کپس کی خانقاہ کو بطور عطیئے کے دیا۔ اور وطن جانے کے بعد بھی ہر ایک نے اس نیک سلوک کو یاد رکھا جو خانقاہ میں ان کے ساتھ کیا گیا تھا۔ اور ہمیشہ وہاں سے خانقاہ کے پجاریوں کے نام رقوم بھیجتے رہے۔ احسان مند اور ممنون بھکشوؤں نے بھی اپنی دیواروں پر اپنے ان مہمانوں کی تصویریں کھینچیں جن کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ شکل و شباہت اور لباس میں بہت کچھ چینیوں کے مانند تھے۔ جب سنہ ۶۳۰ء کے موسم باراں میں ہیون سانگ کپس کی خانقاہ میں مقیم تھا تو اس نے دیکھا کہ وہاں کے رہنے والوں کے دلوں میں ان کے محسنوں کی یاد اب تک تازہ ہے اور وہ ان کی مغفرت کے لئے اب تک دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ سنہ ۳۴-۶۳۳ء میں وہ چودہ ماہ تک چین بھکشی کی اس خانقاہ میں مقیم ہوا جس میں پہلے وہ یرغمال رہا کرتے تھے ؛

خزانے کی حفاظت ہیون سانگ کے سوانح نویس نے ایک عجیب و غریب حکایت اس خزانے کے متعلق بیان کی ہے جو ایک یرغمال نے کپس کے مقام کی شا۔ لو۔ کا خانقاہ کے لئے جمع کرایا تھا۔ اس کی نسبت یہ مشہور تھا کہ وہ ویسرون یا کوبیر یا جمبل کے بت کے قدموں میں

خانقاہ کے بدھ کے کمرے کے مشرقی دروازے کے جنوبی طرف مدفون کر دیا گیا تھا۔ ایک بے دین راجہ نے جب اس خزانے پر جبراً قبضہ کرنا چاہا۔ تو اس محافظ دیوتا کی طرف سے ایسی نشانیاں ظاہر ہوئیں۔ جن سے وہ ڈر گیا۔ اور اپنا قصد ترک کر دیا۔ اور جب وہاں کے بھکشوؤں نے دینے والے کے ارادے کے مطابق اس خزانے کو خانقاہ کی ترمیم و مرمت میں صرف کرنے کا ارادہ کیا۔ تو انھوں نے بھی ایسی ہی نشانیاں دیوتا کی خفگی اور ناراضگی کی دیکھیں ؛

اس وقت جب کہ ہیون سانگ اس خانقاہ میں ٹھیرا ہوا تھا۔ تو وہاں کے بھکشوؤں نے اس سے التجا کی کہ وہ دیوتا سے اس امر کی اجازت حاصل کر دے کہ اُس خزانے کو وہ گنبد کی مرمت میں جس کی سخت ضرورت تھی صرف کر دے۔ جاتری نے ان کی درخواست منظور کی۔ خوشبوئیں روشن کیں۔ اور باضابطہ طور پر دیوتا کو اس بات کا یقین دلایا کہ خزانے میں سے کسی قسم کی فضول خرچی یا غبن نہ کیا جائے گا۔ اس کے بعد مزدوروں نے اُس جگہ کو کھودنا شروع کیا۔ اور اس مرتبہ کوئی ایسی بات ظاہر نہ ہوئی جس سے دیوتا کی ناخوشی ظاہر ہوتی۔ آخر کار (۷) یا (۸) فیٹ کی گہرائی پر تانبے کا ایک زبردست برتن دکھلائی دیا جس میں منوں سونا اور ایک بڑی تعداد موتیوں کی تھی۔ گنبد کی مرمت کے بعد جتنا روپیہ کہ باقی بچا۔ وہ غالباً مدت ہوئی کہ ہیون سانگ سے کم پرہیزگار کھودنے والوں نے نکال لیا ہوگا[1] ؛

---

[1] متن کتاب میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کے وجوہ مفصل طور پر طبع دوم کے ضمیمہ ایل میں لکھ دئے مگر یہاں ان کا اعادہ غیر ضروری ہے۔ اس موقع پر صرف چند امور پر توجہ مبذول کرانی ہی کافی ہوگی۔ وہ علاقہ جس سے کہ یہ غال آئے تھے۔ چین کی وہ باجگزار ریاست تھی جس کو دریائے سیتا یا یارقند اور نام نہاد کا چکشو یعنے

اشوک کی حکایات کا عکس

کنشک کے تبدیل مذہب اور اس کے بعد بدھ مت کے لیئے اس کے جوش کی جو حکایات بیان کی جاتی ہیں۔ وہ اشوک کی حکایات کے اس قدر مشابہ ہیں۔ کہ یہ فیصلہ کرنا ذرا مشکل ہے کہ ان میں کتنی سچائی ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ دریائے سیحون سیراب کرتا ہے۔ جکشو کا نام معلوم ہوتا ہے کہ مشہور ہئیت داں بھاسکر اچاریا سے لیا گیا ہے (کولبرک:۔ سدھانت سرومنی وغیرہ۔ اور ولسن کی سنسکرت ڈکشنری۔ لفظاً و منقول فی ایلیٹ کی ہسٹری آف انڈیا جلد اول صفحہ ۵۰) مگر پروفیسر پھاٹک نے ثابت کیا ہے (انڈین انٹی کویری ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۶۶) کہ سیحون کا سنسکرت نام وکشو ہے۔ اور اس سے میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ جکشو کاتب کی غلطی ہے کیونکہ زمانۂ وسطیٰ میں ج اور و میں غلطی ہو جانی ممکن تھی؛

کپس کے علاقے میں ان یرغمالوں کی خانقاہ ہنیان مذہب کی تھی اور اسی وجہ سے اس کا تعلق کاشغر کے ہنیانی ملک سے تھا نہ کہ۔ یارقند کے۔ کے مہایانی علاقے سے۔ یہ ممکن ہے کہ کاشغر میں ہنیانی مذہب کی تبلیغ اشوک کے زمانے میں ہوئی ہو؛

بیل کے ترجمے کے مطابق یہ خزانہ "چند سو کٹی سونے اور کچھ موتیوں پر مشتمل تھا" کٹی ایک چینی وزن ہے جو کہا جاتا ہے کہ ۱½ پونڈ کے برابر ہوتا ہے۔ یرغمالوں کی حکایت کے حوالے حسب ذیل ہیں:۔

ہیون سانگ (یون چانگ) ریکارڈس۔ ویٹرس جلد اول صفحہ ۱۲۴ اور بیل جلد ۱۔ صفحہ ۵۷ کپس کے لیئے۔ کتاب مذکورہ ویٹرس جلد ۱ صفحہ ۲۹۲۔ اور بیل جلد ۱ صفحہ ۱۷۳۔ چینا بھکتی کے لیئے۔ لائف ہیون سانگ صفحہ ۵۴۔ کپس کے لیئے اس حکایت پر او۔ فرینک نے بیٹریج ...... زُر کینٹنس ڈرٹرکغولکر وغیرہ برلن ۱۹۰۴ء صفحہ ۸۰ میں بحث کی ہے۔ دریائے سیتا کے معلوم کرنے کے لیئے دیکھو اسٹین:۔ انشنٹ ختن (۱۹۰۷ء) صفحہ ۲۷۔ ۳۵۔ ۲۴۔ چینا بھکتی کی ہجا ویٹرس نے قائم کئے ہیں۔ یہ شہر جالندھر کے جنوب مغرب میں واقع تھا۔ اور اُسے فیروزپور کے ضلع میں تلاش کرنا چاہیئے؛

کہاں تک وہ واقعات پر مبنی ہیں۔ اور کہاں تک وہ محض قدیم روایات کا
پر تو ہیں۔ اشوک کی طرح اس یو۔چی بادشاہ نے اپنی تزک کی عبارتیں
نہیں چھوڑیں۔ اور اسی وجہ سے جب ایک دینی کتاب سے ہم کو یہ معلوم
ہوتا ہے کہ اس کے تبدیل مذہب کی وجہ بھی اشوک کی طرح خونریزی
سے نفرت تھی تو ہمیں کوئی ایسا بیان نہیں ملتا جس سے کہ قول کی تصدیق
و تنقیح ہو سکے۔ اغلب یہ ہے کہ یہ بیان محض اس حکایت کا ایک قسم کا
پرتو ہے جو اشوک نے اپنے متعلق بیان کی تھی؂

کنشک کا تبدیل مذہب جس طرح کہ مذہبی کتب کے مصنفین نے اشوک کے تبدیل مذہب اور ساکیامنی کے دین کو اختیار کرنے
کے تاثرات کو فروغ دینے کے لئے اشوک کے کفر و الحاد کے زمانے کی
بے رحمی اور خونریزی کے ذکر میں افراط و تفریط کی ہے۔ اسی طرح کنشک کی
نسبت بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس کو بری یا بھلی کسی بات کا عقیدہ
نہ تھا۔ اور اوائل زندگی میں وہ بدھ مذہب کو پوچ اور لچر سمجھتا تھا[1]۔ اس کے
عقیدے کی تبدیلیوں کی سب سے اچھی سند اس کے کثیر التعداد
اور مختلف سکوں سے ملتی ہے جو اکثر قدیم سکوں کی طرح نہ صرف اس
بادشاہ کے مذہب پر روشنی ڈالتے ہیں۔ جس نے کہ وہ سکے مضروب
کئے بلکہ ان قوموں کے مذاہب پر بھی جو اس کے زیر نگین تھیں۔ اس کے
سب سے بہتر اور غالباً سب سے قدیم سکوں پر یونانی زبان اور طرز تحریر
میں عبارتیں ہیں۔ اور ان پر سورج اور چاند کی مورتیں بنی ہوئی ہیں۔ جن پر
ان کے یونانی نام ہیلئوس اور سیلینے[2] کندہ ہیں۔ بعد کے سکوں میں
یونانی طرز تحریر تو باقی ہے مگر زبان یونانی نہیں بلکہ قدیم فارسی ہے۔
اور ساتھ ہی وہ دیوتا جن کی مورتیں ان پر ہیں۔ ان میں یونانی۔ ایرانی

---

[1] بیل۔ ریکارڈس۔ جلد اول صفحہ ۹۹؂

[2] سکوں پر اسے سیلینے لکھا ہے؂

اور ہندی ہر قسم کے دیوتا ملتے ہیں[1]۔ وہ نادر سکّے جن پر۔ بدھ ساکیامنی کی مورت۔ اور یونانی زبان میں اس کا نام منقوش ہے بالعموم یہ قیاس ہے کہ اس کی حکومت کے آخری زمانے کے ہوں گے۔ لیکن اُن کی ساخت میں کمال صنّاعی نمایاں ہے۔ اور یہ ممکن ہے کہ قیاسی زمانے سے وہ پہلے کے ہوں[2]۔ اگرچہ کنشک کے تبدیل مذہب کی صحیح تاریخ کا تعین ناممکن ہے۔ مگر اغلب یہ ہے کہ یہ واقعہ اُس کے تخت نشین ہونے کے چند سال بعد ہی ظہور میں آیا ہوگا؛

بدھ بطور ایک دیوتا کے۔

بدھ کا مختلف النوع اور بے میل دیوتاؤں کے گروہ میں نمودار ہونا اشوک کے نزدیک ایک عجیب و غریب خیال ہوگا۔ بلکہ ایسی بات اس کے سان و گمان میں بھی کبھی نہ آئی ہوگی۔ مگر کنشک کو یہ بات بالکل معمولی معلوم ہوتی تھی۔ اصل یہ ہے کہ اس کے زمانے کا نیا مذہب جو مہایان کے نام سے مشہور تھا ایک بڑی حد تک بیرونی اثرات سے متاثر تھا۔ اور اس کے ارتقاء میں ہندی۔ زردشتی۔ عیسائی۔ ناسٹک اور یونانی عناصر کا عمل ہوا تھا۔ اس عمل کو سکندر کی فتوحات۔ ہندیں موریا سلطنت کے

---

[1] سکّوں کے متعلق خاص کتب کے علاوہ دیکھو اسٹین کا قابل قدر مضمون "زوروواسیٹرن ڈیٹیز آن انڈوسیتھین کائینز" (اورنٹیل اینڈ بیلونیئن ریکارڈ اگست ۱۸۸۷ء) اس سال میں نٹ نے اسے دوبارہ شائع کرایا۔ اور چند اضافات کے ساتھ پھر انڈین انٹی کویری جلد ۱۷ (۱۸۸۸ء) صفحہ ۸۹ میں طبع ہوا)۔ ایم۔ اورل اسٹین کی نظریات پر علم اللسان کی رو سے گرسٹ نے سیگر اجازت سے مخالف تنقید کی (وائنا اورئینٹل جرنل جلد دوم (۱۸۸۸ء) صفحہ ۲۲۴-۲۳۷)۔ جہاں تک میں علمی باتوں کو سمجھ سکتا ہوں نقاد راستی پر معلوم ہوتے ہیں۔ جب میری کتاب دوسری مرتبہ طبع ہوئی ہے تو مجھ کو گرسٹ کے مضمون کا علم نہ تھا؛

[2] فان سیلٹ۔ نیچ فولکر صفحہ ۱۹۵؛

قیام۔ اور سب سے بڑھ چڑھ کر شروع کے قیاصرہ کے زمانے میں رومتہ الکبریٰ کے اتحاد سے بہت مدد ملی تھی۔ اس نو خاستہ بدھ مذہب میں گوتم بدھ اگرچہ نظری طور پر نہیں لیکن عملاً ایک دیوتا بن گیا تھا۔ اور اس کے ماتحت بادھی ستو کی کم طاقتور قوتیں تھیں جو گنہگار لوگوں اور اس کے درمیان بیچ بچاؤ کا کام دیتی تھیں۔ اسی قسم کا بدھ ان اقوام کے دیوتاؤں میں شامل ہو گیا تھا جو کنشک کی وسیع سلطنت میں اس کے زیر فرمان تھیں اور غالباً بعد کے زمانے کے راجہ ہرش کی طرح جو شیو اور بدھ دونوں کا مطیع اور پیرو تھا کنشک بھی اپنے نام نہاد کے تبدیل مذہب کے بعد پرانے اور نئے دیوتا دونوں کی پرستش کرتا تھا۔

گندھارا کی سنگ تراشی

گندھارا کے مشہور و معروف سنگ تراشی کے نمونے جو ضلع پشاور اور گرد و نواح کے علاقے میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اور جن کے بہت سے اچھے نمونے کنشک اور اس کے جانشینوں کے زمانے کے ملتے ہیں۔ اس نئے اور تغیر شدہ بدھ مذہب کی صورت کو بہت اچھی طرح ظاہر کرتے ہیں۔ یہ ایک مذہب تھا جس میں بہت سے دیوتا شامل تھے۔[1] کورنتھ کے سے ستونوں کے اوپر کے آراستہ و پیراستہ حصے۔ اور دیگر خصوصیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گندھارا کی سنگ تراشی یونانی رومی عام صنعت کی محض ایک شاخ تھی۔ لائق نقاد فن اب اس امر میں

---

[1] پرانے مصنفین نے اس بات کو پوری طرح محسوس نہیں کیا تھا۔ مگر اب اسے پروفیسر گرنوڈل اور ایم۔ فوشیر نے بالکل ثابت کر دیا ہے۔ اسی سنگ تراشی میں بدھی ستو کی بے شمار مورتیں شامل ہیں۔ اس مضمون پر سب سے بڑی سند ایم۔ فوشیر کی عالمانہ رسالہ "آرٹ گریکو بدھیک ڈو گندھارا" ہے جس کی پہلی جلد (صفحات ۶۳۹) ۱۹۰۵ء میں طبع ہوئی۔ دوسری جلد اب تک شائع نہیں ہوئی۔ دیکھو اس کے علاوہ "اے ہسٹری آف فائن آرٹ ان انڈیا اینڈ سیلون" باب ۴ و ۵

عام طور پر متفق ہیں کہ فن کی اس شاخ کے آخری ارتقا کا زمانہ دوسری صدی عیسوی کے اوائل میں تھا[1]؛

بدھ مذہب کی مجلس۔

بدھ مت کی مذہبی تاریخ میں کنشک کی حکومت اس خصوصیت سے اور مشہور ہے کہ اس نے ایک مذہبی مجلس منعقد کی تھی۔ جس کا نظام بالکل اُسی اسلوب پر تھا۔ جیسا کہ اشوک کی مجلس کا۔ کنشک کی کونسل کا ذکر لنکا کی تاریخوں میں بالکل نہیں پایا جاتا۔ اور مظنۂ غالب یہ ہے کہ ان کو کبھی اس کے متعلق کوئی اطلاع ہی نہیں ملی۔ اسی وجہ سے اس کی نسبت تمام معلومات کا انحصار شمالی ہند کی ان روایات پر ہے جو چینی۔ تبتی۔ اور منگولی مصنفین نے محفوظ رکھی ہیں۔ قدیم مجالس کی طرح اس مجلس کے حالات میں بھی سخت اختلاف ہے اور تمام تفصیلات صریحاً فسانہ آمیز و قیاسی ہیں؛

کہا جاتا ہے کہ کنشک نے ایک راہب کے زیر ہدایت جو ہر روز اس کو پڑھانے محل میں جایا کرتا تھا فرصت کے اوقات میں بدھ مذہب کی مقدس کتب کا مطالعہ کیا۔ بادشاہ کو مختلف فرقوں یا یا مذاہب کی متضاد تعلیمات سے بہت کچھ پریشانی ہوئی۔ اور اس نے اپنے استاد مقدس پارسوا کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ بہتر یہ ہے کہ مذہب کے صحیح عقائد و بیانات کو حال کیا جائے۔ پارسوا نے اس رائے سے بالکل اتفاق ظاہر کیا۔ اور فوراً دینی علماء کی ایک عام مجلس منعقد کرنے کے لیئے انتظامات کیئے گئے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ تمام علماء جو مدعو کیئے گئے تھے محض ایک ہی فرقے یعنے ہنایان ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ سب سے پہلا سوال جس کا تصفیہ کرنا ضروری تھا وہ یہ تھا کہ مجلس کا انعقاد کہاں ہو۔ بادشاہ نے گندھار کے علاقے کو تجویز کیا۔ مگر وہاں یہ اعتراض ہوا کہ اس کی آب و ہوا زیادہ گرم تر ہے۔ پھر کسی نے

[1] محکمۂ آثار قدیمہ کے کارکنوں کی رائے ہے کہ یہ اس سے بہت قبل پہلے کی تاریخ میں ہو چکا تھا؛

تجویز کیا کہ مگدھ علاقے میں راج گڑھی کے مقام پر جہاں پہلی مجلس بھی منعقد ہوئی اس کا بھی انعقاد کیا جائے۔ بالآخر تصفیہ یہ ہوا کہ کشمیر کے خوشگوار علاقے میں وہاں کے دارالسلطنت کے قریب کندلون کے مقام پر مجلس کا انعقاد ہو۔ باسومتر اس کا صدر اور مشہور و معروف مصنف اسوگھوش جس کو مذکورۂ بالا حکایت کے بموجب پاٹلی پتر سے قید کر کے لائے تھے اس کا نائب صدر مقرر ہوا۔ اراکین نے جو تعداد میں (۵۰۰) تھے بڑی تندہی سے قدیم ترین مذہبی علوم کی کتابوں سے لے کر کتب حاضرہ تک کی چھان بین کی تھی۔ اور شریعت کے تینوں حصوں پر بڑی ضخیم تفسیریں لکھیں۔ جو کتابیں اس طرح تیار کی گئیں ان میں مہاوبھاشا بھی شامل تھی۔ جو آجکل بھی چینی زبان میں موجود ہے۔ اور جو بدھ مذہب کے فلسفے کا مجموعہ بیان کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر تکاکسو کا جو ان باتوں میں بہت بڑی سند ہیں خیال ہے کہ جب تک وہ کتاب علماء زمانہ کے ہاتھ میں نہ آجائے اس وقت تک کشمیر کی مجلس یا اس کے کاموں پر رائے زنی بالکل بےکار و فضول ہے۔ جب اس مجلس کا تمام کام ختم ہوگیا تو ان کی مرتب کی ہوئی تفاسیر کو تانبے کی چادروں پر کندہ کرایا۔ اور انھیں ایک خاص ستوپ میں جو اسی غرض سے کنشک نے تعمیر کرایا تھا محفوظ کر دیا۔ ممکن ہے کہ یہ قیمتی خزانہ سری نگر کے پاس کسی ٹیلے کے نیچے دبا ہوا اب بھی موجود ہو۔ اور کسی موقع پر مل جائے۔ مجلس کے خاتمے کے بعد کنشک نے کشمیر کی آمدنی کو اشوک کی طرح مذہب کے لیئے مخصوص کر دینے کا دوبارہ ارادہ کیا۔ اور خود درۂ بارہ مولا میں سے ہوکر اپنے دارالسلطنت واپس چلا گیا[1]۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ

---

[1] اس مسئلے کی بڑی سند ہیون سانگ کی ہے (وٹیرس جلد اول صفحہ ۲۷۸ - ۲۷۰ - بیل جلد اول صفحہ ۱۱۷ و ۱۵۱ - تکاکسو کی تنقید وٹیرس کی کتاب پر - جے - آر - اے - ایس سنہ ۱۹۰۵ صفحہ ۴۱۴)۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ مجلس کشمیر میں بسومتر کے زیر صدارت کنشک شاہ گندھار کے

یہ مجلس سنہ ۱۰۰ء کے قریب منعقد ہوئی تھی۔ ساتھ ہی اس مجلس کو کوئی سیاسی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔ حکم سے جج بروس کی زیر ہدایت تھا منعقد ہوئی تھی۔ پرمارتھ (سنہ ۴۹۹-۵۶۹ء) نے بسو بندھو کی سوانح عمری میں (دیکھو اس کتاب کا ضمیمہ ص) اس مجلس کا ایک بالکل جداگانہ بیان دیا ہے کہ وہ کشمیر کے علاقے میں نروان کے بعد پانچویں صدی میں منعقد ہوئی۔ اس نے کنشک کا نام نہیں لکھا۔ اور اس کے انعقاد کو کاتیائنی پتر کے نام سے منسوب کیا ہے۔ اس کے قول کے مطابق اسوگھوش کو سراسوتی کے صوبے کے مقام ساکیت سے مدعو کیا گیا تھا۔ تاکہ وہ اپنے علم سے ان تفاسیر کے ملخص کرنے میں کام لے جو اس مجلس نے تیار کی تھیں (تکلکسو۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۹۰۵ء صفحہ ۵۲)۔

بسومتر کی کتاب مہا وبھاشا شاستر (ننجئو کی فہرست نمبر ۱۲۶۳) جو کنشک کے زمانے کی خیال کی جاتی ہے جنان پرستھان شاستر کی جو سرادستی وادن کے فرقے کی سب سے زیادہ مستند کتاب ہے ایک ضخیم تفسیر ہے۔ (تکلکسو۔ آئی۔ سنگ۔ بدھسٹ پریکٹسز صفحہ ۲۱)۔

منگولیا کی روایت کے مطابق اس مجلس نے بدھ کے اقوال کو جمع کرنے کا کام کیا۔ شاستر جنگول کر کلیگچی کے مطابق وہ کشمیر میں جالندھر کے مقام پر۔ اور سنگ ستین کے قول کے موافق گنجن کننسن کی سلطنت میں منعقد ہوئی تھی۔ (کلپراتھ۔ لیڈی کے فاہیان میں صفحہ ۲۴۹)۔

تیتی کہ گیورنے لکھا ہے کہ مجلس کا کام یہ تھا کہ وہ بدھ مذہب کو تیسری مرتبہ جمع کردے (کاسما کردسی "ایشیاٹک ریسرچز" جلد ۲۰۔ منقول فی السٹیرن، مونکزم صفحہ ۱۰۸)۔ وسلجیو (شیفنر صفحہ ۲۹۸) لکھتا ہے کہ "یوسٹن" کتاب کنشک کی کونسل کو نہیں مانتی۔ اور یہ "لن۔ گیور" نے مجلس کا انعقاد سنہ طبو بدھ بتلایا ہے۔ اسکی صدارت واسمی پتر نے کی تھی۔ اور اسی کے فرقے سے اس مجلس کا تعلق بھی تھا۔ چینی بیان ہے کہ مجلس کا انعقاد کنندھار (؟ گندھار) کے مقام پر ہوا تھا۔

تارناتھ نے لکھا ہے کہ بعض مصنفین بیان کرتے ہیں کہ مجلس کشمیر میں خانقاہ کندلون میں جمع ہوئی تھی۔ دوسرے لکھتے ہیں کہ وہ جالندھر کے مقام پر منعقد ہوئی تھی۔

اہمیت نہ دینی چاہیئے ۔

کنشک کی موت کے متعلق حکایت

ان حکایات میں جن کو ایم۔ سلوین لیوی نے شائع کیا ہے۔ ایک عجیب وغریب حکایت کنشک کی موت کے متعلق شامل ہے۔ جو ممکن ہے کہ اصلی واقعات پر مبنی ہو۔ اس سے تاریخ کے نئے سرے سے لکھے جانے پر جس کی تائید مسٹر آر۔ ڈی۔ بنرجی نے کی ہے۔ بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔ اسی کو مینے بھی تمام معلومہ واقعات کے سمجھنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ حکایت مفصلۂ ذیل ہے:۔

"اس بادشاہ کا ایک وزیر ماتھر نامی بڑا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ وہ خود کہتا ہے کہ اسناد سے معلوم ہوتا ہے کہ موخر الذکر مقام زیادہ قرین قیاس ہے۔ مگر اب آج کل جو شہادت دستیاب ہوتی ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مجلس کشمیر میں ہی منعقد ہوئی تھی۔ ہیون سانگ جب اپنے جالندھر جانے کا ذکر کرتا ہے (بیل۔ جلد اول صفحہ ۱۷۵۔ وٹیرس جلد اول صفحہ ۲۹۶) تو مجلس کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتا۔ ممکن ہے کہ اس بات نے کہ بعض کتابوں میں کنشک کو جالندھر کا بادشاہ لکھا ہے اس عقیدے کو زیادہ عام کر دیا ہو کہ مجلس کا انعقاد اسی مقام پر ہوا تھا۔ تارناتھ کے قول کے مطابق اس مجلس کے ان اٹھارہ فرق کے مابہ النزاع مسائل کا فیصلہ کیا تھا۔ جو پکے دیندار اور ناجی سمجھے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ تین ٹیک یا تو سب سے پہلی دفعہ ضبط تحریر میں لائے گئے یا یہ کہ اگر وہ پہلے تحریر میں آ چکے تھے تو ان کو اغلاط سے پاک کیا گیا۔ اس سے قبل مہایان کی ہمہ قسم کی کتب پہلے عرصۂ وجود میں آ چکی تھیں" (شیفنر صفحہ ۵۸) ؛

اس سے قبل کی مجالس کی حکایت کی تنقید کے لئے دیکھو مصنف کا مضمون:۔ "دی آئی ڈینٹیٹی آف پیادسی ودھا شوموریا۔ اینڈ سم کنکلڈڈ پرابلمز" (جے۔ آر۔ اے۔ ایس اکتوبر ۱۹۰۱ء)۔ کشمیر کے مقامی ناموں میں کندل کے معنوں کے لئے دیکھو اسٹین کا ترجمہ راج ترنگنی باب ۵۔ فصل ۵۔ صفحہ ۱۰۶ ؛

صاحبِ فراست تھا۔ اس نے کنشک سے کہا کہ:۔۔ "حضور اگر آپ اپنے خادم کی بات سنیں اور مانیں۔ تو تمام دنیا حضور کی حلقہ بگوش ہو جائے گی۔ سب کے سب آپ کے مطیع و فرماں بردار ہو جائیں گے۔ ہشت اقالیم آپ کے سایۂ عاطفت میں پناہ گزیں ہوویں گے۔ جو کچھ آپ کے خادم نے عرض کیا ہے اس پر غور فرمائیے۔ مگر اسے ظاہر نہ کیجئے" بادشاہ نے جواب دیا کہ "بہت بہتر۔ جیسا تم کہتے ہو ویسا ہی کیا جائے گا" تب وزیر نے تمام لائق و فرزانہ جنرلوں کو جمع کیا۔ اور چار پہلوؤں کی ایک فوج مرتب کی۔ جس طرف بادشاہ اپنے عنان پھیرتا لوگ اس کے سامنے اسی طرح سر بسجود ہو جاتے جس طرح کہ گھاس طوفان برق و باد کے سامنے۔ تین اقالیم کے باشندے اطاعت کے لیئے حاضر ہوئے۔ اور بادشاہ کنشک کے رہوار کے سموں کے نیچے جو چیز آتی یا تو ٹوٹ جاتی اور یا مڑ جاتی۔ بادشاہ نے کہا "میں نے تین جہت کو تو زیر نگین کر لیا ہے۔ اور ان کے تمام آدمی میرے سایۂ عاطفت میں آ گئے ہیں۔ صرف شمال کی جانب نے اب تک اطاعت نہیں کی۔ اگر میں اس کو بھی مطیع کر لوں۔ تو اس کے بعد میں کسی کے برخلاف ایسے موقع کی تلاش میں نہ رہوں گا کہ اس میں دست اندازی کروں۔ مگر اب تک اس میں کامیاب ہونے کا کوئی اچھا ذریعہ میری سمجھ میں

نہیں آیا۔" یہ الفاظ سن کر بادشاہ کی رعایا نے
آپس میں مشورہ کیا اور کہا:- "بادشاہ حریص۔
سفاک اور بے عقل ہے۔ اس کی متواتر
جنگوں اور فتوحات نے اس کی رعایا کا
ناک میں دم کر دیا ہے۔ قناعت اس میں
نام کو نہیں۔ بلکہ وہ چاہتا ہے کہ جہات اربعہ پر
حکمرانی کرے۔ دور و دراز مقامات پر افواج
متعین ہیں۔ اور ہمارے اعزا و اقربا سے دور
پڑے ہوئے ہیں۔ ایسی حالت میں ہم کو
آپس میں اتفاق کر کے اس کا کام تمام کر دینا
چاہیئے۔ اس کے بعد ہم خوش و خرم رہیں گے۔"
چنانچہ اس کی بیماری کی حالت میں انھوں نے
اُسے ایک رضائی اُڑھا دی اس کے اوپر
ایک شخص بیٹھ گیا۔ اور اس طرح بادشاہ نے
وہیں کے وہیں جان دے دی۔"[1]

معلوم ہوتا ہے کہ کنشک نے پینتالیس برس حکومت کی
تھی۔ اور یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ اس کی زندگی کا خاتمہ ۱۲۳ء
میں ہوا تھا۔

واسشک کنشک کے جانشینوں کے متعلق معلومات بہت
محدود ہیں۔ کتبات سے ثابت ہوتا ہے کہ ۲۴ء
و ۲۸ء میں واسشک۔ ۳۳ء و ۶۰ء میں ہوشک متھرا کے
مقام پر برسر حکومت تھا۔ مگر ۴۱ء میں اس مقام پر کنشک بھی
حکمران تھا۔ اس ظاہری تضاد کو باہم ربط دینے کی سب سے بہتر

[1] سری۔ دھرم۔ ٹپک وغیرہ۔ انڈین انٹی کویری ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۸۸۔

صورت یہ ہے کہ فرض کر لیا جائے کہ واسشک اور ہوشک دونوں کنشک کے بیٹے تھے۔ اور اس زمانے میں جبکہ ان کا باپ کوہستان کے اُس پار جنگ و جدل میں مشغول تھا وہ یکے بعد دیگرے شمالی ہند میں اس کے نائب السلطنت تھے۔ واسشک کا کوئی سکّہ دریافت نہیں ہوا۔ اور غالباً وہ اپنے باپ کی موت سے قبل ہی وفات پا چکا ہو۔ اور اسی لیئے اس کے بعد اس کا دوسرا بیٹا ہوشک[1] تمام سلطنت کا مالک ہوا تھا۔ ہوشک کے کثیر التعداد سکّے ممکن ہے کہ اس کے تخت شاہی پر بیٹھنے کے بعد ہی مضروب ہوئے ہوں۔ بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ واسشک کو سکّے ضرب کرانے کی اجازت نہ تھی۔ کیونکہ اگر اس کے کچھ سکّے مضروب ہوتے تو یہ ناممکن ہے کہ اس کے بعض نمونے اب تک دریافت نہ ہو گئے ہوتے ؛

ہوشک - یہ یقینی امر ہے کہ ہوشک کی سلطنت میں کابل[2]۔ کشمیر اور متھرا شامل تھے۔ موخر الذکر شہر میں ایک عالیشان بدھ خانقاہ کا نام اسی کے نام پر رکھا گیا تھا[3]۔ کیونکہ اپنے باپ کنشک کی طرح وہ بھی بدھ مذہب کا بڑا زبردست حامی و مددگار تھا۔ اپنے مشہور تر پیشرو سے وہ اس بات میں بھی مشابہت رکھتا تھا کہ اسے بھی اس کی طرح یونانی۔ ہندی اور ایرانی دیوتاؤں کا یکساں شوق تھا۔ ہوشک کے سکّوں کی مورتوں میں ہرکلیس۔ سراپیس ("سراپو")۔

[1] ہوشک کا نام مختلف طور پر مثلاً ہُشک اور ہویشک لکھا جاتا ہے ؛

[2] ۵۱ء کا ایک کتبہ جو پیتل کے برتن پر لکھا ہوا ہےمسن نے خوات کے ستوپ سے وردک کے ضلع میں کابل کے جنوب مغرب سے تیس میل کے فاصلے پر پایا تھا۔ پرگیٹر کی تصحیح اور ترجمہ کی وجہ سے تمام پرانے ترجمے بیکار ہو گئے ہیں۔ (ج۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۱۲ء صفحہ ۳-۱۰۶۰ ایپی گریفیا انڈیکا جلد ۱۱۔ صفحہ ۲۱۹-۲۰۲) ؛

[3] کننگھم۔ آرکی آلوجیکل رپورٹ جلد اول صفحہ ۲۳۸ ؛

سکند مع اپنے بیٹے وساکھ۔ آگ کا دیوتا فیرو اور اور بہت سی تصویریں پائی جاتی ہیں۔ مگر بدھ کی مورت اور نام دونوں ان میں ندارد ہیں۔ اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ ہندی سیتھی بادشاہ بدھ مذہب میں بہت کچھ راسخ الاعتقاد نہ تھے۔ اور غالباً یہ سمجھنا صداقت سے بہت دور نہ ہوگا کہ شاہی انعام واکرام مذہب کے علاوہ ان کی زبردست اور طاقتور خانقاہوں کو دیئے جاتے تھے۔ اصل یہ ہے کہ کوئی دور اندیش بادشاہ اس زمانے میں اتنی مجال نہ رکھتا تھا کہ ان طاقتور اور با اثر خانقاہوں کو نظر انداز کر دے۔ جس کی شاخیں سلطنت کے کونے کونے میں پھیلی ہوئی تھیں؎

ہشکپور۔ ہوشک نے کشمیر میں ایک شہر ہشکپور بسایا۔ یہ شہر عین درۂ بارہ مولا کے جو اس زمانے میں اس وادی کا "مغربی دروازہ" کہلاتا تھا۔ پار واقع ہونے سے ایک خاص اہمیت رکھتا تھا۔ اور صدیوں تک وہ مشہور و معروف رہا۔ ۶۳۱ء میں جب ہیون سانگ کشمیر گیا تو چند روز تک ہشکپور کی خانقاہ والوں نے اس کی مہمان نوازی کا پورا پورا حق ادا کیا۔ اور وہاں سے اس کو اس طرح بعزت و احترام دارالسلطنت پہنچایا گیا۔ کہ پانچ ہزار بھکشو اس کے ہمرکاب تھے۔ ہشکپور کے موقع پر آج کل ایک چھوٹا سا گاؤں اشکور نامی آباد ہے۔ جہاں ایک قدیم ستوپ کے آثار اب تک پائے جاتے ہیں؎

اس کا عرصۂ حکومت اس میں شک نہیں معلوم ہوتا کہ ہوشک کا عرصۂ حکومت زیادہ تھا۔ مگر اس کے عہد کے تمام سیاسی واقعات بالکل فراموش ہو گئے ہیں۔ اس کے کثیر التعداد سکّے کنشک کے سکّوں

؎ اسٹین:۔ راج ترنگنی۔ ترجمہ باب ا فصل ۵۔ صفحہ ۱۶۸۔ جلد دوم صفحہ ۴۸۳۔
بیل:۔ لائف آف ہیون سانگ صفحہ ۶۸؎

سے بھی زیادہ مختلف نوعیت کے ہیں۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ پائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس زمانے کی فن سنگتراشی کی طرح ان میں بھی یونانی خیالات کا اثر برابر پایا جاتا ہے۔ چند سونے کے سکوں پر بادشاہ کی نہایت عمدہ اور خاص تصویریں بھی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مستقل مزاج مگر بھدّے نقشے کا آدمی تھا جس کی بڑی بڑی آنکھیں اندر کو دھسی ہوئی تھیں۔ اور تکاسی لمبی ناک[1] تھی۔ جہاں تک پتہ چلتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے زمانے میں کشان کی سلطنت میں کسی قسم کا رخنہ یا کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ اس کی حکومت کے متعلق یہ فرض کیا جاتا ہے کہ وہ سنہ ۱۴۰ء میں یا اس کے قریب ہی ختم ہوئی ؛

باسودیو اوّل کی حکومت ۱۴۰ء سے سنہ ۱۷۸ء تک

ہوشک کے بعد باسودیو اس کا جانشین ہوا۔ اس بادشاہ کے خالص ہندی نام سے جو وشنو کا مترادف ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کس قدر جلد یہ اجنبی حملہ آور اپنے گرد و پیش کے حالات سے متاثر ہوئے تھے۔ اس کے سکے بھی اسی بات کی شہادت دیتے ہیں۔ چنانچہ تقریباً ان سب کی پشت پر شو دیوتا کی تصویر مع اس کے بیل نندی اکمند۔ ترسول اور ہندی بتوں کی دیگر علامات کے پائی جاتی ہیں۔ باسودیو کے کتبات سے جو اکثر متھرا ہی میں ملتے ہیں ۷۴-۹۸ سنہ کے بین بین ہیں۔ یعنے اس سنہ کے جو خاندان کشان کے زمانے میں مروج تھا۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حکومت کا عرصہ کم و بیش پچیس (۲۵) برس کا تھا۔ ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ اس کا خاتمہ سنہ ۱۰۰ء میں ہوا تھا۔ جو اس نظام سنین کے مطابق ہے جو دفع الوقتی کے لئے اختیار کر لیا گیا ہے ۱۷۸ء کے برابر ہوتا ہے ؛

---

[1] کارڈنر :- برٹش میوزیم کیٹلاگ آف گریک اینڈ انڈو سیتھین کنگس۔ لوح ۲۷ - ۹ - ۵ و لوح ۲۸ - ۹ - ڈی - ۱ - ۷ - سمتھ کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم جلد اول لوح ۱۲ ؛

کشان سلطنت کا انحطاط و زوال

یہ بالکل ظاہر ہے کہ باسودیو اول کی طولانی مدت حکومت کے اواخر میں سلطنت کشان میں ضرور زوال آنا شروع ہو گیا ہو گا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے خاتمے کے قریب یا فوراً اس کے بعد ہی کنشک کی سلطنت بھی ایشیا کی دوسری سلطنتوں کے قانون زوال و انحطاط سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اور مختصر سے زمانے کے اتحاد و اتفاق کے بعد اس کے بھی پرخچے اُڑ گئے۔ باسودیو کے مرنے کے ایک زمانے کے بعد تک اس کے نام ہی کے سکے مضروب ہوتے رہے۔ آخر کار ان میں بادشاہ کو ایرانی لباس پہنے ہوئے ظاہر کیا گیا ہے۔ اور یہ صریحاً معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان میں شاہپور اول ساسانی کی جس نے ایران پر ۲۳۸-۲۶۹ء تک حکومت کی تھی۔ تصویر کی نقل اتارنے کی کوشش کی گئی ہے[1]۔

وبا۔ یہ امر قرین قیاس ہے کہ ہندی سیتھی سلطنت کے زوال میں اس عالمگیر وبا کی وجہ سے اور زیادتی ہو گئی جو ۱۶۷ء میں بابل کے علاقے سے شروع ہوئی۔ اور کئی سال تک رومی اور پارتھی سلطنتوں کو اس نے برباد کیئے رکھا۔ روما کے شہر اٹلی اور صوبجات کے باشندوں کی ایک بڑی تعداد۔ اور تقریباً تمام کی تمام فوج اس وبا کے نذر ہوئی۔ نیبوبھر نے رائے ظاہر کی تھی کہ قدیم دنیا اس وبا کے اثرات سے جو مارکس یورے لئس کے زمانے میں پڑی کبھی بھی نہ بچ پائیں۔" اور یہ ممکن نہیں کہ ہندوستان اس سے

---

[1] فان سیلٹ :- تیج فولگر صفحہ ۶۳ - کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم جلد ۱ صفحہ ۹۲-۹۳ - مسٹر آر۔ ڈی بنرجی کا خیال ہے باسودیو اول کے جانشین کنشک دوم (کنیشکو)۔ باسودیو دوم۔ باسو (دیو) سوم تھے۔ اس رائے کو انھوں نے سکّوں کی شہادت سے حاصل کیا ہے۔ (دی نوٹس آن دی انڈو سیتھین کائنیج" جرنل اینڈ پروسیڈنگس آف اے۔ ایس۔ بی۔ ۱۹۰۸ء صفحہ ۸۱)۔

محفوظ رہا ہو۔[1]

ہندوستان پر ساسانی اثر۔

سکوں کی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایران کا اثر پھر ہندوستان میں اندرون ملک پر پڑنا شروع ہو گیا تھا۔ لیکن جن ذرائع و وسائل سے یہ اثر یہاں تک پہنچا ان کے متعلق کوئی بات یقینی طور پر معلوم نہیں۔ یہ معلوم ہے کہ ۲۷۷ء و ۲۹۴ء کے دوران میں بہرام (ورہران) دوم نے سیستان پر فوج کشی کی تھی۔ مگر تیسری صدی عیسوی میں ساسانیوں کے ہندوستان پر کسی حملے کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ کیونکہ اس زمانے میں تمام تاریخی ماخذ کے معمولی منبعے بالکل خشک ہو گئے تھے۔ کوئی ایسا کتبہ اب تک دریافت نہیں ہوا جس کو یقینی طور پر اُس زمانے کا کہا جا سکے۔ اور سکے بھی جو مقامی سرداروں اور بادشاہوں نے مضروب کرائے تھے تاریخی حالات پر روشنی نہیں ڈالتے۔ بہر حال یہ یقینی ہے۔ کہ ہندوستان کے دو زبردست اور عالیشان خاندان۔ یعنی کشان شمال میں اور اندھر دکن کے سطح مرتفع میں۔ ایران کے اشکانی خاندان کے ساتھ جس کی جگہ ساسانی قائم ہو گئے ایک ہی وقت میں (۲۲۶ء) برباد و تباہ ہوئے۔ یہ بات دیکھتے ہوئے۔ اس خیال کو اپنے دل سے دور کرنا بالکل ناممکن ہے کہ کسی نہ کسی طریقے سے ان تینوں واقعات کا ایک دوسرے سے تعلق تھا۔ اور شمالی ہند کے خاندان کشان کے سکوں پر جو ایرانی اثر پایا جاتا ہے اس کی وجہ کوئی نہ کوئی ایسا ایرانی حملہ ہوا ہو گا جس کی خبر ہم تک نہیں پہنچی۔ مگر اس خیال کی تائید کے لئے کوئی ثبوت بلاواسطہ نہیں ملتا۔ اور اگر یہ حملہ ہوا بھی تو وہ ان قزاق اور لٹیری اقوام

---

[1] یوٹروپئس باب ۱۲۔ میریویل (ہسٹری آف دی رومنز انڈر دی امپائر صفحہ ۳۳۲ و ۳۵۸ (باب ۶۸) میں اسناد کا حوالہ دیا ہے اور اس مصیبت کے بین اور روشن حالات قلمبند کئے ہیں۔

کی طرف سے غالباً سیستان سے ہوا ہو گا - جو ایران کے زیر اثر تھیں۔ اور باقاعدہ حملہ سلطنت ایران نے ہندوستان پر نہ کیا ہو گا؛

بیرونی حملہ

بہرحال اتنی بات اظہر ہے کہ شاہان کشان میں سے باسودیو آخری بادشاہ تھا جو ہندوستان میں وسیع علاقوں پر حکمران تھا۔ اس کی وفات کے بعد شمالی ہند میں کسی اعلیٰ حکومت کے وجود کا کوئی پتہ یا نشان نہیں ملتا۔ غالباً جس طرح ایشیائی سلطنتوں کی بربادی کے وقت بالعموم ہوا کرتا ہے بے شمار چھوٹے چھوٹے رجواڑے خود مختار ہو گئے - اور بہت سی چند روزہ ریاستیں قائم کر لیں۔ لیکن تیسری صدی عیسوی کی تاریخ کے لئے مواد اس درجہ ناپید ہے کہ یہ بتانا ہی ناممکن ہے کہ یہ ریاستیں کیسی تھیں - تعداد میں کتنی تھیں - بظاہر یہ تمام زمانہ پر از فتنہ و فساد تھا جس میں شمال مغرب سے بیرونی حملوں کی یاد باقی ہے۔ اور جس کا اظہار پرانوں کے پریشان بیانات متعلقہ آبھیر - گرد بھل - سک - یون یا ہلیک اور دوسرے اجنبی خاندانوں کے ناموں سے ہوتا ہے - جو خاندان اندھر کے جانشین ہوئے - مذکورۂ بالا تمام خاندان صریحاً بڑی حد تک ایک دوسرے کے ہمعصر تھے - نہ یہ کہ وہ ایک دوسرے کے بعد برسر حکومت ہوئے - مگر ان میں سے کوئی بھی سلطنت اعلیٰ کے دعوے کا مستحق نہ تھا۔ اس پر فتن زمانے کے حالات کو جو پرانوں میں پائے جاتے ہیں۔ ترتیب و تہذیب بظاہر بالکل امکان سے باہر ہے۔ اور ایسے ناموں کی طولانی فہرست نقل کرنا تحصیل حاصل ہے جن کی اصلی شکل و صورت ابھی یقینی نہیں ہے؛

کابل و پنجاب کے شاہان کشان۔

سکوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاندان کشان نے پنجاب و کابل پر ایک عرصے تک اپنا سکہ جمائے رکھا تھا۔ یہ امر یقینی ہے کہ کابل کے شاہان کشان پانچویں صدی عیسوی تک جبکہ سفید ہنوں نے بالآخر ان کو مغلوب کیا خاصے طاقتور تھے - چوتھی صدی کے اوائل میں ان کے ایک بادشاہ نے

اپنی بیٹی ساسانی شاہ ایران ہرمز دوم کو بیاہی تھی۔ اور سنہ ۳۶۰ء میں جب شاہپور دوم نے آمدہ کے مقام کا محاصرہ کیا۔ تو رومی محصور فوج پر اس کو ہندی ہاتھیوں اور سلطنت کشان کی فوج کی بدولت جو اس کے بڈھے بادشاہ گرمبیٹیس کے زیر کمان تھی۔ نصیب ہوئی۔ یہ گرمبیٹیس وہ تھا جسے فوج میں سب سے زیادہ عزت کی جگہ دی گئی تھی۔ اور مدد کے لئے سیستان کے سک موجود تھے[1]۔

ماتحت سردار اس بات کا تصفیہ کرنا مشکل ہے کہ تیسری صدی عیسوی کے دوران میں جو بیرونی سردار پنجاب میں حکمراں تھے۔ اور جو تھوڑی بہت تعریف کے ساتھ باسودیو اول کے سے سکے ضرب کرائے تھے کہاں تک کشان سے تعلق رکھتے تھے اور کہاں تک وہ دیگر ایشیائی اقوام سے تھے۔ اس قسم کے تمام سکوں کی عبارتوں میں جو ذرا تبدیل شدہ یونانی طرز تحریر میں لکھی ہوئی ہیں کنشک یا وسو (دیو) کشان[2]۔ شاہنشاہ کا نام تو محفوظ ہے۔ مگر ہندی حروف میں جو نام لکھا ہوا ہے وہ چینی الفاظ کی طرح ایک ہی حرکت کا لفظ ہے۔ مثلاً بھ۔ ک۔ وی وغیرہ۔ گمان غالب یہ ہے کہ یہ وسط ایشیا کے مختلف اقوام کے سرداروں کے نام ہیں۔ جنہوں نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ اور کشان یا کابل کے شاہی غرمانرواؤں کو اپنا حاکم اعلیٰ ہونا قبول کیا۔ ایک سکہ جس کا ایک رخ کشان کے سکوں سے ذرا تبدیل شدہ ہے۔ اور جس پر ہندوستان کے

---

[1] کننگھم:۔ نیومسمیٹک کرانکل سنہ ۱۸۹۳ء صفحہ ۱۷۷-۱۶۹۔ اس کا یہ اندازہ صحیح ہے کہ اینٹس مارسی لینس کے بیان کردہ چیونٹئی قوم دراصل کشان ہی ہیں۔ ڈورن:۔ "مونئرڈس گرانڈاس کشانز" منقول فی ریویو نیومسمیٹک سنہ ۱۸۹۶ء صفحہ ۱۶۳۔ گبن باب ۱۹ نے آمدہ کے محاصرے کا سن سنہ ۳۶۰ء دیا ہے۔ آمدہ دریائے دجلہ پر واقع تھا۔ جہاں آج کل دیار بکر ہے۔ دوسری اسناد سنہ ۳۵۸ء یا سنہ ۳۵۹ء کو ترجیح دیتی ہیں۔

[2] سکوں پر بالعموم وسُو نام ہے نہ کہ واسو۔

براہمی حروف میں پاسن - ن - شِلَدُ کے نام پائے جاتے ہیں - اس کی دوسری جانب - آگ کی قربان گاہ کی ایسی تصویر ہے جو قدیم ترین ساسانی بادشاہوں کے سکوں پر پائی جاتی ہے - اس طرح یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح تیسری صدی عیسوی میں پنجاب کا براہ راست تعلق ایران سے قائم ہوگیا تھا - یہ بھی یقینی ہے کہ آخری زمانے کے کشان بادشاہوں کے سکے صریحاً ساسانی سکوں سے تعلق رکھتے ہیں - اور میرے نزدیک یہی ایک اور بڑی وجہ ان نظریات کو رد کردینے کی ہے جو کنشک اور اس کے جانشینوں کو اس زمانے سے بہت قبل کا بتاتی ہیں ؁

اندرون ہند کی تاریخ کی عدم موجودگی

تیسری صدی اور چوتھی صدی کے اوائل میں پنجاب کے علاوہ شمالی ہند کے شاہی خاندانوں کے متعلق کچھ حال یقینی اور قابل اعتماد نہیں ملتا - یہ معلوم ہے کہ پانچویں صدی تک پاٹلی پتر کا شاہی دارالسلطنت ایک اہم مقام میں رہا - لیکن اس امر کے متعلق کوئی شہادت نہیں ملتی کہ تیسری صدی عیسوی میں وہاں کون اور کیسا خاندان برسر حکومت تھا - ۳۰۸ء میں گپت سمت کے بانی نے ایک لکھوی شاہزادی سے اپنی شادی کرلینے کو جو اہمیت دی تھی اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی میں پاٹلی پتر پر ویسالی کی غیر آریہ قوم لکھوی جو تبتیوں سے بہت ملتی جلتی تھی - حکمراں تھی - اس زمانے کی سب سے زیادہ قابل فہم فہرست شاہان مغربی ہند کے سک ستر پون ہی کی دستیاب ہوسکتی ہے - جن کی تاریخ کا ذکر خاندان گپت کے

---

[۱] ایم - ڈورن :- (ریویو سمیٹک ۱۹۰۰ء صفحہ ۱۴۰) کا بیان ہے کہ اس قربان گاہ کی صورت وہی ہے جو سب سے پہلے ساسانی بادشاہ اردشیر (۲۲۵ء یا ۲۲۶ء سے ۲۴۱ء تک) اور اس کے چند جانشینوں کے سکوں پر پائی جاتی ہے - دیکھو "وی - اے - سمتھ کی کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم" جلد اول (۱۹۰۶ء) صفحہ ۸۸ و ۸۹ - اور بیزلی کی تصویرات : "نوٹس آن انڈو سیتھین کائنیج" (جرنل اینڈ پروسیڈنگس اے - ایس - بی ۱۹۰۸ء صفحہ ۹) ؁

بیان کے ضمن میں آئندہ باب میں آئے گا۔ ۲۲۰ء یا ۲۳۰ء کے قریب کشان اور اندھر خاندانوں کے نیست و نابود ہونے اور خاندان گپت کے قیام و استحکام کے درمیان میں جتنا زمانہ گذرا ہے وہ تاریخ ہند کا سب سے زیادہ تاریک زمانہ ہے؛

خاندان کشان کا اندازاً جدول سنین[1]

سنہ	واقعہ
۱۷۴ء ق م	ہیونگ۔ نو کے۔ سردار ہو وک کی موت۔
تقریباً ۱۶۵ء	یو۔ چی قوم کے بڑے جرگے کا ہیونگ۔ نو کے ہاتھوں کنا۔ سہ سے بدر ہونا۔
" ۱۶۳ء	وُو۔ سُن قوم کا سردار نَن۔ تیو۔ می یوچی قوم کے ہاتھ سے قتل ہوا۔
سنہ ۱۶۰	ہیونگ۔ نو کے سردار کی۔ یک کی موت۔
" ۱۵۰-۱۶۰ء	یوچی کا سک کی سرزمین پر قبضہ۔ سک کا نقل مکان کرنا۔
" ۱۴۰-۱۵۰ء	قوم سک کا ہندوستان پر حملہ۔
" ۱۴۰ء	نن۔ تیوری کے بیٹے وُو۔ سُن کے نوجوان سردار کیون۔ مو کے ہاتھوں یو۔ چی کا سک علاقے سے بدر ہونا۔
" ۱۳۸ء	دریائے سیحون کے شمال اور جنوب میں یو۔ چی قوم کا تا۔ ہیا کے علاقے کو زیر کرنا اور ان کا شہری زندگی اختیار کر لینا۔

[1] مقابلہ کرو ضمیمہ س سے؛

سنہ	واقعہ
تقریباً ۱۳۵ سنہ ق م	چینی شاہنشاہ وُوُ۔ تی کا چنگ۔ کیان کو یو۔ چی کے پاس سفیر بناکر روانہ کرنا۔
؍؍ ۱۲۵ سنہ	دریائے سیحون کے شمال میں چنگ۔ کیان کا یو۔ چی کے مستقر میں پہنچنا۔
؍؍ ۱۲۲ سنہ	چنگ۔ کیان کی چین کی طرف واپسی۔
؍؍ ۱۱۴ سنہ	چنگ۔ کیان کی موت۔
؍؍ ۱۰۰ سنہ	دریائے سیحون کے جنوبی علاقوں میں قوم یو۔ چی کی آبادیوں کی وسعت۔ علاقۂ تا۔ ہیا کے دارالسلطنت لن۔ شیو کی جو دریا کے جنوب میں واقع تھا فتح۔ یہ شہر غالباً بلخ تھا۔
؍؍ ۹۵ سنہ	یو۔ چی قوم کی پانچ ریاستوں میں تقسیم۔ جس میں بامیان اور کشان شامل تھے۔
۵۸ سنہ	سمت بکرمی یا مالوی۔
؍؍ ۲۶ سنہ	قیصر اگسٹس کے پاس ہندی سفارت کا جانا۔
۲ سنہ	ایک یو۔ چی بادشاہ نے ایک چینی افسر کو بدھ مذہب کی مذہبی کتب کی اطلاع دی (دیکھو فرنیک:۔ "ٹرکو فو لکر" صفحہ ۹۲ حاشیہ)۔
سن عیسوی ۸ سنہ	مغرب اور چین میں عارضی طور پر سلسلۂ آمد و رفت میں انقطاع کا واقع ہونا۔
۱۴ سنہ	رومی قیصر آگسٹس کی موت۔ اور ٹائبیرئس کی تخت نشینی۔
تقریباً ۱۵ سنہ	کڈفائسس اول کشان (کیو۔ ٹشیو۔ کئو۔ کوزلکڈفیس وغیرہ) کی تخت نشینی۔
؍؍ ۳۰ - ۱۵ سنہ	کڈفائسس اول کے زیر عنان یو چی کی پانچوں ریاستوں کا

سنہ عیسوی	واقعہ
	اجتماع و استحکام - اس کاکو - فو (کابل) - کی - پن (؟ کشمیر یا کپیس) - اور پوٹا (؟ باختر یا اغلباً اراکوسیہ) کو فتح کرنا - کابل وغیرہ کا یونانی بادشاہ ہرمیائس اس کا ہمعصر تھا ؛
۲۳ء	چینی کے پہلے سُن خاندان کا خاتمہ ؛
۳۸ء	رومی قیصر گیئس (کلی گلا) تخت نشین ہوا ؛
۴۱ء	کلاڈائس رومیوں کا قیصر تخت نشین ہوا ؛
تقریباً ۴۵ء	کڈفائسس اول اسّی برس کی عمر میں فوت ہوا - اس کا بیٹا کڈفائسس دوم کشان (ین - کو - چنگ - ویما کڈفائسس وغیرہ) اس کا جانشین ہوا - اس کا ماتحت "گمنام بادشاہ" (سوٹر میگس) اس کا ہمعصر تھا ؛
" ۴۵ - ۷۰ء	ہندی - پارتھی طاقت کی بربادی - اور کڈفائسس ثانی کا رفتہ رفتہ تمام شمالی ہندوستان کو فتح کرنا ؛
۵۴ء	رومی قیصر نیرو تخت نشین ہوا ؛
" ۶۴ء	چینی شاہنشاہ مِنگ - تی نے بدھ مذہب کی کتابیں منگوائیں ؛
۶۸ و ۶۹ء	گلبا - آتھو - وٹیئس رومی قیاصرہ تھے ؛
۷۰ء	قیصر وسپیسئس تخت نشین ہوا (۲۲ - دسمبر ۶۹ء) ؛
۷۳ - ۱۰۲ء	ختن وغیرہ میں چینی سپہ سالار پن - چو کا فاتحانہ کوچ ؛
۷۷ء	پلنی کی "نیچرل ہسٹری" کا سنہ اشاعت ؛
۷۸ء	سالواہن یا ساکا سک سمت کی ابتداء - کڈفائسس دوم کی موت - کنشک کشان کی تخت نشینی ؛

سنہ عیسوی	واقعہ
سنہ ۷۹	رومی قیصر ٹیٹس کی تخت نشینی ؛
سنہ ۸۱	رومی قیصر ڈومیشین کی تخت نشینی ؛
تقریباً سنہ ۹۰	پن-چو کے سے مقابلے میں کنشک کی شکست ؛
سنہ ۹۴	پن-چو-کے زیر کمان چینیوں کا کُچا اور گر شہر کو فتح کرنا ؛
سنہ ۹۶	رومی قیصر نروا تخت نشین ہوا ؛
سنہ ۹۸	رومی قیصر تراجن کی تخت نشینی ؛
سنہ ۹۹	تراجن کا روما میں واپس آنا ؛
تقریباً سنہ ۱۰۰	تراجن کے دربار میں ہندی سفارت کا آنا - بدھ مذہب کی مجلس کا انعقاد ؛
" سنہ ۱۰۳	چینی ترکستان میں کنشک کی فتوحات[1] ؛
سنہ ۱۰۵	عرب میں بطرا کے مقام پر حبشی سلطنت کی رومیوں کے ہاتھوں بربادی - پلمیرا کا عروج ؛
سنہ ۱۱۶	تراجن کا الجزیرے کے علاقے کو فتح کرنا ؛
سنہ ۱۱۷	رومی قیصر - ہڈرین کی تخت نشینی - الجزیرہ کی واگذاشت ؛
تقریباً سنہ ۱۲۳	کنشک کی موت - ہوشک کشان تمام سلطنت کے مالک کی حیثیت سے تخت نشین ہوا ؛

[1] ڈاکٹر فرنیک کے خیال کے مطابق سنہ ۱۵۲ع میں ختن چین کے ہاتھ سے نکلا - چینی تاریخوں میں کنشک کا نام کہیں نہیں آتا ؛

ڈاکٹر فرنیک (بیٹرنج صفحہ ۹۹ حاشیہ) کو اس امر میں شبہ ہے کہ موجودہ خیال کے مطابق یو-ٹا (یُو-ٹا یا یوک-ٹٹو) اور باختر ایک ہی چیز ہیں - وہ یہ کہتا ہے اصل نام "سرزمین یکیٹین تھا - جو اس کے خیالات کے مطابق ارکوسیہ کے شمال میں واقع ہے ؛

سنہ عیسوی	واقعہ
سنہ ۱۲۳-۶	ہڈرین کا ایتھنز میں مقام ۔
سنہ ۱۳۱-۱۳۶	یہودیوں کے ساتھ ہڈرین کی جنگ ۔
سنہ ۱۳۸	رومی قیصر۔ انٹونینس پیئس تخت نشین ہوا ۔
تقریباً سنہ ۱۴۰	باسودیو اول کشان تخت نشین ہوا ۔
" سنہ ۱۵۰	مغربی ستریپ ردرادامن کا جوناگڑھ کے مقام کا کتبہ ۔
سنہ ۱۶۱	رومی قیصر۔ مارکس یوریلیئس انٹونینس کی تخت نشینی ۔
سنہ ۱۶۲-۵	وُلوگیسیس پارتھی بادشاہ کی رومیوں کے مقابلے میں شکست ۔
سنہ ۱۷۵	مارکس یوریلیئس کی مشرقی فوجی مہم ۔
سنہ ۱۷۸	باسودیو اول کشان کی موت ۔
" سنہ ۱۷۸-۲۳۶	آخری زمانے کشان بادشاہ۔ کنشک دوم وغیرہ ۔
سنہ ۱۸۰	رومی قیصر کموڈس تخت نشین ہوا ۔
سنہ ۱۹۲ و سنہ ۱۹۳	پرٹنکس اور جیولئنس قیاصرۂ روم ۔
سنہ ۱۹۳	قیصر روم سپٹمئس سیورس تخت نشین ہوا ۔
تقریباً سنہ ۲۰۰	پلمیسرا کو رومی نوآبادی قرار دیا گیا ۔
سنہ ۲۱۱	کراکلا رومی قیصر تخت نشین ہوا ۔
سنہ ۲۱۶	کراکلا کی پارتھی فوجی مہم ۔
سنہ ۲۱۷	رومی قیصر میکرینس کی تخت نشینی ۔
سنہ ۲۱۸	رومی قیصر ایلاگبیلس کی تخت نشینی ۔
سنہ ۲۲۲	رومی قیصر الکزنڈر سیورس کی تخت نشینی ۔
سنہ ۲۲۶	اردشیر کا ایران میں سلطنت ساسان کی بنیاد رکھنا۔ ہندوستان میں کشان کی طاقت کا انحطاط اور اندھر خاندان کا خاتمہ تقریباً اسی زمانے کے لگ بھگ ہوا ۔

سنہ عیسوی	واقعہ
۲۶۰	شاہپور اول کے ہاتھوں رومی قیصر ویلیرین کی شکست؛
۲۷۳	یوریلیئن کا پلمیرا کو تسخیر کرنا؛
۲۸۴-۳۰۵	ڈاکلیشیئن رومی قیصر تھا؛
۳۶۰	کشان کی مدد سے شاہپور دوم نے آمدہ کا محاصرہ کامیابی سے کیا؛

باب یازدہم

سلطنت خاندان گپت - اور مغربی ستر پ
چندر گپت اوّل سے کمار گپت اوّل تک
از ۳۲۰ء تا ۴۵۵ء

خاندان گپت کی ابتدا۔ چوتھی صدی عیسوی میں پھر ایک بار روشنی کی کرن دکھائی دیتی ہے۔ تاریکی اور نسیان کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔ اور ہندوستان قدیم کی تاریخ میں اتحاد و دلچسپی کا رنگ پھر آجاتا ہے؛

۳۰۸ء ۳۰۸ء یا اس کے قریب پاٹلی پتر یا اس کے گرد و نواح کے مقامی راجہ نے جو مشہور چندر گپت کا ہمنام تھا قدیم لکھوی قبیلے کی ایک شہزادی کمار دیوی سے شادی کی - یہ قبیلہ بدھ مذہب کے قدیم تاریخ میں مشہور و معروف تھا۔ اجاتشتر کی عہد حکومت اور کمار دیوی کی شادی کے درمیان میں جو آٹھ صدیوں کی طولانی مدت

ا خاندان موریا اور خاندان کے ناموں میں تفریق کرنے کے لئے۔ موریا کے بادشاہ چندر گپتا۔ اور گپت راجاؤں کو چندر گپت لکھا گیا ہے؛

گذری ہے اس میں لکھوی قوم کی تاریخ کا ایک بڑا زبردست حصہ برباد ہو گیا ہے۔ اگرچہ ان کے متعلق یہ معلوم ہے کہ انھوں نے نیپال میں ایک شاہی خاندان قائم کیا تھا۔ جو ایسے سنہ کو استعمال کرتا جس کی نسبت قیاس ہے کہ اس کی ابتدا ۱۱۱ء میں ہوئی[1]۔ اب اس شادی کی وجہ سے وہ دفعتہً پھر سامنے آجاتے ہیں۔ کیونکہ یہ شادی بڑی اہم سیاسی واقعات کی پیش خیمہ ہوئی۔ کیونکہ اسی کی وجہ سے ایک ایسے خاندان کی بنیاد پڑی جو خاندان موریا کی عظمت وشان کا ہمسر بننے والا تھا۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ کمار دیوی اپنے شوہر کی مدد کے لئے ایک زبردست اثر اور رسوخ اپنے ہمراہ لائی تھی۔ اور اسی اثر کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند سالوں کے زمانے ہی میں مگدھ اور تمام گرد و نواح کے علاقے میں اس کو حکومت اعلیٰ حاصل ہو گئی۔ گمان غالب یہ ہے کہ اس مشہور و معروف شادی کے وقت لکھوی قبیلہ قدیم شاہی دارالسلطنت پر متصرف تھا۔ اور چندر گپت اپنی شادی کی وجہ سے اس طاقت و دولت کا وارث و مالک ہو گیا جو اس کی بیوی کے اعزا کے ہاتھ میں تھی۔ از منۂ قدیم میں ویسالی کا لکھوی قبیلہ پاٹلی کے بادشاہوں کا حریف تھا۔ اور غالباً پشپی متر کے بعد کے پر فتن زمانے میں اس کو اس بات کا موقعہ مل گیا کہ پرانا کینہ نکالے۔ چنانچہ اس نے اس شہر پر قبضہ کر لیا۔ جو صدیوں قبل اسی قبیلے کی سرزنش اور گوشمالی ہی کے لئے تعمیر و قلعبند کیا گیا تھا؛

۳۲۰ء۔ قبیلہ لکھوی سے اتحاد۔ چندر گپت اوّل کی تخت نشینی

یہ بات یقینی ہے کہ لکھوی قبیلے میں شادی کرنے سے چندر گپت اپنے باپ اور دادا[2] کی طرح محض ایک مقامی سردار کی حیثیت سے نہ رہا۔ بلکہ ایکبارگی اس کو

---

[1] ایم۔ سلوین لیوی:۔ لی نیپال جلد اول صفحہ ۱۴۰ جلد دوم صفحہ ۱۵۳؛

[2] چندر گپت کے باپ کا نام گھٹوٹکچ اور دادا کا نام گپت تھا۔ گھٹوٹکچ کی ایک مہر بسارہ

وہ مرتبہ حاصل ہو گیا کہ اس نے "راجہ مہاراجگان" کا خطاب اختیار کرنے میں جو بالعموم زبردست ترین بادشاہوں کا لقب ہوا کرتا تھا۔ پس و پیش نہ کیا۔ اس نے اپنے سکے اپنی بیوی۔ اور قبیلۂ لکھوی کے مشترک ناموں سے مضروب کرائے۔ اس کے بیٹے اور جانشین نے بھی اس عادت کو جاری رکھا اور بڑے فخر سے اپنے آپ کو لکھوی شہزادی کا بیٹا لکھتا رہا۔ چندر گپت نے جس کو اس کے ہمنام پوتے سے ممیز کرنے کے لئے اول لکھا جاتا ہے۔ اپنی سلطنت کو دریائے گنگا کے میدان میں گنگا اور جمنا کے مقام اتصال تک وسعت دی اسی جگہ آج کل الہ آباد ہے۔ اور وہ اپنے مختصر سے زمانۂ حکومت میں ترہٹ۔ جنوبی بہار۔ اودھ اور دیگر گرد و نواح کے سرسبز اور معمور علاقوں پر حکمراں تھا۔ ساتھ ہی اس کو اس قدر سیاسی اہمیت حاصل ہو گئی تھی کہ دوسرے ایشیائی بادشاہوں کی طرح وہ بھی اپنی تخت نشینی یا تاجپوشی سے ایک سنہ کا آغاز کرے۔ کیونکہ اسی موقع پر اس کی اس قدیم روایت کے مطابق جو پاٹلی پتر سے وابستہ تھی اعلیٰ ترین بادشاہ ہونے کا بھی اعلان کیا گیا۔ سمت گپت کا جو صدیوں تک ملک میں مستعمل رہی پہلا سال ۲۶۔ فروری ۳۲۰ء سے لیکر ۱۳۔ مارچ ۳۲۱ء تک ہے۔ اور ان تاریخوں میں پہلی تاریخ کو چندر گپت اول کی تاجپوشی کی تاریخ متصور کیا جا سکتا ہے[۱]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ (ویسالی) کے مقام پر برآمد ہوئی ہے۔ (آرکی آلوجیکل سروے انیول رپورٹ ۱۹۰۳-۴ء صفحہ ۱۰۷ لوح ۴۱-۱۴)۔ بدھ مذہب کی حکایات و تاریخ سے اس قسم کی ایک اور مثال ملتی ہے۔ جہاں گپت کا لفظ نام کے طور پر استعمال ہوا تھا۔ یعنے گپت عطار کا بیٹا۔ اپگپت۔

[۱] اس خاندان کی جدول سنین کے لئے دیکھو مصنف کا مضمون "ریوائزڈ کرونالوجی آف دی ارلی امپیریل گپتا ڈائنسٹی" (انڈین انٹی کویری ۱۹۰۲ء صفحہ ۲۵۷)۔ یہ جدول اس سلسلے کو ذرا تبدیل کر دیتی ہے جو اس کے سکوں کی کتاب میں مذکور ہے۔ مگر بعض امور میں

سنہ ۳۳۰ یا سنہ ۳۳۵ء سمدر گپت کی تخت نشینی۔

اپنی موت سے پہلے جو تخت نشینی کے غالباً دس یا پندرہ برس بعد واقع ہوئی۔ چندر گپت نے اپنے بیٹے سمدر گپت کو جو لکھوی کی شاہزادی کے بطن سے تھا اپنا ولیعہد مقرر کیا[۱]۔ باپ جن وجوہ سے اس بیٹے کو

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ تھوڑی بہت صحت کی ضرورت ہے۔ سمت گپت (س۔گ) کی تاریخوں کو تقریباً صحت کے ساتھ سنہ عیسوی میں ۳۱۹ جمع کر دینے سے حاصل کیا جا سکتا ہے مثلاً ۸۲ س۔گ۔ یا ۴۰۱ء کے سنہ ۱۸۸۸ء میں جتنے کتبات خاندان گپت کے دریافت ہو چکے تھے اس کے لئے دیکھو:۔ ڈاکٹر فلیٹ کی "گپتا انسکرپشنز" (کارپس انسکرپشیز انڈکا جلد سوم)۔ اس کتاب کے شیوع کے بعد سب سے بڑی دریافتیں حسب ذیل ہیں:۔ (۱) کمار گپت کی مہر بہتری کے مقام پر (صحیح دی۔ اے۔ سمتھ اینڈ ہارنل۔ جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ جلد ۵ حصہ اول سنہ ۱۸۸۹ء)۔ (۲) گھٹوتکچ اور چندر گپت دوم کی ملکہ کی مہریں۔ بمقام بسارہ (آرکی آلوجیکل سروے اینول رپورٹ سنہ ۱۹۰۳-۴ء صفحہ ۱۲۲-۱۰۱ لوح ۴۲-۴۰)۔ (۳) کمار گپت اول کا کتبہ بمقام بھرودی (۵) مورخہ سنہ ۱۱۷ س۔گ۔ (آرکی آلوجیکل سروے پروگرس رپورٹ آف نارتھ سرکل سنہ ۱۹۰۷ء صفحہ ۳۹ مطبوعہ جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ جلد ۵ سلسلہ نو۔ (سنہ ۱۹۰۹ء) صفحہ ۴۵۷)۔ (۴) اس بادشاہ کا کتبہ بمقام دھانائیدہ مورخہ سنہ ۱۱۳ س۔گ۔ یہ قدیم ترین تانبے کے پترے پر کندہ عطیہ کا کتبہ ہے (جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ رسالہ مذکورہ صفحہ ۴۵۹)۔ (۵) ایک نہایت قابل قدر گپت واکاتک عطیہ۔ جس کو ایک حد تک مسٹر پھاٹک نے انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۱۴ میں بیان کیا ہے۔ اور بہت سے کتبے جن پر سمت گپت کی تاریخیں کندہ ہیں مگر بادشاہ کا نام ندارد ہے۔ دریافت ہوئے ہیں۔ ان میں کم از کم دو برہما کے ہیں۔ (دیکھو آرکی آلوجیکل سروے رپورٹ برما سنہ ۱۸۹۴ء صفحہ ۱۵ و ۲۰)۔

[۱] فلیٹ۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۳۴۲۔ چند نادر سکے جو کچ یا کاچ نے مضروب کرائے تھے بعض حالات میں سمدر گپت کے سکوں سے بہت مشابہ ہیں۔ بعض مورخین کاچ یا کچ اور سمدر گپت کو ایک ہی شخص تصور کرتے ہیں۔ مگر بہترین رائے یہ ہے کہ کاچ اس بادشاہ کا حریف بھائی تھا۔ اگرچہ وہ حکمراں بھی تھا۔ اور اس کا عرصۂ حکومت

دوسروں پر ترجیح دی تھی ان کا حق اس نوجوان بادشاہ نے پورا پورا ادا کیا۔ اور صلح و جنگ دونوں صورتوں میں اس سے اس قدر ہنرمندی اور لیاقت کا اظہار ہوا جس سے کہ وہ اس امر کا مستحق ہے کہ اسے تمام ہندی بادشاہوں کی صف اول میں جگہ دی جائے۔

اس کی جنگجو اولوالعزمی۔ اپنی تخت نشینی کے وقت ہی سے سمدرگپت نے ایک اولوالعزم اور جنگجو بادشاہ کی طرح کام کرنا شروع کیا۔ اور اس بات کا مصمم ارادہ کر لیا کہ اپنی ہمسایہ ریاستوں کے علاقوں کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لے۔ فوجی مہمات میں پیش دستی یا سبقت کو ایشیا میں عامۃ الناس کی رائے نے کبھی برا نہیں سمجھا۔ بلکہ وہ بادشاہ جو عزت و شرف حاصل کرنے کا خواستگار ہو اس کے لئے ناممکن تھا کہ وہ اپنی آبائی سلطنت ہی پر قانع ہو رہے۔ اس لئے سمدرگپت کو بھی اس اصول پر عمل کرنے میں کسی قسم کا تامل نہ تھا کہ بادشاہ کا سب سے اہم کام ملک گیری ہے۔ تخت نشینی کے بعد فوراً ہی اس نے جنگ شروع کر دی جو اس کی غیر معمولی طویل حکومت کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ بہت مختصر تھا۔ اور کسی حالت میں چند ماہ سے زیادہ نہ ہوگا۔ اس کے متعلق سوائے اس کے اور کچھ معلوم نہیں کہ اس نے چند سونے کے سکے مضروب کرائے تھے۔ اور عملی طور پر سمدرگپت کو اپنے باپ کا اصلی اور حقیقی جانشین متصور کرنا چاہیئے۔ الہ آباد کے کتبے میں اس کے انتخاب کا نہایت بین طور پر ذکر کیا گیا ہے:۔ "یہ ہے (تمہارے سامنے) ایک شریف آدمی تھا۔ ان الفاظ کو کہہ کر باپ نے اسے گلے سے لگایا۔ اور ایسی خوشی ظاہر کی جس سے محبت ٹپکتی تھی۔ اس نے اس کو دیکھا اور اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ اور محبت اس پر غالب ہو گئی۔ درباری بھی خوشی میں پھولے نہ سماتے تھے۔ مگر ہمسر اعزا و اقربا مغموم اور ناشاد تھے۔ اس طرح اس نے اس سے کہا کہ "تمام دنیا کی حفاظت کا کام انجام دے"۔ (بیوہلر۔ مترجمہ فی انڈین انٹی کویری ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۴۱)

ایک بڑے حصے تک جاری رہی[1]

اس کے زمانے کے کتبات۔

جب سمدر گپت کا جنگ وجدل کا زمانہ ختم ہو گیا تو اس نے ایک شاعر کو جو سنسکرت زبان کے عروض وقافیے سے بالکل ماہر تھا نوکر رکھا اور اس سے اپنے کارناموں کے حالات میں قصیدہ لکھوایا۔ جس کو بعد میں ان پتھر کے ستونوں میں سے ایک پر کندہ کرادیا جس پر چھ صدی پہلے اشوک نے اپنے فرامین منقوش کرائے تھے[2]۔ سمدر گپت ایک دیندار ہندو اور برہمنوں کی تعلیمات سے کماحقہ آگاہ تھا۔ وہ ایک اولوالعزم سپاہی تھا جو جنگی طرز معیشت کو پسند کرتا تھا۔ اگرچہ زمانۂ شباب میں اپنے باپ کے کہنے سے اس نے بدھ مذہب کے عالم بسو بندھو کی تعلیمات میں کچھ دلچسپی لی تھی لیکن پھر بھی اس نے اس امر میں ذرا بھی تامل نہ کیا کہ اپنے جنگی اور خونریزی کے کارناموں کو اس قدسی النفس راجہ کے فرامین کے ساتھ کندہ کرادے جس کے خیال میں "سب سے بڑی فتح" پرہیزگاری کی فتح تھی۔

سمدر گپت نے اپنے کارناموں کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے جو تردد او تکلیفیں برداشت کیں وہ بیکار نہ گئیں۔ جو نظم اس کے ملک الشعراء نے اس زمانے میں لکھی تھی وہ اب تک تقریباً مکمل حالت میں موجود ہے۔ اور مورخین کے لئے وہ اس دوران حکومت کے تفصیلوار حالات فراہم کرتی ہے۔ جو غالباً تمام ہندوستانی کتبات میں سب سے زیادہ

---

[1] ان واقعات کے اسناد اور تفصیلات پر مصنف کے مندرجۂ ذیل مضمون میں پوری پوری بحث کی گئی ہے:- "دی کانکوئسٹس آف سمدرا گپتا" (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۹۷ء صفحہ ۸۵۹) بعد کی تحقیقات سے اس میں چند تصحیحات ضروری ہو گئی ہیں۔

[2] یہ کتبہ بعد از موت کا نہیں (بیوہلر۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۹۸ء صفحہ ۳۸۶)۔ یہ ستون آجکل الہ آباد کے قلعے میں موجود ہے۔ مگر یہ اس کی اصلی جگہ نہیں ہے۔

بہتر ہے۔ اگرچہ بدقسمتی سے اس کتبے پر تاریخ نہیں ہے۔ لیکن اسے تقریباً صحت کے ساتھ ۳۶۰ء یا اس کے ذرا بعد کا قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور اس طرح اپنی موجودہ شکل میں محض ایک تاریخی ماخذ ہونے کے علاوہ وہ سنسکرت علوم کے لیئے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ جس کا ایک حصہ نظم میں ہے اور کچھ نثر میں۔ اور اس کے علاوہ اس کا سنہ یقینی طور پر معلوم ہے۔ ایسے بڑے بڑے کتبات کی جن پر تاریخ موجود ہو علمی حیثیت سے قدر کی طرف بیوہلر نے چند سال قبل توجہ دلائی تھی مگر اب اُن علماء نے جو عموماً کتب خانوں ہی کی تحقیقات پر اکتفا کرتے ہیں۔ پوری توجہ نہیں کی۔[1] بہرحال فی الحال ہرشین کے اس فصیح و بلیغ نظم کے بیان سے ہمارا تعلق تاریخی ہے اور علوم سنسکرت کے ارتقاء سے ہم کو بحث نہیں۔ اور ہم کو یہ بات مخصوص علماء کے لیئے چھوڑ دینی چاہیئے کہ وہ غور کریں کہ اس کا درجہ زبان اور علم ادب کے ارتقاء میں کیا ہے؛

اس کی مختلف فوج کشیاں

اس قصیدے کا مصنف اپنے آقا کے تمام فوجی حملوں کو جغرافیائی لحاظ سے چار حصوں میں تقسیم کرتا ہے:۔ یعنے جنوب کے گیارہ بادشاہوں کے خلاف۔ آریاورت یا گنگا کے میدان کے اور بے نام و نشان بادشاہوں کے علاوہ ایسے بادشاہوں کے خلاف جن کے نام اس نے لکھے ہیں۔ جنگلات کی وحشی اقوام کے سرداروں کے خلاف۔ اور سرحد کی سلطنتوں اور جمہوری فرماں رواؤں کی مخالفت میں۔ اس کے علاوہ وہ ایسے بیرونی دول سے بھی سمدرگپت کے تعلقات بیان کرتا ہے جو اس قدر دور تھے کہ وہاں تک اس کی قوت کی رسائی نہ تھی۔ اگرچہ

---

[1] بیوہلر کا اہم مضمون:۔ "دی انڈین انسکرپشنز اینڈ دی انٹی کوئٹی آف انڈین آرٹی فیشل پوئٹری" سنہ ۱۸۸۹ء کے قریب ایک جرمن رسالے میں شائع ہوا تھا۔ اس کا انگریزی میں ترجمہ پروفیسر گھاٹے نے انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۳ء میں کیا ہے؛

فی الحال ان تمام بادشاہوں اور ملکوں کا پتہ لگانا جن کے نام شاعر نے لکھے ہیں ناممکن ہے۔ اور اس کے علاوہ اور بہت سی تفصیلی باتیں ہیں جو آئندہ تحقیقات یا دریافتوں ہی سے صاف ہو سکتی ہیں۔ لیکن پھر بھی اتنی کچھ باتیں معلوم ہیں جن سے مورخ خاندان گپت کے سب سے بڑے اور اولوالعزم شاہنشاہ کی وسعت سلطنت اور حدود فتح و نصرت کا اندازہ صحیح طور پر لگا سکے۔ کیونکہ اس نظم میں بجائے تاریخی اصول کے علمی اصول کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اس لئے اس حکومت کے واقعات کو بقید سنین بیان کرنا ناممکن ہے ؀

شمالی ہند کی تسخیر

مگر ہم کو یہ یقین کر لینا چاہیئے کہ "ہندوستان کے نپولین" نے سب سے پہلے اپنی توجہ ان ریاستوں کی طرف مبذول کی ہوگی جو اس کے قریب تر تھیں۔ اور یہ کہ جنوب کے زیادہ پرخطر سفر اور مہمات اختیار کرنے سے پہلے اس نے دریائے گنگا کے اس میدان کو زیر کر لیا ہوگا جو آج کل "ہندوستان" کے نام سے مشہور ہے۔ شمالی راجاؤں کے ساتھ اس کا سلوک بہت کچھ درشتی آمیز تھا۔ کیونکہ یہ بتلایا جاتا ہے کہ ان کو "زبردستی بیخ و بن سے اکھاڑ ڈالا گیا"۔ جس کا صریح مطلب یہ ہے کہ ان کے علاقوں کو فاتح نے اپنی سلطنت کے ساتھ ملحق کر لیا تھا۔ اس نظم کے نو مذکورہ ناموں میں صرف ایک یعنے گنپت ناگ کا نام ایسا ہے جو بالکل یقین کے ساتھ معلوم ہو سکتا ہے۔ اس راجہ کا دارالسلطنت مشہور شہر پدماوتی یا نرور تھا جو مہاراجہ سندھیا کے علاقے میں اب تک موجود ہے ؀

قبل اس کے کہ سمدر گپت نے جنوبی ریاستوں کی طرف حملہ کرنے کے لئے توجہ کی ہو۔ شمالی فتوحات کا بہت بڑا حصہ ختم اور وہ علاقہ اس کی سلطنت کے ساتھ ملحق ہو چکا ہوگا۔ اور جنوبی حملے کا کام ایسا تھا کہ جس میں اعلیٰ ترین قابلیت نظم و ترتیب کی ضرورت تھی ؀

جنوبی کوسل اور جنگلی اقوام کی فتح

حملہ آور اپنے دار السلطنت سے براہ راست چھوٹا ناگپور ہوتا ہوا جنوب کی طرف روانہ ہوا۔ اور دریائے مہاندی کے وادی میں جنوبی کوسل[1] کے علاقے پر حملہ آور ہوا۔ اور وہاں کے راجہ مہندر کو شکست دی۔ آگے بڑھ کر اس نے ان جنگلی علاقوں کے تمام سرداروں کو زیر کیا۔ جو اب تک بدستور سابق اپنی وحشی حالت میں قائم ہیں اور جن میں آج کل اڑیسہ کی باجگذار ریاستیں۔ اور صوبۂ متوسط کے علاقے شامل ہیں۔ ان سرداروں میں سب سے بڑا سردار اسم بامسمیٰ تھا۔ یہ ویاگھر راجہ (یعنے "شیر شاہ") اور کسی پہلو سے تاریخ میں مشہور نہیں۔ مہم کو اس منزل پر پہنچ جانے کے بعد سب سے بڑی دقت رسد اور باربرداری کی پیش آئی ہو گی۔ کیونکہ غیر مسلح وحشی اقوام نے ایک باقاعدہ مرتب فوج کا بہت زیادہ فوجی مقابلہ نہ کیا ہو گا؛

انتہائے جنوب کی فتوحات

مشرقی ساحل سے ہوتا ہوا سمدر گپت اور آگے جنوب کی طرف بڑھا۔ اور اس سردار کو مطیع کیا جو کلنگ کے قدیم دار السلطنت پشٹپور پر جو آج کل گوداوری کے ضلع میں پتھاپورم کے نام سے مشہور ہے قابض تھا۔ اس کے علاوہ اس نے گنجم کی مہندرگری کٹور[2] کے کوہستانی قلعوں کو بھی مسخر کیا۔ پھر منتراجہ جس کا علاقہ جھیل کلار کے کناروں پر واقع تھا۔ ونگی کا راجہ جو کرشنا اور گوداوری کے درمیانی علاقے پر حکمراں اور غالباً پلوا خاندان کا تھا۔ اور وشنو گوپا کانچی یا کانجی ورم کا راجہ جو یقیناً پلوا خاندان کا تھا۔

---

[1] شمالی کوسل کا علاقہ دریائے گھاگھرا کے شمال میں اودھ کی سرزمین ہے؛

[2] "کورالک" کے صحیح معنوں کے لئے دیکھو کیلہارن کا بیان۔ ایپی گریفیا انڈیکا جلد ۶ صفحہ ۳۔ کٹور مہندرگری سے جنوب مشرق میں بارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس عبارت کے صحیح معنے کیلہارن اور فلیٹ نے ۱۸۹۸ء میں متعین کئے تھے۔ پشٹپور کے لئے دیکھو فلیٹ انڈین انٹی کویری جلد ۳۰ (سنہ ۱۹۰۱ء) صفحہ ۲۶؛

اس کے مطیع ہو گئے۔ پھر وہ مغرب کی طرف متوجہ ہوا۔ اور پیا لک کے راجہ اگر سین نامی کو مسخر کیا۔ یہ شہر غالباً نلور کے ضلع میں واقع تھا۔

واپسی براہ خاندیش

وہ دکن کے مغربی حصص میں سے ہوتا ہوا وطن واپس آ گیا۔ اور راستے میں موجودہ مہاراشٹہ یعنے دیوراشٹہ۔ اور ایرنڈ پھل یعنے خاندیش کو فتح کیا۔[۲]

اس حیرت انگیز مہم میں جس کے دوران میں فوج کو مختلف حصص ملک میں سے ہزارہا میل کا چکر لگانا پڑا کم از کم دو برس صرف

سنہ ۳۵۰ع

ہوئے ہوں گے اور فرض کیا جا سکتا ہے کہ یہ سنہ ۳۵۰ع میں ختم ہوئی۔

بیش بہا مال غنیمت ملک کافور سے اس کا مقابلہ

مگر جنوبی ریاستوں کو مستقل طور پر سلطنت کے ساتھ ملحق کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ کیونکہ فاتح حملہ آور اس بات کا معترف ہے کہ اس نے صرف وقتی اطاعت پر ہی اکتفا کی اور اس کے بعد اپنی فوجوں کو ہٹا لیا۔ مگر بلا شک وشبہ اس نے جنوب کے خزانوں کا ضرور صفایا کر دیا تھا۔ اور اس مسلمان سپہ سالار کی طرح جس نے ایک ہزار سال بعد اس کے کارناموں کا اعادہ کیا۔ مال غنیمت سے لدا پھندا واپس آیا ہو گا۔ دہلی کے سلطان علاء الدین خلجی کے سپہ سالار ملک کافور نے سنہ ۱۳۰۹-۱۳۱۱ع کی فوجی مہم کے دوران میں سمدر گپت کے کارناموں کو مات کر دیا۔ اور اپنے اس ہندو پیشرو سے بھی زیادہ انتہائے جنوب تک چلا گیا۔ اپریل سنہ ۱۳۱۱ع میں ملک کافور نے مدرا پر قبضہ کیا۔ اور اس کو اپنا فوجی مرکز قرار دے کر رامیسورم یا پل آدم تک پہنچا۔ جہاں اس نے وہ مسجد تعمیر کی جو سولہویں صدی تک، جب فرشتہ نے

---

[۱] ایپی گریفیا انڈکا جلد ۸ صفحہ ۱۶۱۔

[۲] فلیٹ جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ سنہ ۱۸۹۸ صفحہ ۳۶۹۔

اپنی تاریخ لکھی ہے موجود تھی[1]

سرحدی باجگذار ریاستیں۔

شاہی دربار کے شاعر نے ان سرحدی حکومتوں اور جمہوریتوں کا ذکر کیا ہے جو مہاراجہ کے زیر نگین ہو گئی تھیں۔ اور اس کے ان ناموں کے گنوانے سے مورخین اس بادشاہ کی حدود سلطنت کا تعین صحت کے ساتھ کر سکتے ہیں۔ اور ساتھ ہی چوتھی صدی میں ہندوستان کی سیاسی تقسیم کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

اس برّ اعظم کی مشرقی جانب باجگذار ریاستیں حسب ذیل تھیں۔ سمتٹ یا دریائے گنگا اور برہم پتر کا شلتی علاقہ جس میں وہ جگہ بھی شامل تھی جہاں آج کل کلکتہ شامل ہے۔ کامروپ یا آسام۔ اور دواک جس میں غالباً دریائے گنگا کے شمال میں بوگرا۔ دیناج پور اور راج شاہی کے اضلاع شامل تھے۔ جو سمتٹ اور کامروپ کے درمیان میں واقع ہیں۔ اور زیادہ مغرب کی طرف نیپال کی کوہستانی سلطنت آج کل کی طرح اس زمانے میں بھی شاہی حکومت کے ماتحت اندرونی طور پر خود مختار تھی۔ اور شاہی عمال کا حلقۂ اثر صرف دامن کوہ تک جاتا تھا۔ سلطنت کرتری پور میں مغربی ہمالیہ کی زیرین پہاڑیاں تھیں۔ جن میں غالباً کماؤں۔ الموڑا۔ گڑھوال۔ اور کانگڑے کے علاقے شامل تھے[2]۔

---

[1] مدرا کی تسخیر کے لئے دیکھو ایلیٹ "ہسٹری" جلد ۳۔ صفحہ ۹۱۔ مسجد کی مرمت مجاہد شاہ بہمنی نے ۱۳۶۳ء میں کی تھی۔ مسٹر سیول نے اس کے متعلق جو شبہات ظاہر کئے ہیں (اے فارگاٹن امپائر صفحہ ۴۲) وہ قابل غور ہیں۔ بظاہر اسے مدرا کی فتح کا حال یاد نہ رہا تھا۔

[2] ڈاکٹر فلیٹ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ممکن ہے کہ اس سلطنت کا نام ضلع جالندھر کے کرتارپور میں اب بھی باقی رہ گیا ہو۔ بریگیڈ سر جن سی۔ ایف۔ اولڈہم نے بھی کماؤں۔ گڑھوال اور روہیلکھنڈ کے کتور یا راجاؤں کا حوالہ دیا ہے۔ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ ۱۸۹۸ء صفحہ ۱۹۸)۔

قبیلوں کی جمہوری سلطنتیں۔

پنجاب۔ مشرقی راجپوتانہ اور مالوا کے علاقے ایک بڑی حد تک ایسے قبیلوں کے ہاتھ میں تھے جن میں جمہوری اصول پر حکومت قائم تھی۔ دریائے ستلج کے دونوں کناروں پر قبیلۂ یودھیا متصرف تھا۔ اور پنجاب کے وسط میں مادرک قوم آباد تھی۔ ناظرین کتاب کو یاد ہوگا کہ سکندر اعظم کے زمانے میں بھی یہ علاقہ ایسے ہی خود مختار قبائل کے ہاتھ میں تھا جن کو اس زمانے میں ملوئی۔ کتھوئی وغیرہ کہتے تھے۔ گمان غالب یہ ہے کہ شمال مغرب میں دریائے جمنا سلطنت گپت کا حد فاصل تھا۔ مشرقی راجپوتانہ اور مالوا میں آرجُنیان۔ مالوا۔ اور ابھیر اقوام آباد تھیں۔ اس جانب دریائے چنبل کو سلطنت کی حد قرار دیا جا سکتا ہے۔ آگے چل کر حد اور زیادہ مشرقی جانب ان چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کی طرف پھیلتی تھی جن کے نام مذکور نہیں۔ اور غالباً بھوپال کے علاقے میں سے ہوتی ہوئی دریائے نربدا تک جا پہنچتی تھی۔ اور یہی دریا سلطنت گپت کا جنوبی حد فاصل تھا۔

سلطنت کی حدود

اس طرح چوتھی صدی کے وسط میں جب ملک پر سمدر گپت بلاشرکت غیرے حکمراں تھا اس میں شمالی ہند کے سب سے زیادہ معمور اور سرسبز و زرخیز علاقے شامل تھے۔ مشرق میں دریائے ہگلی سے لے کر یہ مغرب میں دریائے جمنا اور چنبل تک پھیلا ہوا تھا۔ اور شمال میں کوہستان ہمالیہ کے دامن سے لے کر جنوب میں دریائے نربدا تک وسیع تھا۔

اس وسیع حدود کے باہر بھی آسام اور دریائے گنگا کے ڈیلٹا کی ریاستوں اور کوہستان ہمالیہ کی جنوبی سلطنتوں کے علاوہ راجپوتانہ اور مالوہ کی آزاد اقوام بھی شاہی سلطنت کے ساتھ متحد اور اس کی ماتحت تھیں۔ علاوہ بریں جنوب کی سلطنتوں کو بھی شاہی افواج قاہرہ نے پامال کر ڈالا تھا۔ اور ان کو مجبوراً سمدر گپت کی طاقت و

عظمت کا اعتراف کرنا پڑا تھا۔

بیرونی دول سے تعلقات۔

ایسی سلطنت جس کا ذکر اوپر ہوا چھ صدی قبل اشوک کی سلطنت کے زمانے کے بعد ہندوستان میں کبھی قائم نہ ہوئی تھی۔ اور اسی کی وسعت کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ یہ کچھ بعید از قیاس نہیں کہ بیرونی درباروں میں بھی سمدر گپت کو عزت و توقیر حاصل ہوگئی تھی۔ اس لئے اس میں کچھ تعجب نہیں کہ اس کے سیاسی تعلقات کابل اور گندھار کے کشان بادشاہوں اسی قوم کے ان بزرگ تر حکمرانوں سے جو دریائے سیحون کے علاقے پر قابض تھے۔ اور لنکا کے اور دیگر دور دست جزیروں کے راجاؤں کے ساتھ تھے۔

لنکا سے سفارتوں کا آنا۔

۳۶۰ء کے قریب لنکا کے راجہ اور سمدر گپت کے درمیان اتفاقیہ طور پر سلسلۂ خط و کتابت قائم ہوگیا تھا۔ لنکا کے بدھ مذہب کے راجہ میگھون (یا میگھورن) نے جس کا ستائیس سالہ عہد حکومت ۳۵۲-۳۷۹ء کا زمانہ قرار دیا جاتا ہے دو بھکشوؤں جن میں سے ایک اس کا بھائی بیان کیا جاتا ہے روانہ کیا تھا کہ وہ "تخت الماس" کو سلام اور اس خانقاہ کی زیارت کرآئیں جس کو راجہ اشوک نے بدھ گیا کے مقام پر مقدس درخت کے مشرق میں تعمیر کرایا تھا۔ غالباً مذہبی عداوت و تنفر کی وجہ سے ان اجنبیوں کی مطلق خاطر و مدارات نہ کی گئی۔ اور انھوں نے اپنے جزیرے میں واپس آکر بادشاہ سے شکایت کی کہ تمام ہندوستان میں کوئی جگہ ان کو ایسی میسر نہ آئی جہاں وہ آرام اور خوشی سے زندہ رہ سکتے۔ راجہ میگھورن نے ان کی اس شکایت کو سنا اور آئندہ علاج کی یہ تدبیر سوچی کہ ایک خانقاہ تعمیر کی جائے جہاں اس کے ہم وطن مقدس مقامات کی جاترا کے زمانے میں عیش و آرام سے بسر کر سکیں۔ چنانچہ اس نے سمدر گپت کے دربار میں ایک سفارت روانہ کی اور تحفے کے طور پر ایک کثیر تعداد ان جواہرات کی ان کے ساتھ کر دی جن کے لئے لنکا ہمیشہ سے مشہور رہا ہے۔ اور ہندوستان کے

ملک میں خانقاہ تعمیر کرنے کی اجازت چاہی - سمدر گپت اس دور دست سلطنت کی سفارت کے آنے سے پھولا نہ سمایا - ان تحائف کو اس نے خراج متصور کیا - اور خوشی سے تعمیر خانقاہ کی اجازت دے دی - سفیر واپس چلا گیا - اور بہت کچھ سوچ بچار کے بعد راجہ نے مقدس درخت کے قریب ہی اپنی خانقاہ بنانے کا فیصلہ کیا - چنانچہ اس کا یہ مقصد جو ایک تانبے کی چادر پر کندہ کیا گیا تھا - پورا ہوا - اور اس نے درخت کے شمال میں ایک عالیشان خانقاہ کی بنا ڈالی - یہ عمارت تین منزل بلند تھی - اس میں چھ بڑے بڑے کمرے اور تین برج تھے - اور یہ تمام عمارت ایک مضبوط فصیل سے گھری ہوئی تھی جو تیس یا چالیس فٹ اونچی تھی - اس میں تمام نقش و نگار نہایت چمکتے ہوئے رنگ سے عمدہ فن نقاشی کے نمونے پر بنائے گئے تھے - اور بدھ کا بت جو سونے اور چاندی کا ڈھلا ہوا تھا جواہرات سے مرصع تھا - ساتھ کے چھوٹے چھوٹے ستوپ بھی جن میں خود بدھ کے تبرکات مدفون تھے بڑی عمارت کی شان کی مناسبت سے بنائے گئے تھے - ساتویں صدی عیسوی میں جب ہیون سانگ نے اسے دیکھا ہے تو اس عالیشان عمارت میں مہایان کے فرقۂ ستھویر کے ایک ہزار بھکشو مقیم تھے - اور لنکا سے آنے والے جاتریوں کی مہانداری بڑے پیمانے پر کی جاتی تھی - اس کے موقعے پر اب ایک بڑا وسیع ٹیلا موجود ہے[1]

[1] میگھورن اور سمدر گپت کی ہمعصریت پر جس کو سب سے پہلے ایم - سلوین لیوی نے ایک چینی کتاب سے دریافت کیا تھا مصنف نے خاندان گپت کے جدول سنین کے اس مضمون میں بحث کی ہے جس کا حوالہ پچھلے دیباچہ کا ہے - اس کے علاوہ دیکھو مصنف کا :- "دی السنکر پشنز آف مہانامن ایٹ بدھ گیا" (انڈین انٹی کویری ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۹۲) - مگر میگھورن اس زمانے کے کہیں بعد حکمران ہوا جس کا کہ ان مضامین کے لکھتے ہوئے میرا خیال تھا - یعنے ۳۶۹ - ۳۵۲ء - (ترجمہ مہاومس ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۹) ممکن ہے کہ اس کا اصلی زمانہ اس سے ذرا بعد کا ہو۔

اسومیدھ

غالباً جنوب کی فوجی مہم سے واپس آنے کے بعد ہی سمدر گپت نے اپنی بے شمار فتوحات کی تشہیر اور اپنی حکومت کی عظمت اور برتری کے اعلان کا ارادہ کیا اور اسومیدھ کی قدیم رسم کو جو ایک مدت سے معرض التوا میں پڑی تھی اور جس کو شمالی ہند میں پسی متر کے زمانے سے کسی نے ادا نہ کیا تھا دوبارہ زندہ کرنے کی ٹھان لی۔ چنانچہ یہ رسم نہایت دھوم دھام اور طمطراق کے ساتھ ادا کی گئی۔ اور برہمنوں کو خوب کھلے ہاتھوں دان دپن دیا گیا۔ جس میں کہا جاتا ہے کہ لکھو کھا سکے اور سونے کی اشرفیاں تھیں۔ ان طلائی تمغوں کے نمونے بھی کہیں کہیں پائے گئے ہیں۔ جس میں اس گھوڑے کی شبیہ اور اس کے مناسب عبارت کندہ ہے۔ اسی واقعے کی ایک اور یادگار غالباً وہ بری طرح تراشا ہوا پتھر کا گھوڑا ہے جو شمالی اودھ میں دستیاب ہوا تھا۔ اور آجکل لکھنؤ کے عجائب خانے میں موجود ہے۔ اس پر ایک کتبے کے مٹے ہوئے نشانات بھی پائے جاتے ہیں۔ جس میں غالباً سمدر گپت کی طرف اشارہ ہے[1]۔

سمدر گپت کے ذاتی اوصاف

اگرچہ شاہی دربار کے شاعروں کے قصیدے اور مدحیں اس قابل نہیں ہوتیں کہ ان کو بلا تامل حرف بہ حرف صحیح مان لیا جائے۔ لیکن صریحاً معلوم ہوتا ہے کہ سمدر گپت ایک غیر معمولی قابلیت اور اوصاف کا بادشاہ تھا۔ ملک الشعراء کی اس تعریف کی تصدیق کہ بادشاہ فن موسیقی میں

---

[1] کیونکہ یہ کتبہ پراکرت میں ہے اس وجہ سے وہ ذرا مشتبہ معلوم ہوتا ہے۔ خاندان گپت کے باقی اور تمام کتبے سنسکرت زبان میں ہیں (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۹۳ء صفحہ ۹۸ مع لوح)۔ کیونکہ یہ گھوڑا ایک مدت تک لکھنؤ کے عجائب خانے کے باہر کھلی ہوا میں رکھا رہا اس لئے کتبہ بالکل مٹ گیا ہے۔ مگر اب اس مورت کو اندر رکھ دیا گیا ہے۔ جب یہ کتاب پہلی مرتبہ طبع ہوئی ہے تو وہ کتبہ صاف پڑھا جاتا تھا۔

پورا مشتاق تھا اتفاقاً ان نادر الوجود سونے کے سکوں سے ہوتی ہے جس میں بادشاہ ایک اونچے تکیہ کی کوچ پر تکیہ لگائے بیٹھا ہے اور ہندی ستار بجا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی شاعری بھی اس تیز طبع بادشاہ کے اوصاف میں سے بیان کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ شاعروں کا بادشاہ تھا۔ اور خود اس نے بہت سی ایسی نظمیں لکھی تھیں جو مخصوص شعراء کے لئے بھی باعث فخر و مباہات ہوتیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بادشاہ علماء کی مجلس میں بیٹھنے کا مشتاق اور اپنی عقل و فہم کو موسیقی اور شاعری کے خفیف فنون کے علاوہ مذہبی کتب کے مطالعے میں بھی صرف کرتا تھا۔ زمانۂ شباب میں اس نے بدھ مذہب کے مشہور و معروف عالم کو اپنا مقرب و ندیم بنایا۔ سمدر گپت کی جو تصویر اس کے درباری شاعر نے کھینچی ہے اس سے ناظرین کو اکبر کی وہ شبیہ یاد آجاتی ہے جس کا چربہ اس کے درباری ابوالفضل کے قلم سے کھنچا ہے "

مذکورۂ بالا اوصاف سمدر گپت میں خواہ کتنی ہی حد تک کیوں نہ پائے جاتے ہوں۔ مگر اس میں کلام نہیں کہ اس کے قویٰ معمولی انسانوں کے سے نہ تھے۔ بلکہ فی الواقع وہ ایک ایسا طبّاع اور بڑا ذہین آدمی تھا جو بخوبی "ہندی نپولین ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے"

اس کی تاریخ کی دریافت۔

لیکن سب سے بڑی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس عظیم الشان بادشاہ کے نام سے بھی جو سپاہی۔ شاعر اور مقرر تھا جس نے تقریباً تمام ہندوستان کو فتح کر لیا تھا۔ اور جس کے اتحاد اور تعلقات کے سلسلے دریائے سیحون سے لے کر لنکا تک پھیلے ہوئے تھے ہندوستان کے مورخ اس کتاب کے طبع ہونے سے بالکل نابلد تھے۔ گذشتہ اسی سال کے عرصے میں کتبات اور سکہ جات کے دقیق اور بغور مطالعے سے اس کی شہرت بتدریج پھر قائم ہوئی ہے۔ اور یہ امر کہ اب ہم اس قابل ہو گئے ہیں کہ اس کی یادگار زمانہ حکومت کے عہد کا مسلسل حال لکھ سکیں۔ اس بات کی

بیّن اور روشن شہادت ہے کہ آثار قدیمہ کی تحقیقات اور اس کے ٹکڑوں کو منضبط کرنے سے کیا کچھ کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ یہی آثار قدیمہ ہیں جن سے قدیم ہند کی تاریخ کا صحیح نقشہ قائم کیا جا سکتا ہے ؎

تقریباً ۳۷۵ء

سمدر گپت کی موت کا صحیح سنہ معلوم نہیں۔ مگر یہ یقینی ہے کہ وہ بہت بڑھاپے تک زندہ رہا۔ اور کم و بیش نصف صدی تک نہایت کامرانی اور شادکامی سے حکومت کرتا رہا۔ اپنے مرنے سے قبل اس نے اس بات کی پوری جد و جہد کی کہ امن و آشتی کے ساتھ اس کے جانشین کا فیصلہ ہو جائے۔ چنانچہ اس نے اپنی اور اولاد میں اپنی ملکہ دت دیوی کے بیٹے کو جسے وہ بجا طور سے ایک عالیشان سلطنت پر حکومت کرنے کا اہل سمجھتا تھا ولیعہد مقرر کیا ؎

چندر گپت دوم وغیرہ۔

جس بیٹے کا اس طرح انتخاب ہوا وہ غالباً اپنے باپ کے حین حیات میں یوو راجہ رہ چکا تھا۔ اور سلطنت کے کاموں میں اس کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ اس نے ہندوؤں کے دستور کے مطابق اپنے دادا چندر گپت کا نام اختیار کیا۔ اور اسی وجہ سے وہ چندر گپت دوم کے نام سے موسوم ہے۔ اسکے علاوہ اس نے بکرماجیت (شمس الملک) کا خطاب اختیار کیا۔ اور وہی بادشاہ ہے جو اس نام کے ان تمام بادشاہوں میں جن کے قصے شمالی ہند میں زبان زد خلائق ہیں سب سے زیادہ شہرت کا مستحق ہے۔ اس کی تخت نشینی کی اصلی تاریخ مذکور نہیں۔ لیکن یہ سن ۳۷۵ء سے بہت بعید ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک کوئی ایسا سکہ یا کتبہ دریافت نہ ہو جائے جس سے کہ اس امر کا تصفیہ قطعاً ہو سکے اسی تاریخ کو صحیح مان لینا چاہیئے۔ جہاں تک ظاہر معلوم ہوتا ہے

لہ ایران اور بھتری کے کتبات ؎

اس کی جانشینی بہ امن وقوع میں آئی اور اس میں کسی قسم کا جھگڑا فساد نہیں ہوا۔ اور نئے بادشاہ کو جو اس وقت خاصی پکی عمر کا ہوگا فوراً اس بات کا موقعہ حاصل ہو گیا کہ اس کے فاتح باپ سے جو وسیع سلطنت اس کو ترکہ میں ملی تھی اس میں اور زیادہ اضافہ کرے۔ اس نے سمدر گپت کی طرح جنوب کی طرف توجہ نہیں کی۔ بلکہ جنوب مغرب کی طرف سلطنت کو وسیع کرنے کو ترجیح دی[1]۔

مالوا۔ گجرات اور کاٹھیاواڑ کی فتح

چندر گپت بکرماجیت کا سب سے بڑا فوجی کارنامہ مالوا اور گجرات کے صوبوں میں سے ہوتے ہوئے بحیرۂ عرب تک پہنچنا اور سراشتریا کاٹھیاواڑ کے جزیرے کی تسخیر ہے۔ جس پر صدیوں سے بیرونی قوم سک کا خاندان حکمراں تھا۔ جو یورپ کے علما میں مغربی ستریون[2] کے نام سے مشہور ہے۔ ان تمام

---

[1] اس کتاب کی گذشتہ ایڈیشنوں میں میں نے فرض کر لیا تھا کہ دہلی کی لوہے کی لاٹھ کے کتبے کے مذکورہ چندر راجہ کو چندر گپت دوم بکرماجیت ہی سمجھنا چاہیئے۔ اور اس طرح اس کو پنجاب اور بنگال میں فتوحات کا مستحق قرار دینا چاہیئے۔ جیسا کہ مینے اپنے مضمون (جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۸۹۷ صفحہ ۱) میں ثابت کیا ہے لیکن مہامہوپادھیایا شاستری کا خیال ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ یہ راجہ چندر دراصل راجپوتانہ کے مقام پشکرن کا راجہ چندر ورمن تھا۔ جو چوتھی صدی میں گذرا ہے۔ پشکرن (تقریباً ۲۷° شمالی عرض بلد ۵ - ۷۲° مشرقی طول بلد) ایک مشہور شہر تھا۔ اور ٹاڈ کے زمانے میں بھی ”مارواڑ کی سب سے زیادہ دولتمند اور طاقتور باجگذار ریاستوں میں شمار ہوتا تھا۔ (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۳ صفحہ ۲۱۹ - ۲۱۷ ٹاڈ کی ”راجستان“ (طبع دوم سنہ ۱۸۷۳) جلد اول صفحہ ۴۰۵) تک

[2] مغربی ستریوں کی تفصیلی تاریخ کے لیئے دیکھو ریپسن۔ بھگوان لال اندراجی اور بدلف کے مضامین جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۸۹۰ صفحہ ۶۳۹ - سنہ ۱۸۹۹ صفحہ ۳۵۷ میں تک

فوجی مہمات میں جن سے کہ چند دور کے صوبے سلطنت کے ساتھ ملحق ہوئے یقیناً چند سال صرف ہوئے ہوں گے۔ چنانچہ اس بات کا ہم کو علم ہے کہ وہ سنہ ۳۹۸-۴۰۱ء کے درمیان عمل میں آئے تھے۔ اور اس طرح سنہ ۳۹۵ء ان فتوحات کی تکمیل کا سنہ تصور کیا جاسکتا ہے۔ ان کے ذریعے سے وہ علاقہ جن پر ملوا اور دیگر اقوام متصرف تھیں۔ اور جو سمدر گپت کے ہاتھ سے محفوظ رہ گیا تھا سلطنت کے ساتھ شامل کرلیا گیا۔ سراشتر اور مالوا کی فتح سے نہ صرف زیادہ متموّل اور زرخیز علاقے چندر گپت کے ہاتھ آئے۔ بلکہ اب مغربی ساحل کے تمام بندرگاہوں تک کا راستہ اس کے لئے کھل گیا۔ اور اس طرح مصر کے ذریعے سے جو تجارت یورپ سے ہوتی تھی اس سے اس کو براہ راست تعلق ہوگیا۔ اور اس کے دربار اور رعایا کو یورپین خیالات سے بھی جو اس مال و اسباب کے ساتھ تمام دنیا میں پھیل رہے تھے متاثر ہونے کا موقع ملا۔ سلطنت گپت کے زمانے میں ہندی علم ادب۔ فنون لطیفہ۔ اور علم و فن پر جو بیرونی اثر ہوا اس کا ذکر مجملاً آیندہ آئیگا۔

مغربی ستریپ یہ نام نہاد کے "مغربی ستریپ" دو بالکل ممیز خاندانوں میں منقسم تھے۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جداگانہ علاقوں پر حکمران تھے۔ مہاراشٹر کے کشہرات ستریوں کا دارالسلطنت مغربی گھاٹ میں غالباً ناسک کے مقام پر تھا۔ یہ پہلی صدی عیسوی کے دوران میں اس علاقے پر متصرف ہوگئے تھے۔ اور خاندان اندھر کے ایک راجہ گوتمی پتر نے تقریباً سنہ ۱۲۶ء میں انھیں تباہ و برباد کیا تھا۔ دوسری مغربی ستریپا پہلی صدی عیسوی کے آخر میں مالوے کے علاقے میں اجین کے مقام پر سک قوم کے ایک فرد چشتن نے قائم کی تھی۔ اس کے پوتے ردرادامن اول نے اسے بہت وسعت دی۔ اور آخر سنہ ۱۲۶-۱۵۰ء کے درمیان کسی سال میں گوتمی پتر کے بیٹے یلمادی دوم کو شکست دے کر اس علاقے کا تمام یا بہت بڑا حصہ اس کے ہاتھ سے چھین لیا جو گوتمی پتر نے

چند سال قبل ہی کشہرات ستر پون سے چھینا تھا۔ اس طرح رودراد امن کی سلطنت نہ صرف سراشٹر۔ بلکہ تمام مالوا۔ کچھ۔ سندھ۔ کونکن اور دیگر اضلاع یعنے تمام مغربی ہند پر پھیل گئی۔ چشٹن اور اس کے جانشینوں کا صدر مقام اجین تھا۔ یہ ہندوستان کا ایک قدیم ترین شہر مغربی بندرگاہوں اور اندرون ملک کے درمیان تجارت کی منڈی۔ علم وفضل اور قدیم تہذیب کا مرکز ہونے کی حیثیت سے مشہور اور اس وجہ سے قابل ذکر تھا کہ ہندوستان میں یہیں سے طول بلد کا شمار ہوتا تھا۔ یہ جگہ آج کل کے زمانے میں بھی خاصہ بڑا شہر ہے۔ اب تک اس کا قدیم نام ہی زبانوں پر جاری ہے۔ اور قدیم عظمت کے آثار وہاں موجود ہیں کسی زمانے میں اُسے مہاراجہ سندھیا کے صدر مقام ہونے کی بھی عزت حاصل رہی ہے۔

آخری ستر پ کی بربادی۔

سمدرگپت کو اگرچہ مغرب کے علاقے کی فتح نصیب نہ ہوئی تھی۔ مگر ایک اور رودرادامن کے بیٹے ستر پ اور سین کے پاس سے جو یقیناً بادشاہ کے تمام ہندوستان کے فتح کر لینے سے بہت کچھ متاثر ہوا ہوگا ایک سفارت آئی تھی۔ چندرگپت دوم جب تخت پر بیٹھا ہے تو اس عظیم الشان سلطنت اور خزانے کی وجہ سے جو اس کو ورثے میں ملا تھا۔ اس قدر طاقتور تھا۔ کہ اس نے فوراً اپنے اس مغربی حریف کو نیست و نابود کرنے اور اس کے قیمتی علاقوں کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے کا عزم کر لیا۔ اولوالعزم اور جنگجو بادشاہ کو اپنے کسی متمول ہمسایہ کے ساتھ جنگ چھیڑنے کے واسطے بہانہ تلاش کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ اور ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ اختلاف قوم۔ و مذہب و اوضاع و اطوار ہی صرف ایسے اسباب تھے جن کی بنا پر چندرگپت نے مغرب کے ان پلید بیرونی حکمرانوں کو نیست و نابود کرنے کا تہیّہ کر لیا۔ چندرگپت بکرماجیت اگر بدھ اور جین مذہبوں سے رواداری کا برتاؤ کرتا تھا مگر وہ خود ایک

راسخ الاعتقاد ہندو اور بالخصوص وشنو کا پجاری تھا۔ اور اسی وجہ سے ممکن ہے کہ ان بیرونی سرداروں کو جو ذات پات کے تمام قیفیوں سے بالکل بے نیاز تھے "بیخ و بن سے اکھاڑ دینے" میں اسے ایک خاص لطف اور راحت اور اطمینان قلب حاصل ہوا ہو۔ لیکن اس کام میں اس کے مقاصد خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ اس نے بہر حال ستیاسنہا کے بیٹے رودراسنہا سترپ پر حملہ کیا۔ اس کو تخت سے اتار کر قتل کیا اور اس کی سلطنت پر متصرف ہو گیا۔ ایک اور شرمناک روایت کے بیان کے مطابق "سک قوم کا بادشاہ اپنے دشمن کے شہر میں ایک دوسرے مرد کی بیوی سے رسم و راہ پیدا کرتے ہوئے خود چندر گپت کے ہاتھ سے مارا گیا جو اس کی معشوقہ کا بھیس بدلے ہوئے تھا[1]" لیکن بادی النظر میں یہ حکایت تاریخی پہلو سے بے حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ ۳۸۸ء میں سب سے آخری مرتبہ ان سترپوں کا ذکر ملتا ہے۔ اور خیال یہ ہے کہ اس کے بعد جلد ہی ان کا علاقہ سلطنت گپت کے ساتھ ملحق کر لیا گیا ہوگا۔

چندر گپت بکرماجیت کے عادات و خصائل

بعد کے زمانے کے خاندان مغلیہ کی طرح سوائے بانی خاندان کے تمام گپت راجاؤں کا زمانہ حکومت بہت طویل تھا۔ چندر گپت بکرماجیت نے کم و بیش چالیس برس حکومت کی اور ۴۱۳ء تک زندہ رہا۔ اس کے ذاتی اوصاف سے ہم تقریباً بالکل بے خبر ہیں۔ مگر اس کی زندگی کے واقعات معلومہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک زبردست اور قوی بادشاہ تھا۔ اور ہر پہلو سے ایک وسیع سلطنت پر حکومت کرنے اور اس کو وسعت دینے کا مستحق تھا۔ وہ ایسے پر شکوہ خطابات کا خصوصاً دلدادہ تھا جن سے اس کے فوجی کارنامے ظاہر ہوں۔ اور قدیم

---

[1] ہرش۔چرت۔ ترجمہ کاول و ٹامس صفحہ ۱۹۴ ؎

ایرانی طریقے کے مطابق وہ سکوں پر اپنی تصویر اس طرح بنواتا تھا کہ وہ شیر سے مقابلہ کر رہا ہے اور اس پر غالب ہے؛

اس کا دار السلطنت اس قسم کی علامات پائی جاتی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر سرکاری طور پر پاٹلی پتر اب بھی سلطنت کا دار السلطنت سمجھا جاتا تھا۔ لیکن سمدر گپت کی وسیع فتوحات کے بعد شاہان گپت نے وہاں کی سکونت عموماً ترک کر دی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ شاہان موریا نے اسی شہر میں بیٹھ کے شاہان گپت کی سلطنت سے کہیں زیادہ وسیع سلطنت پر حکمرانی کی تھی۔ مگر اصل یہ ہے کہ ان کے زمانے میں بھی اس کے زیادہ مشرق میں واقع ہونے سے دقتیں ضرور واقع ہوئی ہوں گی۔ اور دار السلطنت کو زیادہ مرکز میں قائم کرنا بہت مفید معلوم ہوتا تھا۔ اجودھیا جو رام چندر جی مہاراج کا وطن ہونے کی وجہ سے مشہور تھا۔ اور جس کے کھنڈروں سے مغربی اودھ میں موجودہ فیض آباد شہر بنایا گیا تھا۔ اپنے موقع کے سبب بہت اچھا تھا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ سمدر گپت اور اس کے بیٹے کے زمانے سے یہی شہر ان کی حکومت کا صدر مقام تھا۔ اور غالباً موخر الذکر نے وہاں تانبے کے سکوں کی ٹکسال بھی قائم کر دی تھی۔ اس بات کے باور کرنے کی وجوہ ہیں کہ پانچویں صدی عیسوی میں پاٹلی پتر کے بجائے اجودھیا ہی خاندان گپت کی سلطنت کا صدر مقام تھا؛

کوسامبی اشوک کا وہ ستون جس پر سمدر گپت نے اپنی تاریخ کندہ کرائی تھی اس کی نسبت خیال ہے کہ وہ پہلے کوسامبی کے مشہور و معروف شہر میں نصب کیا گیا تھا جو اجین اور شمالی ہند کی درمیانی شاہراہ پر واقع تھا۔ اور بلاشک و شبہ بعض اوقات ضرور شاہی صدر مقام رہا ہوگا[1]۔ اصل یہ ہے کہ ایک ایشیائی خود مختار بادشاہ کا دار السلطنت وہی مقام ہوا کرتا ہے

---

[1] کوسامبی کے موقع کے مباحثے کے لیئے دیکھو مصنف کے مضامین "کوسامبی اینڈ سراوستی" (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۹۸ء صفحہ ۵۰۳)۔ اور "سراوستی" رسالہ الیضاً ۱۹۰۰ء صفحہ ۱؛

جہاں وہ مقیم ہوئے۔

پاٹلی پتر

پاٹلی پتر کو اگرچہ سمدر گپت اور چندر گپت جیسے جنگجو بادشاہوں نے ایک بڑی حد تک اپنی حالت پر چھوڑ دیا تھا۔ مگر پھر بھی موخرالذکر کی حکومت کے دوران میں وہ ایک عالیشان اور معمور شہر تھا۔ اور چھٹی صدی عیسوی میں گورے ہنوں کے حملے تک وہ برباد نہیں ہوا تھا۔ جب چینی جاتری ہیون سانگ ۶۴۰ء میں اس کے قریب مقیم ہوا تو اس نے دیکھا قدیم شہر کا موقعہ بے انتہا کھنڈر پڑے ہوئے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ "یہ شہر ایک مدت سے جنگل ہو گیا ہے" سوائے دریائے گنگا کے کنارے ایک چھوٹے سے قلعہ بند شہر کے جس میں (۱۰۰۰) آدمیوں کی آبادی ہے۔ جب ہرش ۶۱۲-۶۴۷ء کے درمیان شمالی ہند پر حکمراں تھا تو اس نے بھی اس قدیم شاہنشاہی شہر کو دوبارہ تعمیر کرنے کی کوشش نہ کی۔ اور دریائے گنگا اور جمنا کے درمیان شہر قنوج کو اپنا صدر مقام بنانے کے لئے ترجیح دی۔ بہار اور بنگال کے خاندان پال کے دوسرے اور غالباً سب سے زیادہ طاقتور راجہ دھرم پال نے بظاہر کوشش کی کہ پاٹلی پتر کی شان و شوکت پھر عود کر آئے۔ کیونکہ ہم کو معلوم ہے کہ (۸۱۱ء) اپنی حکومت کے بتیسویں سال وہ وہیں مقیم تھا۔ اس قدیم شہر کے اس ذکر کے بعد ۱۵۴۱ء تک اس کا کہیں پتہ نہیں لگتا۔ اس زمانے میں بہار کا جو شہر شاہی حکومت کا مرکز تھا ایک معمولی درجے کا شہر رہ گیا تھا "شیر شاہ نے اس کے جائے وقوع کی خوبیوں کو دیکھ کر وہاں پچاس لاکھ کے خرچ سے ایک قلعہ تعمیر کرا دیا" اس وقت سے بہار آہستہ آہستہ برباد ہوتا گیا۔ اور پٹنہ اس صوبے کا سب سے بڑا شہر ہو گیا۔ شیر شاہ کے اس عمل سے جو سرسبزی اس کو حاصل ہو گئی وہ اب تک برابر قائم ہے۔

۱۹۱۲ء میں پٹنہ پھر صوبۂ بہار و اڑیسہ کے صدر مقام کی حیثیت سے دارالسلطنت ہو گیا۔ بانکی پور کا سول سٹیشن جو پٹنہ کے حوالی شہر میں ہے

قدیم پاٹلی پتر کے موقعہ پر آباد ہے[1]۔

۴۱۱ء-۴۰۵ء فاہیان۔

خوش قسمتی سے قدیم ترین چینی جاتری فاہیان کی کتاب سے ہم کو چندر گپت بکرماجیت کے عہد حکومت میں ملک کے نظم ونسق کی ہمعصر شہادت ملی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک صاحب فراست اجنبی پانچویں صدی عیسوی کے شروع میں ہندوستان کو کس نظر سے دیکھتا تھا۔ یہ درست ہے کہ جاتری بدھ مذہب کی کتب، حکایات اور معجزات کی تلاش وتفتیش میں اس قدر منہمک تھا۔ کہ اس کو دنیا وما فیہا سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ چنانچہ اس نے اس زبردست بادشاہ کا نام تک نہیں لکھا جس کی سلطنت میں اس نے تحصیل علم کے لئے متواتر چھ برس گذارے تھے لیکن پھر بھی وہ جستہ جستہ معمولی معاشرتی حالات لکھ جاتا ہے۔ ایک سے زیادہ عبارتوں میں اس نے ایسی تفصیلیں بیان کی ہیں جو اگرچہ وہ بیسویں صدی کے لوگوں کی تسلی کے لئے کافی نہیں مگر اس بات کے لئے کافی ہیں کہ اس زمانے میں ملک کی حالت کا اندازہ کیا جاسکے۔ اور بہ ہیئت مجموعی یہ تصویر خاصی درخشاں اور خوشگوار ہے۔ اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بکرماجیت اتنا قابل تھا کہ وہ ایسی باضابطہ حکومت قائم کردیتا جس کے زیر عاطفت اس کی رعایا عیش وآرام سے زندگی بسر کرسکے۔ اور معمول سے زیادہ متمول ہوجائے۔

پاٹلی پتر کی شان وشوکت

جب ہمارا سیاح پہلی مرتبہ پاٹلی پتر گیا ہے تو اشوک کے محل کے دیکھنے سے جو اس وقت تک بالکل سالم موجود تھا اس کے دل پر گہرا اثر پڑا۔ یہ محل سنگی اس قدر

---

[1] وٹیرس "آن یون چانگس ٹریولز ان انڈیا" جلد دوم صفحہ ۸۷۔ دھرم پال کا کھالمپور کا عطیہ۔ انڈین انٹی کویری جلد ۴ صفحہ ۲۵۲۔ تاریخ داؤدی منقول فی ایلیٹ کی ہسٹری جلد ۴ صفحہ ۴۷۷۔

ہنرمندی اور کاریگری سے تعمیر کیا گیا تھا کہ بادی النظر میں معلوم ہوتا تھا گویا وہ ان کے ہاتھ کا کام نہیں۔ اس کی نسبت مشہور تھا کہ سے ان جنوں نے تعمیر کیا ہے جو مہاراجہ کے تابع تھے۔ ایک عالیشان ستوپ کے قریب جس کو اشوک ہی سے منسوب کیا جاتا تھا۔ دو خانقاہیں تھیں جن میں سے ایک میں مہایان اور دوسری میں ہینایان فرقے کے لوگ مقیم تھے۔ ان دو خانقاہوں میں جو بھکشو مقیم تھے چھ یا سات سو تھے۔ اور یہ لوگ علم و فضل کے لحاظ سے اس قدر مشہور تھے کہ طلبہ و شائقین علم دور دور سے ان کے درس میں شامل ہونے کے لئے آیا کرتے تھے۔ یہاں فاہیان نے سنسکرت کے مطالعے میں تین برس صرف کئے۔ اور یہیں اس کو خانقاہوں کے قواعد و ضوابط کے متعلق چند ایسی کتابیں دستیاب ہوئیں۔ جن کے حاصل کرنے سے وہ اس کے قبل بالکل مایوس ہو گیا تھا۔ اس نے نہایت جوش کے ساتھ بتوں کے ایک جلوس کا ذکر کیا ہے۔ جو بیس سجی سجائی گاڑیوں میں رکھ کر ہر سال دوسرے مہینے کی آٹھویں تاریخ کو گویوں اور رقاصوں اور مطربوں کے ساتھ میں تمام شہر میں گشت لگایا کرتا تھا وہ کہتا ہے کہ ملک کے دوسرے حصوں میں بھی اس قسم کے جلوس بالکل عام تھے[1]۔

مفت علاج کے شفا خانے۔

دریائے گنگا کے تمام میدان میں مگدھ کے شہر سب سے زیادہ بڑے تھے۔ اس میدان کو فاہیان "وسط ہند" یا "سلطنت وسطے" کہتا ہے۔ یہاں کے لوگ مالدار اور خوشحال تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک دوسرے سے نیکی کرنے میں ایک سے ایک بڑھا ہوا اور بڑھنا چاہتا ہے۔ بے شمار خیرات خانے تھے۔ شاہ راہ پر مسافروں کی آسائش و آرام کے لئے مکانات بنے ہوئے تھے۔ اور خود دارالسلطنت میں ایک شفا خانہ تھا جہاں مفت علاج ہوتا تھا۔ اور اس کا

[1] ٹریولز۔ باب ۲۷۔ (ہر ایک ترجمے میں)۔

خرچ شہر کے نیک اور تعلیم یافتہ باشندے ادا کرتے تھے۔ فاہیان کہتا ہے :-

تمام غریب اور بیکس ہر قسم کی بیماریوں میں مبتلا لوگ یہیں آتے ہیں۔ ان کی یہاں تیمارداری کی جاتی اور ایک طبیب ان کا علاج کرتا ہے۔ اور ان کی ضروریات کے بموجب ان کو دوا اور خوراک بہم پہنچائی جاتی ہے۔ اس طرح ان کو ہر طرح آرام دیا جاتا ہے۔ اور جب وہ چنگے ہو جاتے ہیں۔ تو وہاں سے رخصت کر دیئے جاتے ہیں[1]؛

اس میں شک ہے کہ اس زمانے میں دنیا بھر میں کوئی ایسا باضابطہ شفاخانہ موجود تھا۔ اس کے وجود سے ان باشندگان شہر کے خصائل وعادات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ جو اس کی مدد کرتے تھے۔ اور اشوک اعظم کی طبائعی کی بھی داد دینی پڑتی ہے۔ جس کی تعلیمات اس کی موت کے صدیوں بعد تک اس طرح بارآور ہوتی رہیں[2]؛

---

[1] سفرنامہ۔ مترجمۂ گائلز ؛

[2] سر ایچ۔ برڈٹ (انسائی کلو پیڈیا برٹینکا۔ طبع یازدہم۔ مضمون ہاسپٹل) کا بیان ہے کہ عیسائیت کے زمانے میں قسطنطین کی حکومت سے پہلے (سنہ ۳۳۷-۳۰۶ء) بیماروں کی رکھوالی کے لئے کوئی بندوبست نہ ہوا تھا۔ چوتھی صدی کے آخر میں باسل نے جذامیوں کے لئے ایک شفاخانہ قیصریہ کے مقام پر بنایا تھا۔ اور سینٹ کری سسٹم نے ایک اور شفاخانہ قسطنطنیہ میں قائم کیا تھا۔ جسٹینین کے ایک قانون (سنہ ۵۲۷ء تا ۵۶۲ء) کی رو سے شفاخانوں کو کلیسا کا جزو تصور کیا گیا تھا۔ پیرس کا شفاخانہ ہیسن ڈیو۔ یا ہوٹل ڈیو بعض دفعہ یورپ کا قدیم ترین شفاخانہ تصور کیا جاتا ہے۔ اس کا سنہ قیام ساتویں صدی عیسوی ہے۔ (فلارنس نائٹ انگیل۔ چیمبرس انسائی کلو پیڈیا سنہ ۱۹۰۴ء) ؛

بدھ مذہب۔ دریائے سندھ سے لے کر دریائے جمنا کے کنارے متھرا تک (۵۰۰) میل کے سفر کے دوران میں فاہیان یکے بعد دیگرے بے شمار بدھ خانقاہوں میں سے گذرا جہاں ہزاروں بھکشو اپنی زندگی کے دن گذار رہے تھے۔ متھرا کے قرب و جوار میں اس کو بیس ایسی خانقاہیں ملیں جہاں تین ہزار آدمی آباد تھے۔[1] اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بدھ مذہب اُس نواح میں خوب پھل پھول رہا تھا؛

مالوا کی خوشحالی۔ متھرا کے جنوب یعنی مالوا کے علاقے نے خاص کر سیاح سے خراج تحسین و آفرین حاصل کیا ہے۔ چنانچہ اس کے دل پر اس علاقے کی قدرتی خوبیوں۔ باشندوں کے مزاج و خصائل اور حکومت کے اعتدال کا یکساں خوشگوار اثر پڑا۔ یہاں کی آب و ہوا اُسے خاص کر بہت خوشگوار معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ معتدل اور برف و ژالہ باری کے طوفانوں سے جن کا وہ اپنے وطن اور عرصۂ سفر میں عادی تھا بالکل پاک تھی۔ عام رعایا ایک ایسی حکومت کے زیر سایہ جو اُسے تنگ نہ کرتی تھی شاداں و فرحاں زندگی بسر کرتی تھی۔ اپنے چینی قوانین کو مدنظر رکھتے ہوئے فاہیان ہندوستانیوں کو مبارک باد دیتا ہے کہ "انھیں اپنے گھر بار کو سرکاری طور پر منضبط کرنے یا کسی حاکم و قوانین کی پابندی کرنے کی زحمت نہیں اٹھانی پڑتی"۔ ان کو پروانہ راہداری کے حصول کی بھی تکلیف نہ اٹھانی پڑتی تھی۔ یا جیسا کہ جاتری نے نہایت سادگی سے لکھا ہے "ان میں سے جو چاہے چلا جائے اور جو چاہے مقیم ہو جائے"۔ چینی قوانین کے مقابلے میں ضابطۂ تعزیرات بہت معتدل معلوم ہوتا تھا۔ بہت سے جرائم کی سزا صرف جرمانے سے دی جاتی تھی۔ جو جرم کے لحاظ سے کم و بیش ہو سکتا تھا۔

---

[1] "ٹریولز" باب ۱۶۔ "مندروں" اور "مذہبی مقتداؤں" سے مراد غالباً بدھ مت کے مندر وغیرہ سے ہے۔ اس باب کے تراجم میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ یہاں لیگ اور گائلز کے ترجموں سے استفادہ کیا گیا ہے؛

اور معلوم ہوتا ہے کہ سزائے موت تقریباً بالکل ناپید تھی۔ وہ لوگ جو متواتر بغاوت کے مرتکب ہوتے تھے۔ (اس میں غالباً لوٹ مار اور ڈکیتی بھی شامل ہے) ان کا داہنا ہاتھ قطع کیا جاتا تھا۔ مگر یہ سزا بھی شاذ تھی۔ اور ساتھ ہی اقبال جرم کے لیئے شکنجے کا دستور نہ تھا۔ محاصل عموماً شاہی اراضی سے وصول ہوتے تھے۔ اور کیونکہ تمام عمال شاہی کو مقررہ تنخواہیں ملتی تھیں۔ اس لیئے ان کو رعایا کے ستانے اور تنگ کرنے کا کوئی موقع نہ ملتا تھا؛

بدھ مذہب کا طریق زندگی۔ علی العموم بدھ مذہب کا طریق زندگی مروج تھا۔ وہ کہتا ہے کہ "وہ تمام ملک میں کوئی شخص نہ کسی جاندار کو مارتا ہے۔ نہ شراب پیتا ہے اور نہ لہسن اور پیاز کھاتا ہے[1]۔ وہ مرغ اور سور بھی نہیں پالتے۔ مویشیوں کی خرید و فروخت بالکل بند ہے۔ اور بازاروں میں قصاب اور شراب کی دوکانیں بالکل معدوم تھیں"۔ چنڈال یا اچھوت ذاتیں جذامیوں کی طرح بالکل الگ تھلگ رہتی تھیں۔ اور جب کبھی وہ شہر کے اندر داخل ہوں تو علامت کے لئے ان کو ضروری تھا کہ لکڑی کے ٹکڑے کو بجاتے جائیں۔ تاکہ لوگ ان کے آنے سے مطلع ہو جائیں[2]۔ یہی وہ اقوام تھیں "جو قانون فرائض" (دھرم) کی پابند نہ تھیں۔ اور صرف ان میں شکاری۔ قصّاب اور مچھیارے پائے جاتے تھے۔ کوڑیاں عام طور پر سکّوں کی جگہ استعمال ہوتی تھیں[3]۔ بدھ مذہب کی خانقاہوں کو گرانقدر شاہی عطیات

---

[1] لہسن اور پیاز کو بہت سی ذاتیں پلید سمجھتی ہیں۔ پیاز کے متعلق خیال ہے کہ جب ان کو کاٹا جاتا ہے تو وہ گوشت کے مشابہ ہو جاتی ہے۔ اور لہسن شروع میں غالباً ایک بدعت سمجھکر حرام کیا گیا تھا۔ کشمیر کا ایک قدیم بادشاہ گوپادت لہسن کھانے والے برہمنوں کو سزا دیا کرتا تھا (ترجمہ راجہ ترنگنی باب ۱ صفحہ ۳۴۲۔ مترجمہ اسٹین)؛

[2] "وہ فصیل کے باہر اچھوت رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو چھونا موت سے بدتر ہے"۔ (گوودز "فوک سانگس آف سدرن انڈیا" صفحہ ۸)؛

[3] اس سے یہ مطلب نہ لینا چاہیئے کہ سکہ بالکل موجود ہی نہ تھا۔ چندرگپت بکرماجیت نے

حاصل تھے۔ اور بھکشو کو بھیک دینے میں بھی کسی قسم کا بخل نہ کیا جاتا تھا۔ بلکہ جہاں کہیں اور جب کبھی وہ چاہیں۔ مکانات۔ بستر۔ چٹائیاں۔ خوراک اور کپڑے ان کو میسر آسکتے تھے؛

حکومت کی خوبی

ان تمام تفصیلوں سے جو چین کے بہت قدیم سیاح نے جمع اور بیان کی ہیں اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا چندر گپت بکرماجیت کی سلطنت پر نہایت خوبی سے حکومت ہوتی تھی۔ حکومت رعایا کے کاموں میں جہاں تک ممکن تھا کم دخل دیتی تھی۔ اور ان کو خود اپنے حال میں دولتمند بننے کے لئے آزاد چھوڑ دیا تھا۔ یہ دیندار جاتری تین سال تک پاٹلی پترا اور دو سال تامرلپتی (تملوک) کے بندرگاہ میں بغیر کسی رکاوٹ کے تحصیل علم کے لئے مقیم رہا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ راستے بالکل محفوظ و مصئون تھے[1]۔ فاہیان کو کبھی اس بات کا موقع نہیں ملا کہ وہ لٹیروں کے ہاتھ میں پڑ جانے کی شکایت کرے۔ حالانکہ ساتویں صدی میں ہیون سانگ کو دو مرتبہ اس مصیبت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اغلب یہ ہے کہ ایشیائی طرز حکومت کے لحاظ سے بکرماجیت کی حکومت سے بہتر حکومت کبھی ہندوستان میں قائم نہیں ہوئی۔ حکومت اپنی طاقت سے زیادہ کام کرنے کی کوشش نہ کرتی تھی۔ بلکہ لوگوں کو آزادی دی گئی تھی اور اسی وجہ سے وہ ہر دلعزیز تھی۔ ارذل خلائق کے سوا بدھ مذہب کی رحیمانہ تعلیمات نے ہر جماعت پر یکساں اثر ڈالا تھا۔ اور دوسری جانب کیونکہ خود بادشاہ مذہبًا برہمنی ہندو تھا اس لئے مذہبی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- سونے کے سکّے بہ کثرت اور چاندی اور تانبے یا کانسی کے قلیل تعداد میں مضروب کرائے تھے۔ اس کے "تیر انداز" وضع کے سونے کے سکّوں کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ عام تھے؛

[1] "ٹریولز" باب ۳۶۔ تملوک بنگال میں مدناپور کے ضلع میں آجکل سمندر سے ساٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے؛

تعصب وایذادہی کی وہ روجو جین یا بدھ حکومت کی وجہ سے شروع ہوجاتی دبی رہی۔ اور مذہبی آزادی عام ہوگئی۔ ایک عابد وزاہد دیندار شخص فاہیان ہرایک چیز کو بدھ مذہب کی آنکھ سے دیکھتا تھا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ برہمنی سلطنت ہوجانے سے ہندومت اس سے کہیں زیادہ شائع ہوگا جتنا کہ فاہیان کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی قربانیوں کی بھی ضرور اجازت ہوگی۔ اصل یہ ہے کہ فاہیان کی سیاحت سے بہت قبل بدھ مذہب کے خلاف برہمنی ردعمل کی ابتدا ہوچکی تھی۔ اور ہندی بدھ مت پہلے ہی سے بہت کچھ زوال پذیر ہوچکا تھا۔ اگرچہ جاتری پر اس کے انحطاط کی ظاہری نشانیاں بالکل مخفی رہیں۔

بعض اضلاع اگرچہ چندر گپت بکرماجیت کی زیر عنان تمام سلطنت کی عام خوشحالی اور امن وامان کا بیّن ثبوت فاہیان کے روشن بیان۔ اور اس کے سالہا سال تک بلا دقت ہرجانب سفر کرنے سے ملتا ہے۔ مگر بعض اضلاع ایسے بھی تھے کہ جن میں یہ امن وامان اور عام خوشحالی مفقود تھی۔ اور جو دولت وآبادی کے لحاظ سے بہت کچھ گھٹ گئے تھے۔ چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ گیا کا شہر ویران اور تباہ پڑا ہوا تھا۔ اس کے جنوب میں چھ میل کے فاصلے پر بدھ گیا کے مقدس مقامات کے گرد گھنا جنگل ہوگیا تھا۔ اور دامن کوہ کے قریب ایک وسیع علاقہ جو پانچویں صدی قبل مسیح میں آباد ومعمور تھا۔ اب کہیں کہیں اس میں بستیاں پائی جاتی تھیں۔ دریائے راپتی کے بالائی کنارے سراوستی کے عالیشان شہر میں اب صرف دوسو خاندان رہ گئے تھے۔ کپل وستو اور کسی نگر کے مقدس مقامات اب تباہ وخستہ حال تھے۔ ان میں اب چند بھکشو اور ان کے ملازمین رہ گئے تھے۔ جو باوجود بربادی کے ان مقدس مقامات میں سکونت پذیر تھے۔ بھولے بھٹکے جاتریوں کی سخاوت سے بمشکل اپنا پیٹ بھرتے تھے۔ اس انحطاط اور بربادی کے اسباب معلوم نہیں[1]۔

[1] ٹریولز باب ۲۰ و ۲۲ و ۲۴ و ۳۱۔

۴۱۳ء - کمار گپت کی تخت نشینی۔

بکرماجیت کا ایک بیٹا جو اس کی ملکہ دھروادیوی نام کے بطن سے تھا ۴۱۳ء میں عالم شباب میں تخت پر بیٹھا اور چالیس سال حکمراں رہا۔ تاریخ میں اس کے پرپوتے سے اُسے ممیز کرنے کے لئے کمار گپت اول کہا جاتا ہے۔ اس بادشاہ کے زمانۂ حکومت کے واقعات بالتفصیل معلوم نہیں۔ لیکن بے شمار ہمعصر کتبات اور سکوں کی تقسیم کو دیکھتے ہوئے اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ اس کے غیر معمولی طور پر طویل مدت حکومت کے دوران میں سلطنت کے حدود میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہوئی تھی[۱]۔ بلکہ اس کے برعکس اغلب یہ ہے کہ اس نے اس میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہی کیا تھا۔ کیونکہ اس نے بھی اپنے دادا کی طرح اپنی مہاراجگی کا اعلان کرنے کے لئے اشومیدھ کی رسم ادا کی تھی۔ اور یہ بات ممکن نہیں معلوم ہوتی کہ اس نے یہ کام بغیر کامیاب جنگوں کے محض لاف زنی ہی کی غرض سے کیا ہو۔ مگر موجودہ سواد سے مخصوص اور بیّن واقعات کے متعلق کوئی بات معلوم نہیں ہوتی۔ سوائے اس کے کہ اس کی حکومت کے آخری حصے یعنے پانچویں صدی کے وسط میں اس کی سلطنت کو ہنوں کے جرگوں کے حملوں سے ایک سخت دھچکا پہنچا تھا۔ یہ لوگ شمالی مغربی دروں سے ایک بارگی ملک پر ٹوٹ پڑے تھے۔ اور تمام شمالی ہند پر

[۱] کمار گپت کے عہد سلطنت کا ایک تاریخی واقعہ ایسا ہے جس کا ذکر میں بضبط سن کر سکتا ہوں ۴۲۹ء میں چین میں ایک راجہ یو - ای ("محبوب قمر" = چندر پیارا (؟)) کے پاس سے ایک سفارت آئی تھی جو کا - پی - لی کی سلطنت پر حکمراں تھا۔ جس کا اب تک پتہ نہیں لگا (دیٹرس۔ جے - آر - اے - ایس ۱۸۹۸ء صفحہ ۵۴۰)۔

طوفان محشر انگیز کی طرح پھیل گئے تھے۔ ہنوں کے حملے اور اس کے ساتھ سلطنت گپت کی بربادی پر بحث کرنے سے پہلے۔ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں کی ہندوستانی زبان۔ علم ادب۔ علوم و فنون اور مذہب کی ارتقاء پر شاہان گپت کے اثر اور ان کی حکومت کی خصوصیات پر مختصراً ایک نظر ڈال جائیں[1]۔

[1] دیکھو ڈاکٹر۔ آر جی بھنڈارکر کا عالمانہ مضمون :۔ اے پیپ انٹو دی ارلی ہسٹری آف انڈیا فرام دی فاونڈیشن آف موریا ڈائنسٹی ٹو دی ڈاؤن فال آف دی امپیریل گپتا ڈائنسٹی" (۳۲۲ء ق م سے تقریباً ۵۰۰ء تک)۔ جو جے۔ بمبئی۔ آر۔ اے۔ ایس سے دوبارہ شائع کیا گیا ہے کشان خاندان کے متعلق ناقبول نظام سنین کے باوجود یہ مضمون ہند قدیم کی بہترین تاریخ ہے جو اب تک لکھی گئی ہے۔

باب دوازدہم

سلطنت گپت (جاری)۔ اور گورے ہن

از ۴۵۵ء تا ۶۰۶ء۔

سنہ ۲۰۰ ق م سے سنہ ۲۰۰ء تک بدھ مذہب کا عام رواج۔

شمالی ہند ۔کشمیر۔ افغانستان اور سوات کے ممالک میں سنہ ۲۰۰ ق م سے سنہ ۲۰۰ء تک بدھ مذہب کے عام طور پر مروج ہونے کا ثبوت اس زمانے کے بے شمار بدھ مذہب کے آثار اور کتبات سے ملتا ہے جو تقریباً تمام کے تمام صرف جین یا بدھ مذہب ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جین مذہب نے جو بدھ مت سے بہت کچھ مشابہت رکھتا ہے کبھی عوام کے دلوں میں گھر نہیں کیا۔ اگرچہ متھرا اور دیگر مقامات میں اس کو نہایت عقیدت سے ماننے والے لوگ موجود تھے؛

مگر ہندو مت معدوم نہ ہوا تھا۔

مگر ہندوؤں کا قدیم اور راسخ طریق عبادت ۔جو برہمنوں کے ہاتھ اور ان قربانیوں کے ذریعے سے ادا کی جاتی تھی۔ جس سے بدھ اور جین مذہب والے خاص طور پر متنفر تھے ملک سے کسی زمانے میں مفقود و معدوم نہ ہوا تھا۔ اور ہر زمانے میں اس کو عوام الناس اور حکومت کی جانب سے مدد پہنچتی رہتی تھی۔ کشان فاتح کڈفائسس دوم کو اس کے مفتوحوں نے اس قدر مغلوب کر لیا کہ اس نے اپنی رعایا کے عقائد کے مطابق شو کی پرستش کو اس جوش و خروش سے

اختیار کیا کہ اس ہندی دیوتا کی تصویر اس نے اپنے سکوں پر منقوش کرائی اور خود اس کے پرستار ہونے پر فخر کیا۔ اس قسم کی اور بعض باتیں ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جس زمانے میں بدھ مذہب بلا شک و شبہ ہندوستان کا عام مذہب تھا اس میں بھی ہندوؤں کے دیوتاؤں کو لوگوں نے بالکل فراموش نہ کر دیا تھا بلکہ ان کی پرستش بدستور سابق جاری تھی ؎

بیرونی بادشاہوں کا مذہب۔

بعض صورتوں میں بدھ مت کا مہایان فرقہ برہمنی مذہب کے مقابلے میں بے ذات بیرونی بادشاہوں کے لئے زیادہ دلچسپی کا باعث ہوتا تھا۔ اور یہ بات کچھ زیادہ بعید از قیاس نہیں معلوم ہوتی کہ ان میں برہمنوں کے مذہب کے خلاف بدھ مذہب کو ترجیح دینے کا رجحان پایا جاتا ہو۔ لیکن واقعات سے یہ بات بیّن طور پر ثابت نہیں ہوتی کہ انھوں نے بالخصوص بدھ مذہب کو دوسرے مذہبوں پر مرجح سمجھا ہو۔ بدھ مذہب کے چند ہمیں سکّے وہ ہیں جو کنشک نے مضروب کرائے تھے۔ کیونکہ اس نے کم از کم اپنی آخری عمر میں اس مذہب کے پیشواؤں کی خاص غور و پرداخت کی۔ اور یہی حال اس کے جانشین ہوشک کا تھا۔ لیکن اس کے اگلے بادشاہ باسودیو اول نے پھر نئے سرے سے کڈفائسس دوم کی طرح شوی پرستش اختیار کر لی تھی۔ اسی طرح سر اشترپ کے آخری زمانے کے سکستھ سترپ بھی بجائے بدھ مت کے برہمنوں کے عقائد کی طرف زیادہ مائل معلوم ہوتے ہیں۔ اور کم از کم یہ تو یقینی ہے کہ انھوں نے بجائے مقامی زبانوں کے برہمنوں کی زبان سنسکرت کی زیادہ سرپرستی کی ؎

مہایان اور ہندو مت میں تعلق۔

بدھ مذہب کے فرقے مہایان کا ارتقا جو آخر میں کنشک کے وقت یعنے دوسری صدی کے شروع سے عام طور پر جاری اور ساری ہو گیا اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ برہمنی مذہب پھر دوبارہ زندہ ہو رہا تھا۔

چنانچہ بدھ مت کا یہ نیا فرقہ ایک بڑی حد تک ہندو مت کے مشابہ تھا۔ اور ان دونوں کا تعلق اس قدر گہرا تھا کہ ایک ماہر علم کو بھی بسا اوقات یہ فیصلہ کرنے میں دقت پیش آتی ہے کہ کسی خاص مورت کا تعلق کس فرقے سے ہو سکتا ہے۔

سنسکرت کا احیا

برہمنی ہندو مت دراصل پنڈتوں کا مذہب تھا جنکی مقدس زبان سنسکرت تھی۔ یہ زبان پنجاب کی قدیم مقامی زبان کی ایک نہایت مصنوعی اور بدلی ہوئی صورت تھی۔ اور جس طرح بتدریج پنڈتوں کا راعی اور رعایا پر مذہبی اور معاشرتی معاملات میں اثر زیادہ ہوتا گیا اسی طرح اس مخصوص زبان کے شیوع کی حدود بھی وسیع ہوتے گئے یہاں تک کہ بالآخر تمام سرکاری کاغذات میں اس نے مقامی زبانوں کی جگہ لے لی۔ تیسری صدی قبل مسیح میں اشوک نے اپنے فرامین کو عوام الناس کی ایسی زبان میں شایع کیا تھا جس کو وہ بخوبی سمجھ سکتے تھے۔ لیکن دوسری صدی عیسوی کے درمیان ستریپ ردرادامن کو اس بات کا احساس تھا کہ صرف سنسکرت زبان ہی میں اس کے کارناموں کا اعلان و اشتہار بہترین طریقے سے ہو سکتا ہے۔ مگر ان صفحات میں اس مضمون پر بحث کرنا بالکل ناممکن ہے۔ اور صرف یہ کہہ دینا ہی کافی ہے برہمنی مذہب کے ساتھ برہمنوں کی مقدس زبان سنسکرت کا شیوع اور توسیع بھی پہلو بہ پہلو جاری تھی[1]۔

خاندان گپت کے زمانے میں ہندوؤں کا ردعمل۔

بہر حال اس بات کے خواہ کچھ ہی اسباب کیوں نہ ہوں مگر یہ امر واقعی ہے کہ عوام کے دلوں میں برہمنی مذہب کی وقعت اور اس کے ساتھ ہی ساتھ زبان سنسکرت کا احیاء دونوں دوسری صدی عیسوی میں ظاہر و بین ہو چکے تھے۔ تیسری صدی

[1] جو ناظرین کہ اس مسئلے کو اور زیادہ تفصیل سے مطالعہ کرنے کے خواہشمند ہوں وہ ملاحظہ کریں پروفیسر آٹو وشنگ کی کتاب:- "پالی اینڈ سنسکرت ان اہرم ہسٹوریشن اینڈ جوگریفیشن فر ہالٹنس آف گرنڈرڈر النسکرفٹن اینڈ مینرن" مطبوعہ سٹرسبرگ سنہ ۱۹۰۳ء۔

میں گجرات اور سراشٹر کے سترپوں نے اس کی مدد کی۔ اور چوتھی اور پانچویں صدیوں میں شاہان گپت نے اُسے معراج پر پہنچا دیا۔ یہ بادشاہ اگرچہ بدھ اور جین مذہبوں کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کرتے تھے اور کم از کم ان میں سے تین ذاتی طور پر مقدم الذکر میں خاص دلچسپی لیتے تھے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ بادشاہ ہونے کی حیثیت سے وہ راسخ الاعتقاد ہندو تھے۔ اور بالعموم ان کے مشیر کار برہمن تھے جو سنسکرت کے ماہر اور فاضل ہوتے تھے[1]۔ دوسری صدی کے آخر اور اس ردعمل کے شروع زمانے ہی میں پشی متر کے اشومیدھ کی رسم کے ادا کرنے میں بدھ مت کی مخالفت کا رنگ پایا جاتا ہے۔ چوتھی صدی میں سمدر گپت نے اس قدیم رسم کو اور بھی زیادہ شان و شوکت کے ساتھ ادا کیا۔ اور پانچویں صدی میں اس کے پوتے نے اس کا اعادہ کیا۔ بہرحال اور زیادہ تفصیل میں پڑے بغیر اس تمام معاملے کو مختصراً اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ سکوں۔ کتبوں۔ اور عمارتوں کی مجموعی شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ خاندان گپت کے زمانے میں برہمنی ہندو مت کا احیاء ہو رہا تھا اور وہ بتدریج بدھ مذہب کی جگہ قائم ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی عوام کی علمی زبانوں کے مقابلے میں جن کی سرپرستی شاہان اندھر نے کی تھی اب "قدیم" سنسکرت کا بول بالا تھا اور حکومت اس کی سرپرست ہو گئی تھی۔

بکرماجیت اور کالی داس۔ اغلب یہ ہے کہ اجین کے راجہ بکرم کے متعلق جس کی نسبت فرض کیا گیا ہے کہ اس نے بکرمی سمت جو ۵۸ سنہ ق م سے شروع ہوتا ہے قائم کیا تھا۔ جو حکایات زبان زد خلایق ہیں ان میں چندر گپت دوم بکرماجیت کے کارناموں کا ایک مخلوط رنگ پایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ یقینی ہے کہ اس نے

[1] جن تین کا اوپر ذکر ہوا وہ حسب ذیل ہیں:— چندر گپت اول اور سمدر گپت جو بدھوں کے سرپرست تھے اور نرگپت بالادت جس نے نالندا میں عمارات تعمیر کرائیں اور جس کو ہیون سانگ مذہب کا راسخ الاعتقاد ماننے والا سمجھتا تھا۔

چوتھی صدی عیسوی کے آخر میں اجین کو فتح کیا تھا۔ روایت کے مطابق راجہ بکرم کے دربار میں سنسکرت علم ادب کے نورتن حاضر تھے۔ اور ان نورتنوں میں سب سے زیادہ درخشاں کالی داس تھا۔ جس کے سنسکرت زبان کے خدائے سخن ہونے میں تمام نقادان فن متفق ہیں۔ میرے خیال میں یہ بات اب بالکل پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ کالی داس پانچویں صدی عیسوی میں گذرا ہے اور اغلب یہ ہے کہ اس کی تصانیف کا زمانہ طولانی تھا اور غالباً تیس برس تک وہ ان میں مشغول رہا۔ اگرچہ اس عظیم الشان شاعر کے سنین زندگی کا تعین ناممکن ہے مگر غالباً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے یا تو چندر گپت دوم کے عہد حکومت کے آخری حصے یا کمار گپت اول کے شروع زمانے میں تصنیف شروع کی تھی۔ اور اس طرح اجین کے راجہ بکرم اور کالی داس کا روایتی تعلق نظائر عقلی سے بھی ثابت ہو جاتا ہے[1]؛

[1] چند سال سے کالی داس کی سنین زندگی پر بہت کچھ بحث مباحثہ ہوتا رہا ہے۔ اور نومبر ۱۹۱۱ء تک کے تمام بیانات کا ملخص بی۔لیبج نے اپنے مضمون "دیلس ڈیٹم ڈس کالی داسا" (انڈوجرم۔ فورسخنگن سٹسبرگ۔ جلد ۳۱۔ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۰۳-۱۹۸)۔ میں پیش کر دیا ہے۔ اس سے قبل کے زیادہ اہم حوالے حسب ذیل ہیں:۔ میک ڈونل "ہسٹری آف سنسکرت لٹریچر" (۱۹۰۰ء) صفحہ ۳۲۴۔ اس میں کالی داس کو پانچویں صدی کے شروع کا بتلایا گیا ہے۔ مسٹر کیتھ (جے۔آر۔اے۔ایس ۱۹۰۹ء صفحہ ۴۳۹-۴۳۳) بھی کالی داس کو چندر گپت دوم ہی کے زمانے کا بتلاتا ہے۔ لیکن "رگھوونس" ایکٹ چہارم میں ہنوں کا ذکر ہونے کی وجہ سے اس کتاب کا اتنے قبل زمانے کا ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ دیکھو جے۔آر۔اے۔ایس ۱۹۰۹ء صفحہ ۷۳۹-۷۴۱ اور انڈین انٹی کویری ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۶۵۔ ڈاکٹر ہارنل کا نظریہ (جے۔آر۔اے۔ ایس۔ ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۱۲) جس کے مطابق چھٹی صدی عیسوی کے نصف اول میں گذرا ہے کسی نے قبول نہیں کی۔ اور میرے نزدیک اس کے دلائل و براہین بھی

زمانۂ گپت میں علمی چہل پہل۔

خاندان گپت کا زمانہ جو اپنی انتہائے وسعت میں ۳۲۰-۶۵۰ء تک اور خاص کر چوتھی اور پانچویں صدی کا زمانہ ہے۔ بہت سے علوم و فنون کے صیغوں میں خاص ہیجان اور علمی تلاطم کا زمانہ تھا۔ ایسا کہ اس کا مقابلہ تاریخ انگلستان میں الیزبیتھ اور اسٹوارٹ کے زمانے سے کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح اس زمانے میں ہندوستان میں کالی داس کی شہرت کے سامنے تمام مصنفین کی شہرت ماند پڑ گئی تھی اُسی طرح انگلستان میں شیکسپیر کے مقابلے میں سب لکھنے والے ہیچ ہو گئے تھے۔ لیکن بعینہ جس طرح کہ اگر شیکسپیر الیزبیتھ کے زمانے میں اپنے ڈرامے نہ لکھتا تو بھی اس کے لٹریچر میں کمی واقع نہ ہوتی اسی طرح اگر کالی داس کی کتابیں باقی نہ رہتیں تو بھی اور لوگوں کی کتابیں اس قدر موجود تھیں کہ ان سے اس زمانے کو احیاء علم و فن سے ممیز کر سکتے ہیں؟

علم ادب۔

مشہور ناٹک "مٹی کی چھوٹی گاڑی" جو ہندوستان کے سب سے زیادہ دلچسپ ناٹکوں میں سے ہے پانچویں یا چھٹی عیسوی کا خیال کیا جاتا ہے۔ ایک اور مشہور و معروف ناٹک

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ غلط ہیں۔ یہ بات کچھ زیادہ بعید از قیاس نہیں کہ کالیداس کی پرانی تصانیف مثلاً "رتسمہار" (اگر وہ اس کی تصنیف ہو) اور "میگھدوت" ۴۱۳ء سے پہلے ہی یعنے چندر گپت دوم کے زمانہ ہی میں لکھی گئی ہوں۔ لیکن خیال ہے کہ کمار گپت اول کا زمانہ (۴۱۳-۴۵۵ء) وہ تھا جس میں شاعر کے بعد کی کتابیں تصنیف اور شائع ہوئیں۔ اور یہ ممکن بلکہ اغلب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تمام زندگی ہی اسی کے زمانے میں گذری تھی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ سکند گپت کے تخت نشینی کے بعد تک برابر تصنیف و تالیف میں مشغول رہا ہو۔ لیکن بہر حال اس میں مجھے کسی قسم کا شک نہیں معلوم ہوتا کہ کالی داس پانچویں صدی ہی میں اس زمانے میں گذرا ہے۔ جب کہ خاندان گپت کی قوت و اقتدار انتہائے عروج پر پہنچا ہوا تھا؟

"مدرا راکشس" جس میں چندرا گپتا موریا کی غصب سلطنت کا حال مندرج ہے غالباً مقدم ذکر جتنا ہی قدیم ہے۔ پروفیسر ہلیبرنڈنٹ کے خیال میں وہ چندر گپت دوم کے وقت کی تصنیف ہے۔ (تقریباً سنہ ۴۰۰ء)۔

وایو پران جو موجودہ اٹھارہ پرانوں میں سب سے زیادہ قدیم ہے صریحاً اپنی موجودہ شکل میں چوتھی صدی کے نصف اول میں آئی۔ اور اسی طرح منو کا دھرم شاستر بھی گپت زمانے کے شروع میں عالم وجود میں آیا۔ مگر بہرحال اور زیادہ تفصیل اور اس طرح سنسکرت علم ادب کے مورخ کے فرائض میں دخل دیئے بغیر یہاں پروفیسر آر۔ جی بھنڈارکر کا خیال ظاہر کر دینا کافی ہے کہ اس زمانے میں "علم ادب میں ایک خاص ہیجان واقع ہوا" جس کا اثر نظم۔ دھرم شاستر اور دیگر شعبۂ فنون پر پڑا۔

فن

ریاضی اور علم ہیئت کے فنون میں زمانۂ گپت میں آریا بھٹ (پیدائش ۴۷۶ء) اور وراہمیر (وفات ۵۸۷ء) کے جیسے مشاہیر پیدا ہوئے۔ مسٹر کے جو اس معاملے میں مستند مانا جاتا ہے کہتا ہے کہ "وہ زمانہ جب کہ علم ریاضی نے ہندوستان میں ترقی کی سنہ ۴۰۰ء سے سنہ ۶۵۰ء تک کا ہے۔ اس کے بعد اس میں زوال آ گیا"۔

فنون لطیفہ۔ فن تعمیر۔

ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح سمدر گپت خود علم موسیقی کا شائق اور اس کا حامی اور مددگار تھا۔ دوسرے فنون پر بھی شاہان گپت نے اپنی عنایتیں مبذول کیں۔ اور ان کی سرپرستی میں وہ خوب پھلے پھولے۔ مگر زمانۂ گپت کی تمام یادگاروں اور عمارتوں کے مٹ جانے کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ ان کی سلطنت کے تقریباً تمام حصے کو مسلمان فاتحین کی افواج نے روند ڈالا اور اس پر مستقل طور پر قابض ہو گئے۔ اور یہ لوگ ہندوؤں کی عمارتوں کو شاذ و نادر ہی کبھی باقی چھوڑتے تھے۔ مگر گذشتہ سنین کی تحقیقات نے ایسی شہادتیں بہم پہنچا دی ہیں جن سے معلوم ہوتا کہ بدھ اور برہمنی مذاہب کی بے شمار عمارات پانچویں اور

چھٹی صدی میں تعمیر ہوئی تھیں۔ چند بڑی بڑی عمارتوں کے نمونے آج کل بھی چھوٹی چھوٹی جگہوں میں ایسے مقامات پر پائے جاتے ہیں جہاں تک اسلامی افواج کا قدم نہیں پہنچ سکا۔ اور اس زمانے کے چھوٹے چھوٹے مندر تو بہت ہی پائے جاتے ہیں۔ بہر نوع اتنا مواد موجود ہے کہ جس سے بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ فن تعمیر معراجِ ترقی پر پہنچ چکا تھا اور کامیابی کے ساتھ اس پر عمل کیا جاتا تھا۔

سنگتراشی، مصوری اور نقاشی۔

فن سنگتراشی جو ہندوستان میں فن تعمیر کے پہلو بہ پہلو ترقی کرتا تھا اس قدر تکمیل کو پہنچ گیا تھا جس کا اندازہ چند سال قبل پورے طور پر نہیں کیا جاتا تھا۔ اور اس کے بہترین نمونے اس قابل ہیں کہ ان کو ہندی سنگتراشوں کے اعلیٰ ترین کوششوں کا نتیجہ تصور کیا جا سکتا ہے۔ مصوری کے جو نمونے اجنٹا کی استر کاری اور اس کے ہم جنس مقام لنکا کے سیگریا (۴۷۹-۴۹۷ع) میں ملتے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فن بھی اس قدر یا اس سے بھی زیادہ کامیابی کے ساتھ جاری تھا۔ شاہان گپت کے بعض سونے کے سکے ہی تمام ہندی سکوں میں اس قابل ہیں کہ انھیں فن لطیفہ کا نمونہ قرار دیا جا سکے۔

زمانہ گپت میں اس چہل پہل کے اسباب۔

مذکورۂ بالا بیان سے یہ تو بالکل اظہر من الشمس ہے کہ خاندان گپت کے لائق اور طولانی حکومت کے بادشاہوں کا زمانہ ہندوستان میں غیر معمولی علمی چہل پہل کا زمانہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ خود شاہی سرپرستی سے اس میں بہت کچھ ترقی ہوئی تھی۔ مگر ایسے نتائج پیدا کرنے کے لئے صرف یہی ایک سبب کافی نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے اور اسباب بھی ضرور ہونا چاہئیں۔ تجربے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مختلف اقسام کے تمدن کا تصادم اتصال باہمی علوم و فنون لطیفہ کی ترقی و تحریک کا بڑا باعث ہوا کرتا ہے۔ اور میرے نزدیک زمانہ گپت میں

اس تمام علمی رونق اور کارناموں کی بڑی وجہ ان ہی بیرونی تمدنوں کا اتصال تھا جو مشرق اور مغرب دونوں طرف سے ہندوستان میں واقع ہوا چین کے ساتھ متواتر سلسلۂ رسل و رسائل قائم رہنے کی پوری پوری شہادت موجود ہے۔ اور اگرچہ رومتہ الکبریٰ کے ساتھ اس قسم کے تعلقات کی شہادت ایسی صریح نہیں لیکن پھر بھی تعلقات کے قیام میں کلام نہیں ہو سکتا۔ چوتھی صدی کے آخر میں چندر گپت ثانی بکرماجیت کی فتح مالوا و سراشتر نے شمالی ہند اور مغربی ممالک کے درمیان وسائل آمد و رفت قائم کر دیئے تھے۔ اور اس طرح یورپی خیالات کے ہندوستان میں آنے کا راستہ صاف ہو گیا تھا۔ آریہ بھٹ پر اسکندریہ کے علوم ہیئت کا اثر بالکل نمایاں ہے۔ اور اسی طرح شاہان گپت کے رومی سکوں کی نقل بھی بالکل ظاہر ہے۔ فنون لطیفہ اور علوم ادب میں بیرونی اثروں کا ثبوت ذرا مشکل کام ہے۔ مگر میرا خیال یہ ہے کہ اس اثر کی واقعیت ثابت ہو سکتی ہے۔ مثلاً دیوگڑھ میں "وشنو خفتہ" کے بت اور اسٹاک ہالم میں انڈی میان کے یونانی رومی سنگتراشی کے نمونوں میں جو تعلق ہے اس سے انکار کرنا ذرا مشکل ہے۔ بہرحال اس مقام پر اس مضمون سے مفصل بحث کرنا بالکل ناممکن ہے۔ مگر ذیل کے نوٹ میں جو حوالے دیئے گئے ہیں وہ ایسے طالب علم کے لئے کافی ہیں جو اس قسم کے تمام دلائل کی طلب و جستجو میں ہو جن سے یہ معلوم ہو سکے کہ زمانہ گپت کے علوم و فنون کی ترقی کا باعث ہندی اور رومی نمونوں کا اتصال و تعلق تھا۔ بعض نقادان فن کا خیال ہے کہ اجنٹا کی نقاشی میں چینی خیالات کا اثر پایا جاتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ ان کا یہ خیال درست ہو[1]

[1] ناٹک "مٹی کی چھوٹی گاڑی" (مرچ چھکتکا) تاریخ تصنیف معلوم نہیں۔ پروفیسر لیوی کا خیال ہے کہ یہ کالیداس کے بعد کا ہے (انڈین تھیئٹر صفحہ ۲۰۸)۔ مگر میں دوسرے مصنفین سے متفق ہوں اور اس کو اس سے قبل کا سمجھتا ہوں۔ دیکھو اس کا ترجمہ مترجم رائڈر (ہارورڈ اورینٹل سیریز)۔ "مدرا راکششس" کے متعلق دیکھو ہٹینز۔

مذہب | سب سے پہلے چینی جاتری فاہیان جو پانچویں صدی کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- مصحح و مترجم صفحہ ۷۹ (کولمبیا یونی - ورسٹی پریس این - وائی ۱۹۱۲ء) - ہلیبرنڈنٹ "ادیبیرڈیس کوتلیا شاسترا - انڈ فرڈنینڈس - ثانی کا مضمون جے - آر - اے - ایس ۱۹۱۰ء صفحہ ۹۱۰ - و ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۴۷ - پرانوں کی قدامت کے متعلق دیکھو مفصل بحث پرگیٹر کی کتاب "دی ڈائنسٹیز آف دی کالی ایج" اور اس کتاب کا ضمیمہ ڈ۔

ہندی اور یونانی علوم ریاضیات کے آپس کے تعلقات کی نسبت مسٹر کے کے خیالات کے لئے دیکھو جے - آر - اے - ایس ۱۹۱۰ء صفحہ ۷۵۹ اور جرنل انڈ پروسیڈنگس آف اے - ایس - بی - ۱۹۱۱ء صفحہ ۸۱۳۔

فنون لطیفہ اور فن تعمیر کے تمام مسائل کے متعلق دیکھو مصنف کی کتاب "اے ہسٹری آف فائن آرٹ ان انڈیا اینڈ سیلون" اور وہ تمام حوالے جو اس کتاب میں دیئے گئے ہیں۔

ہندوستان اور چین کے مابین رسل و رسائل کے حوالجات کو دف نے اپنی کتاب "کرانالوجی آف انڈیا" ۱۸۹۹ء میں جمع کر دیا ہے - کا - پی - ل کے راجہ نے ۴۲۸ء میں ایک سفارت چین کو روانہ کی تھی (ویٹرس - جے - آر - اے - ایس - ۱۸۹۸ء صفحہ ۵۴۰) - تمام سفارتوں کی تعداد جن میں سے غالباً بعض کے اغراض محض تجارتی تھے ۵۰۲ - ۵۱۵ء تک چھ ہے - ان کے علاوہ جاتریوں اور داعیان مذہب کے سفیر وغیرہ تھے۔

روما الکبریٰ کے ساتھ رسل و رسائل کے لئے دیکھو بی - ہیوئی کتاب "انڈین ایمبیسیز ٹو روم" کوٹریج ۱۸۷۳ء - اور رینو :- "ریلیشن پولیٹک ایٹ کمرشلیز دی ل امپائر رومین اوک ل ایشیا اورئنٹل - اور دف کتاب مذکورۂ بالا۔

شاہان گپت کے سکوں پر رومی اثر کے متعلق میرے مضمون "کائینج آف دی ارلی آر امپیریل گپتا کا ڈائنسٹیز" (جے - آر - اے - ایس ۱۸۸۹ء) میں مفصل بحث ہے - اور دیکھو سیول کا مضمون "رومن کائنز فاؤنڈ ان انڈیا" رسالہ مذکورہ ۱۹۰۴ء صفحہ ۶۳۷ - ۵۹۱ - سارناتھ کسیا وغیرہ میں چند سال قبل جو بدھ مذہب کی خانقاہیں

اوائل میں ہندوستان آیا تھا اور اس کے بعد کے جاتری ہیون سانگ (جس نے ساتویں صدی کے نصف اول میں ہندوستان کا سفر کیا) کے بیانوں کا مقابلہ کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خاندان گپت کے زمانے میں بدھ مذہب کو بہت کچھ زوال ہو گیا تھا۔ لیکن اس زمانے کے رہنے والوں کو ابھی تک اس زوال وانحطاط کا اندازہ نہ ہوا تھا۔ کیونکہ ان لوگوں کے سامنے زبردست خانقاہوں کا سلسلہ تھا اور ایسے بھکشو ان کے پیش نظر تھے جن کا بے انتہا اثر تھا اور عالیشان خانقاہوں میں سکونت رکھتے تھے۔ زمانۂ گپت کی جن عظیم الشان بدھ مذہب کی خانقاہوں کا انکشاف ہوا ہے اس نے تمام ماہرین آثار قدیمہ کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ شاہان گپت اگرچہ وہ مذہباً برہمنی ہندو اور بالخصوص وشنو کے پجاری تھے لیکن قدیم ہندوستان کی روایات کے بموجب ہندی مذاہب کی ہر صورت کو عزت اور توقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ چندر گپت اول نے جو سانکھیہ کے فلسفے کا پیرو تھا آخر زندگی میں بدھ مت کے عالم لبسو بندھو کے دلائل و براہین پر کان دھرا اور اپنے بیٹے اور ولی عہد سمدر گپت کو اس کے سپرد کیا۔ اور اس کے بعد کے زمانے میں نر گپت بالادت کو جس نے مذہبی دارالسلطنت نالندا کے مقام پر خوبصورت عمارتیں تعمیر کرائیں ہیون سانگ ایک جوشیلا بدھ مت کا ماننے والا تصور کرتا ہے[۱]۔

جنگ پشی متر

خاندان گپت کے انتہائے عروج کا زمانہ صرف سوا صدی (۳۲۰-۴۵۵ء) کا تھا جس میں تین بادشاہ حکمراں رہے۔ کمار گپت اول کی موت سے جو بالکل صحت کے ساتھ اوائل ۴۵۵ء میں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- زمانۂ گپت کی دریافت ہوئی ہیں وہ آرکیالوجیکل سروے کے سالانہ روئدادوں میں شائع ہوتی رہی ہیں (از ۱۹۰۲ء)۔

[۱] دیکھو ضمیمہ ص

متعین کی جا سکتی ہے۔ سلطنت کے زوال و انحطاط کی ابتدا ہو گئی۔ اس کی حکومت کے دوران ہی میں ۴۵۵ء کے قریب اس کی سلطنت کو ایک دولت مند اور قوی قوم پشی متر کے ساتھ جو اور کسی طرح تاریخ میں مشہور نہیں جنگ کی سخت مصیبت میں مبتلا ہونا پڑا۔ شاہی افواج کو شکست ہوئی۔ اور اس فوجی صدمہ اور مزاحمت کا اثر اتنا زیادہ ہوا کہ اس سے شاہی خاندان کی بقا اور استحکام معرض خطر میں آ گیا۔ لیکن سکند گپت یوو راجہ کی ہمت اور قابلیت نے اس بڑھتے ہوئے طوفان کو روکا اور دشمن کو شکست دے کر اپنے خاندان کی حیثیت پھر اُسی طرح قائم کر دی[۱]۔ ایک ہمعصر کے بیان میں جو ذرا سی تفصیل ملتی ہے اس سے اس جنگ کی سختی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یعنی جب ولیعہد سلطنت اپنے خاندان کے مصائب کے معدوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا تو ایک مرتبہ تمام رات اس کو زمین پر پڑ کر گذارنی پڑی تھی[۲]۔

ہنوں کی شکست

۴۵۵ء کے موسم بہار میں جب سکند گپت تخت سلطنت پر بیٹھا تو اس کو مصائب کے ایک خاصے طوفان کا مقابلہ کرنا پڑا۔ پشی متر کی قوم کا خطرہ تو اب زائل ہو چکا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ اور زیادہ زبردست مصیبت کا سامنا ہوا۔ یہ وحشی ہنوں کی یورش تھی۔ جو وسط ایشیا کے جنگلوں سے اٹھی۔ شمال مغربی دروں میں سے ہوتی ہوئی طوفان بلاخیز کی طرح ہندوستان میں داخل ہوئی۔ اور ملک کے آباد

[۱] فلیٹ کے خیال میں (انڈین انٹی کویری جلد ۲۸ صفحہ ۲۲۸) یہ نربدا کے علاقے میں رہتی تھی۔ مگر اغلب یہ ہے کہ اور شمال میں سکونت پذیر تھی۔ پران پشی متر اور پٹو متر کو "متفرق" خاندانوں کے ضمن میں ذکر کرتے ہیں۔ جو بظاہر بیرونی لوگ تھے۔ اور ان کے نام خاندان گپت کے ذکر سے پہلے شمار کرائے گئے ہیں (پرگیٹر "ڈائسٹیز آف دی کالی ایج" صفحہ ۳)۔

شہروں اور سرسبز و شاداب میدانوں کو تباہ و برباد کرڈالا۔ مگر سکند گپت نے بھی جو غالباً مسن اور کار آزمودہ تھا مناسب ہمت و جرأت سے کام لیا۔ اور ان وحشیوں کو ایسی سخت شکست دی کہ ایک مدت کے لئے ہندوستان بالکل مامون اور مصئون ہوگیا۔ اس کی ماں اب تک زندہ تھی۔ اور فتح کی خبر دینے کے لئے "کرشنا کی طرح جو اپنے دشمنوں کو قتل کرکے اپنی ماں دیو کی کی خدمت میں حاضر ہوا تھا" اپنی ماں کے پاس گیا۔ اس طرح اپنی ماں کی خدمت سے فارغ ہوکر اس نے اپنے باپ کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے ایک فتح منارہ تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ جس کے سرے پر وشنو دیوتا کا بت تھا۔ اور جس پر وحشی حملہ آوروں کے پنجے سے دیوتاؤں کے فضل و کرم سے ملک کی رہائی کا حال کندہ تھا[1]۔

مغربی صوبے یہ بات ظاہر ہے کہ ہنوں پر یہ زبردست فتح اس حکومت کے شروع ہی میں حاصل ہوئی ہوگی۔ کیونکہ ایک اور کتبے سے جو ۴۵۸ء میں کندہ کیا گیا معلوم ہوتا ہے کہ سکند گپت نے وحشیوں کو شکست دی تھی۔ اور سراستر (کاٹھیاواڑ) کے انتہائی مغربی صوبے پر وہ بلاشرکت غیرے حکمران تھا۔ مغربی صوبوں پر بادشاہ نے پرن دت نامی ایک نائب السلطنت مقرر کیا تھا جس میں شاہی ملک الشعراء کے قول کے مطابق تمام خوبیاں پائی جاتی تھیں۔ اور اس نے جوناگڑھ کے صدر مقام کی ذمہ داری کی حکومت اپنے بیٹے کے سپرد کی۔ جس نے وہاں قیام کے زمانے میں کوہ گرنار کے دامن کی جھیل کے قدیم بند کو نئے سرے سے باندھا۔ جو سکند گپت کی تخت نشینی کے سال پھر

[1] بنارس کے مشرق میں ضلع غازی پور کے بھتری کے مقام پر یہ مینار اب تک موجود ہے اگرچہ بت اب مفقود ہوچکا ہے۔ (کننگھم "آرکی آلوجیکل رپورٹ" جلد اول لوح ۲۹) اس مینار کے کتبے کو جس پر وہ واقعات درج ہیں جن کا ذکر متن کتاب میں ہوا فلیٹ نے بعد تصحیح و ترجمہ شائع کیا ہے (گپتا السنکر پشنز۔ نمبر ۱۳)۔ دیکھو جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۷ء صفحہ ۹۷۶۔

ٹوٹ گیا تھا۔ یہ رفاہ عام کا کام دوسرے سال جا کر ختم ہوا۔ اور وہیں پر وشنو کا ایک مندر بھی تعمیر کیا گیا[1]۔

مشرقی صوبے

اس کے تین سال بعد ضلع گورکھپور کے مشرق میں پٹنہ سے نوّے (۹۰) میل کے فاصلے پر ایک گاؤں میں ایک جین معطی نے پتھر کا ستون بادشاہ کے نام پر یادگار بنایا۔ اور اس واقعے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سکند گپت کے شروع حکومت میں مشرقی اور مغربی دونوں صوبے اس کی سلطنت میں شامل تھے[2]۔

صوبجات متوسط

اس کے پانچ سال بعد ۴۶۵ء میں دریائے گنگا اور جمنا کے درمیانی علاقہ یعنے موجودہ ضلع بلند شہر میں سورج کے ایک مندر سے جو سکند گپت کے زمانے میں ایک دیندار برہمن نے تعمیر کیا اور اسی کے نام سے نامزد کیا تھا۔ ظاہر ہوتا ہے کہ وسطی صوبوں میں بھی مستقل حکومت قائم تھی[3]۔ اسی وجہ سے یہ نتیجہ نکالنا بالکل قرین قیاس ہے۔ کہ شروع زمانہ حکومت ہی میں وحشی حملہ آوروں پر فتح حاصل کی گئی ہوگی۔ اور یہ فتح ایسی فیصلہ کن تھی کہ ایک مدت تک اس کی وجہ سے سلطنت کے مختلف حصوں میں امن و اماں پھیلا رہا۔

تقریباً ۴۶۵ء ہنوں کا نیا حملہ

لیکن ۴۶۵ء کے قریب ان خانہ بدوش اقوام کا ایک ازسر نو طوفان سرحد کی طرف سے در آیا۔ اور گندھارا یا شمالی مغربی پنجاب پر قابض ہو گیا۔ جہاں ایک "بے رحم اور کینہ توز" سردار نے کشان کے تخت و تاج کو غصب کیا اور حد درجے کی وحشیانہ حرکتیں کیں[4]۔ اس کے تھوڑے زمانے کے بعد ہی ۴۷۰ء میں ہن

---

[1] فلیٹ کی گپتا انسکرپشنز۔ نمبر ۱۴۔

[2] ایضاً نمبر ۱۵۔ کہاؤں کا کتبہ۔

[3] ایضاً نمبر ۱۶۔

[4] سنگ ین۔ چینی جاتری ۵۲۰ء بیل کی ریکارڈس جلد اول صفحہ ۱۰۰۔ لیکن "گیلہ" کا

اندرون ملک کی طرف بڑھے اور پھر دوبارہ سکند گپت کی سلطنت کے عین قلب میں آکر اس پر حملہ آور ہوئے۔ لیکن اب وہ گذشتہ مرتبہ کی طرح ان کا مقابلہ نہ کر سکا اور بالآخر اس کو ان بیرونی اقوام کے متواتر حملوں کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کر دینا پڑا۔ غالب یہ ہے کہ ان حملہ آوروں کو برابر وطن سے امداد پہنچتی رہتی تھی۔ اور وہ سب کے سب ہندوستان کی لوٹ کے شائق تھے۔

سکے میں کھوٹ کا ملایا جانا۔

سکند گپت کے زمانے کی مالی مشکلات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کے آخری زمانے میں دفعتاً سکہ کھوٹا ہو گیا ہے۔ اس کے شروع کے زمانے کے چاندی اور سونے کے سکے اس کے پیشروؤں کے سکوں کے وزن سے بالکل مطابق ہیں۔ لیکن آخر میں ان کا وزن ہندو معیار سورن کے برابر کرنے کے لئے بڑھا دیا گیا ہے۔ مگر ان میں بجائے (۱۰۸) رتی خالص سونے کے صرف (۷۳) رتی رہ گیا ہے[۱]۔ سکہ کے اس طرح یک بیک کھوٹا ہو جانے سے جس کے پہلو بہ پہلو وہ بناوٹ میں خراب اور بھدا ہوتا گیا تھا صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہنوں کی جنگ کی وجہ سے جو بار پڑا وہ خزانہ نہ اٹھا سکا۔

تقریباً ۴۸۰ء پرگپت کی تخت نشینی

سکند گپت نے بھی اور بہت سے ہندوستانی راجاؤں کی طرح بکرماجیت کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ اس کی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ نام جو بیل نے اس سردار کو دیا ہے اور جس کی نقل کننگھم وغیرہ کرتے چلے آئے ہیں۔ محض فرضی ہے۔ اور ایک ترکی خطاب "تگین" کے غلط معنوں پر مبنی ہے۔ (دیکھو جوینر کی کتاب: دی لیس ٹرکس آکسی ڈنٹو صفحہ ۲۲۵ حاشیہ)۔

[۱] کشان کے سکوں کی طرح گپت خاندان کے پرانے سکے بھی وزن میں اور ایک حد تک بناوٹ میں رومی سکہ "اوری" ہوتا ہے۔ مگر بعد کے سکے ہندو "سورن" کے مثل ہیں اور وزن میں کم و بیش (۱۴۶) گرین ہیں۔ اور بناوٹ میں بھی خراب اور بھدے ہیں۔

وفات غالباً ۴۶۷ء کے قریب قریب واقع ہوئی ہوگی۔ اس کے مرنے کے بعد سلطنت کا تو خاتمہ ہو گیا مگر خاندان شاہی باقی رہ گیا۔ اور مشرقی صوبوں میں کئی نسلوں تک برقرار رہا۔ سکند گپت نے کوئی ایسی اولاد نرینہ نہ چھوڑی تھی کہ وہ ایسی مصیبت کے زمانے میں سلطنت کی حفاظت کر سکتی۔ اور اسی وجہ مگدھ اور قرب و جوار کے صوبوں پر اس کا بھائی کمار گپت اول کا بیٹا پر گپت جو ملکہ انند کے بطن سے تھا۔ اس کا جانشین ہوا[۱]

سکے کی اصلاح

اس راجہ کا عہد حکومت بظاہر نہایت کم تھا۔ اور اس کے زمانے کا اگر کوئی واقعہ یادگار ہے تو وہ اصلاح سکّے کی دلیرانہ کوشش ہے۔ وہ نادر الوجود سکّے جن کی پشت پر اسادت کا لقب منقوش ہے اسی پر گپت کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ اور اگرچہ وہ وزن میں ہندو "سورن" کے برابر ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک میں (۱۲۱) گرین خالص سونا ہے۔ اس طرح قیمت میں وہ آگسٹس کے "اوری" کے برابر اور کشان اور پرانے گپت سکّوں کی قدر ذاتی سے زیادہ ہیں[۱]

تقریباً ۴۸۵ء سے ۵۳۵ء تک۔ نرسمھ گپت

تقریباً ۴۸۵ء میں پر گپت کا جانشین نرسمھ گپت بالادت ہوا جس نے اپنے بدھ مذہب سے دلچسپی کا بیّن ثبوت مگدھ کے علاقے میں بمقام نالندا جو بدھ مذہب کی تعلیمات کا شمالی ہند میں مرکز تھا ایک خشتی مندر کی تعمیر سے دیا۔ جو ہیون سانگ کے قول کے مطابق (۳۰۰) فیٹ بلند تھا

۱؎ بھتری کی مہر کے کتبے کی شہادت (جے۔ اے۔ ایس۔ بی جلد ۸ حصہ اول صفحہ ۱۰۵-۸۴) اور دوسرے کتبوں وغیرہ میں جو ظاہری تضاد پایا جاتا ہے اس کی مطابقت کی بہترین صورت وہی ہے جو متن کتاب میں اختیار کی گئی ہے۔ سونے کے سکّوں کے معیار کے متعلق دیکھو:۔ کننگھم:۔ کائنز آف میڈیول انڈیا صفحہ ۱۶؎

اور اپنی خوشنمائی اور سونے اور جواہرات کے استعمال کی وجہ سے اپنی آپ ہی نظیر تھا[1]۔ بالادت نے جو باہمت اور کامیاب طریقہ ہنون کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کا اختیار کیا اس کا ذکر ابھی آئے گا؛

تقریباً ۵۳۵ء کمار گپت دوم

نرسمھ گپت بالادت کے بعد اس کا بیٹا کمار گپت دوم تخت پر بیٹھا۔ اور اسی کے زمانے کی وہ کھوٹی چاندی کی خوبصورت مہر ہے جو ضلع غازی پور میں بھتری کے مقام پر پائی گئی ہے[2]۔ اس کی موت بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں ہوئی۔ مگر اس کی حکومت کے واقعات کا حال مفقود ہے۔ اور جہاں تک معلوم ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ کمار گپت دوم کی موت سے شاہی خاندان گپت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس کے باپ اور دادا کی طرح اس کی حکومت اس کے آباواجداد کی قدیم وسیع سلطنت کے صرف مشرقی صوبوں پر مشتمل تھی؛

مگدھ کے "بعد کے گپت"۔ موکھری

یہ شاہی خاندان کا سلسلہ بالآخر ایک خاندان میں منتقل ہو جاتا ہے جس میں گیارہ راجہ گپت کے نام کے ہیں۔ اور جو بظاہر ایک بڑی حد تک مگدھ کے علاقے ہی میں مقامی راجاؤں کی حیثیت سے حکمراں تھے۔ ان ہی راجاؤں کو ماہرین آثار قدیمہ کی اصطلاح میں "مگدھ کے بعد کے گپت" کہتے ہیں۔ یہ راجہ اس صوبے میں بھی بلاشرکت غیرے حکمراں نہ تھے بلکہ ایک خاندان جس کے راجاؤں کے نام ورمن پر ختم ہوتے ہیں اور جو موکھری نام ایک قوم سے تھے ان کے شریک سلطنت وحکومت تھے۔ مگر ان دونوں خاندانوں میں علاقے کی تقسیم کے

---

[1] جونیز ریلیجکس انشنٹس صفحہ ۹۴ - وٹیرس جلد دوم صفحہ ۱۷۰ - بیل - جلد دوم صفحہ ۱۷۳ - نلندا آج کل وہاں ایک بڑ کا درخت ہونے کی وجہ سے بڑگاؤں کے نام سے مشہور ہے۔ شمالی ہند میں ایسے نام بہت عام ہیں (بلاک :- جے - آر - اے - ایس سنہ ۱۹۰۹ صفحہ ۴۰۴)؛

[2] جے - اے - ایس - بی حصہ اول جلد ۵۸ (سنہ ۱۸۸۹ لوح ۶)؛

اسلوب کا پتہ لگانا بالکل ناممکن ہے۔ آپس میں ان کے تعلقات بعض مرتبہ دوستانہ رہتے تھے اور بعض اوقات ان میں دشمنی ہو جاتی تھی۔ مگران کے متعلق جتنی تفصیلیں معلوم ہیں وہ کچھ اہمیت نہیں رکھتیں[1]۔

چین کی بدھ مذہب کی سفارت

سلطنت مگدھ کے سیاسی انحطاط و زوال سے اس علاقے کے بدھ کی مذہبی تعلیمات کے مرکز اور مستقر ہونے کی حیثیت میں کسی قسم کا کوئی فرق نہ آیا۔ یہ تعلیمات یہاں نالندہ اور دیگر مقامات پر پال راجاؤں کے زیر سرپرستی مسلمانوں کی فتوحات تک برابر جاری رہیں۔ مگر بارھویں صدی کے آخر میں مسلمانوں کے حملے سے یہاں کی خانقاہیں اور ان کے بھرپور کتب خانے سب کے سب آگ کے نذر ہو گئے۔ بہترین مثال اُس ادب و تعظیم کی جو آخری خاندان گپت کے زمانے میں بھی گوتم بدھ کے بیرونی پیرو اپنی مقدس زمین کی کرتے تھے اس واقعہ سے مل سکتی ہے کہ ۵۳۹ء میں اُودتی یا سیویں سنے جو لینگ خاندان کا سب سے پہلا شہنشاہ چین اور بدھ مت کا پر جوش پیرو تھا ایک سفارت مگدھ کی طرف اس غرض سے روانہ کی کہ مہایان فرقے کی کتابوں کو تلاش کر کے حاصل کیا جائے اور ایک ایسے عالم کی خدمات مستعار لی جائیں جو ان کتابوں کا ترجمہ کر سکے۔ مقامی راجہ نے جو غالباً جیوت گپت اول یا کمار گپت تھا بخوشی اپنے شاہنشاہ دوست کی خواہشات کو پورا کیا۔ اور مشہور عالم پرمارت کو سفارت کے سپرد کر دیا۔ یہ سفارت معلوم ہوتا ہے کہ کئی سال تک ہندوستان میں مقیم رہی تھی۔ اس کے بعد پرمارتھ چین گیا اور اپنے ساتھ قلمی نسخوں کا ایک بڑا ذخیرہ لیتا گیا۔ جن میں سے اکثر کا اس نے ترجمہ بھی کیا۔ وہ کانٹن کے قریب ۵۴۶ء میں

[1] ان خاندانوں کے حالات کے لئے دیکھو فلیٹ کی کتاب گپتا انسکرپشنز اور بھتری کی مہر پر ڈاکٹر ہارنل کے خیالات۔ موکھری قوم کے سکوں کے متعلق دیکھو برن کا مضمون:- جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۶ء صفحہ ۸۴۳۔

پہنچا۔ ۵۴۸ء میں اس کو شاہنشاہ کے سامنے پیش کیا گیا اور ۵۶۹ء میں (۷۰) برس کی عمر میں چین ہی کے ملک میں مر گیا۔ اسی شاہنشاہ کے عہد حکومت (۵۰۲ء۔ ۵۴۹ء) میں جنوبی ہند کے ایک راجہ کا بیٹا بودھی دھرم جو ہندوستان کا اٹھائیسواں اور چین کا پہلا گرو خیال کیا جاتا ہے چین میں ۵۲۰ء میں پہنچا۔ اور تھوڑی مدت کانٹن میں رہنے کے بعد آخر لونیگ کے مقام پر آباد ہو گیا۔ اس کے خوارق عادات کو چینی مصور بہت کھینچتے رہتے ہیں[1]؛

آدت سین اور جیوت گپت دوم

"آخری خاندان گپت" کا سب سے زیادہ مشہور بادشاہ آدت سین تھا۔ جو ۶۴۷ء میں اپنے حاکم اعلیٰ ہرش کی موت کے بعد خود مختار ہو گیا۔ اور اپنی حکومت کی علو شان کے ثابت کرنے کے لئے اشومیدھ کی رسم بھی ادا کرنے کی کوشش کی۔ اس خاندان کا سب سے آخری بادشاہ جس کا نام معلوم ہے وہ جیوت گپت دوم تھا۔ جو آٹھویں صدی کے شروع میں برسر حکومت تھا۔ اسی صدی کے آخر میں یا نویں صدی کے شروع میں مگدھ بنگال کے پال راجاؤں کے ماتحت ہو گیا۔ اس خاندان کی تاریخ بعد کے کسی باب میں بیان ہو گی؛

۴۸۴ء سے ۵۱۰ء تک بدھ گپت اور بھانو گپت

مالوا کے مغربی صوبے میں بدھ گپت اور بھانو گپت دو راجاؤں کے نام ملتے ہیں جو ۴۸۴ء سے ۵۱۰ء تک برسر حکومت تھے اور بظاہر اس علاقے میں سکند گپت کے جانشین تھے۔ مگر بہر صورت ان میں سے موخر الذکر راجہ خود مختار نہ تھا بلکہ ہن سرداروں کا باجگذار تھا؛

خاندان ولبھی

پانچویں صدی کے آخر میں میترک قوم کے جو غالباً ایک بیرونی قوم تھی۔ بھیتارک نامی ایک سردار نے

---

[1] بشل:۔ چائنیز آرٹ۔ جلد اول صفحہ ۲۴؛

جزیرہ نمائے سراشترہ کے مشرق میں، ولبھی کے مقام پر قبضہ کیا اور ایک خاندان کی بناڈالی جو ۷۷۰ء تک قائم رہا۔ اور اس کے بعد خیال ہے کہ سندھ سے عرب کے حملہ آوروں نے اس کو برباد کیا۔ شروع میں ولبھی کے راجہ خود مختار نہیں معلوم ہوتے۔ اور اغلب یہ ہے کہ وہ ہنون کے باجگذار تھے۔ مگر ہنون کی سلطنت کی بربادی کے بعد ولبھی کے راجہ خود مختار ہو گئے۔ اور انھوں نے مغربی ہند اور خاص کر سراشترہ کے جزیرہ نما میں خاصی طاقت حاصل کر لی۔ ساتویں صدی عیسوی میں جب ہیون سانگ وہاں گیا ہے تو ولبھی کا شہر بڑا متمول تھا۔ اور بدھ مذہب کی مذہبی تاریخ میں اس وجہ سے مشہور تھا کہ چھٹی صدی عیسوی میں یہاں اس مذہب کے مشہور علماء گنتھی اور ستھرمتی رہ چکے تھے۔ ہیون سانگ کے ایک اور نوجوان ہمعصر آئی سنگ کا بیان ہے کہ اس کے وقت میں جنوبی بہار کا مقام نالندا اور ولبھی دو ایسے شہر تھے جن کا مقابلہ چین کے تعلیمی مراکز سے بخوبی کیا جا سکتا تھا۔ یہاں پر دور و دراز مقامات سے جوق جوق طلبہ آتے تھے اور دو یا تین برس تک مذہب بدھ کے فلسفے کے درس میں شامل ہوتے تھے۔ اس بیان کے بعد ہیون سانگ کا وہ بیان بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے کہ مو۔لا۔پو یعنے مغربی مالوا اور مگدھ ہندوستان میں وہ دو علاقے تھے جہاں علم کی سچی قدر کی جاتی تھی۔ کیونکہ ولبھی اور مو۔لا۔پو سیاسی طور پر ایک ہی تھے اور ان دونوں پر تمام شمالی ہند کے راجہ ہرش کا داماد دھروبھٹ حکمراں تھا۔ ولبھی کی بربادی کے بعد مغربی ہند کے صدر مقام کی جگہ انہلواڑہ (نہروالہ۔ یا پاٹن) نے لی۔ اور پندرھویں صدی تک اس کی یہ عزت برقرار رہی۔ اور اس کے بعد احمد آباد کو یہ حیثیت حاصل[1] ہو گئی۔ شاید ناظرین کتاب کو مذکورۂ بالا بیان سے

---

[1] بھاؤنگر کے شمال مغرب میں اٹھارہ یا بیس میل کے فاصلے پر ولا کے مقام پر ولبھی کے آثار عموماً زیر زمین مدفون ہیں۔ اس کی تاریخ برگیس نے آرکی آلوجیکل سروے آف ویسٹرن انڈیا۔ جلد دوم (۱۸۷۶ء) صفحہ ۸۰ — ۸۶ میں اور بھگوان داس اندراجی اور

اس امر کا کافی طور پر اندازہ ہو سکے گا کہ کس خاندان گپت کی وسیع سلطنت متفرق خاندانوں میں منقسم ہو گئی تھی۔

ہن نقل مکان کی دوڑ دھوپ میں۔

مگر یہ ضروری ہے کہ قوم ہن کا ذکر جنھوں نے اس سلطنت کے پرخچے اڑا دیئے اور تھوڑی مدت تک اس کے بڑے حصے پر قابض بھی رہے۔ زیادہ وضاحت سے کیا جائے۔ وہ خانہ بدوش اقوام جو ہن کے نام سے مشہور ہیں جب دوسرے ملکوں میں اپنے افراد کے لیئے تلاش معاش و غذا میں ایشیائی جنگلوں سے مغرب کی طرف روانہ ہوئیں۔ تو وہ دو حصوں میں تقسیم ہو گئیں۔ ایک تو دریائے سیحون کی طرف بڑھا۔ اور دوسرا دریائے والگا کی سمت روانہ ہوا۔

ہن یورپ میں اٹلا۔

موخرالذکر ۳۷۵ء میں یورپ کے برّاعظم میں داخل ہوئے اور قوم گاتھ کو دریائے ڈینوب کے جنوب کی طرف ڈھکیل دیا۔ اس طرح وہ اس جنگ گاتھ کی بالواسطہ بنا ہوئی جس میں آخرکار ۳۷۸ء میں قیصر ویلنز نے جان دی۔ دریائے والگا اور ڈینوب کے درمیان ممالک میں قوم ہن بسرعت تمام پھیل گئی۔ مگر متواتر اور کہنہ خلاف و شقاق اور کسی بڑے زبردست پیشوا کی عدم موجودگی کی وجہ سے وہ لوگ اس فوقیت سے جو ان کو حاصل تھی اس وقت تک کچھ فائدہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- جیکسن نے بمبئی گزیٹیر (۱۸۹۶ء) جلد اول حصہ اول صفحہ ۱۰۶-۸-۷ میں دی ہے۔ اس خاندان کی سب سے آخری اور مکمل فہرست کیلہارن کی "سپلمنٹ ٹو لسٹ آف ناردرن انسکرپشنز" ضمیمہ بی صفحہ ۱۱ (ایپی گرافیا انڈیکا جلد ۸ اپریل ۱۹۰۵ء)۔ ولبھی کی بربادی کی اندازاً تاریخ کے لیئے دیکھو برگیس:- آرکیالوجیکل سروے جلد ششم صفحہ ۳۔ جلد نہم صفحہ ۴۔ لیکن بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کو سندھ کے گوجروں نے تباہ کیا تھا (جے۔ اے۔ ایس۔ بی حصہ اول جلد ۴ (۱۸۸۶ء) صفحہ ۱۸۱)۔ برڈ دیہ (جین ازم صفحہ ۶۵) کا خیال ہے کہ یہ تباہی ۵۲۴ء میں واقع ہوئی۔

نہ اُٹھا سکے جب تک کہ اٹلا ان میں نمودار نہ ہوا۔ اس نے چند سال کے لئے
اس وحشی اور جنگلی قوم کو مجتمع کر کے ایک ایسی طاقت بنا دیا کہ "وہ ریونا
اور قسطنطنیہ کے دونوں درباروں کو یکساں طور پر ڈرا اور دھمکا سکتا تھا"[1]

تقریباً سنہ ۴۵۳ء

سنہ ۴۵۳ء میں اس کی موت نے اس بند کو بالآخر توڑ دیا
جس نے اس وحشی جرگے کے پشتارے کو مجتمع کر دیا تھا۔
چنانچہ اس واقعے کے بیس سال کے عرصے کے اندر ہی اندر یورپ کی ہن
سلطنت کا شمالی ایشیا کی ایک نئی وحشی قوم کے سیلاب نے خاتمہ کر دیا۔

سنہ ۴۵۵-۸۴ء وادی سیحون کے گورے ہن۔

مگر ایشیا میں ہنون کی سلطنت زیادہ عرصے تک قائم
رہی۔ اس جرگے کا وہ حصہ جو دریائے سیحون کی وادی
میں مقیم ہو گیا اور جو غالباً دوسرے حصے سے نسلاً بھی
مختلف تھا۔ افتالوی یا گورے ہنون کے نام سے
مشہور ہو گیا۔ رفتہ رفتہ اس نے ایرانی مدافعت و مقاومت کو اس وقت
بالکل شکست کر دیا جب سنہ ۴۸۴ء میں شاہ فیروز ان کے مقابلے میں لڑتا ہوا
مارا گیا۔ ان ہی گورے ہنون کے جرگوں نے کابل کی کشان سلطنت پر بھی
حملہ کیا اور اسی راستے سے ہندوستان میں داخل ہوئے۔ سنہ ۴۵۵ء میں
سکند گپت نے جس حملے کا سدِّباب کیا تھا وہ غالباً مقابلتاً کسی کمزور
فوج نے شروع زمانے میں کیا ہوگا۔ جو اپنے قدم اندرون ملک میں
نہ جما سکی[2]۔

سنہ ۵۰۰ء ترمان

اس کے دس سال بعد ہی یہ خانہ بدوش لوگ ایک

---

[1] گبن - باب ۳۵۔
[2] ہارنل (جے - آر - اے - ایس سنہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۲۸) کو سکند گپت کی عہد حکومت کے شروع ہنون
کے حملے کی حقیقت سے انکار ہے۔ وہ بھتری کے کتبے کی تاریخ سنہ ۴۶۸ء بتلاتا ہے۔ مگر جو وجوہ اوپر
بیان ہو چکے ہیں ان کی بنا پر میرا خیال ہے کہ یہ کتبہ ضرور شروع حکومت ہی میں لکھا گیا ہوگا۔ اس
میں ہنون اور پشیہ متر قوم دونوں کی شکست کا ذکر ہے۔

بڑی تعداد میں حملہ آور ہوئے گندھاریا پشاور کی سلطنت کو پسپا کیا۔ اس علاقے کو مرکز قرار دے کر جیسا کہ اوپر بیان ہوا وہ دریائے گنگا کے میدان کی طرف بڑھے۔ اور سلطنت گپت کا خاتمہ کر دیا۔ سنہ ۴۸۴ء میں ایرانی مقاومت کی ہزیمت سے ان جرگوں کو مشرق کی طرف نقل و حرکت کرنے میں بہت کچھ سہولت ہوئی ہوگی۔ اور اسی وجہ سے ان کو کثرت سے ہندوستان میں داخل ہونے کا موقع ملا۔ اس ہندی حملے میں جو غالباً چند سال تک متواتر جاری رہا ان کا سردار ایک شخص ترمان نامی تھا۔ جس کے متعلق یہ یقین ہے کہ وہ سنہ ۵۰۰ء سے قبل ہی وسط ہند میں مالوہ کا بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ اس نے "راجۂ مہاراجگان" کا ہندی لقب بھی اختیار کیا۔ اور یہ بھی یقینی ہے کہ بھانگپت اور ولبھی کا راجہ اور اور بہت سے مقامی بادشاہ اس کے باجگذار ہوگئے ہوں گے[1]۔

تقریباً سنہ ۵۱۰ء مہرگل کی تخت نشینی

تقریباً سنہ ۵۱۰ء میں جب ترمان مر گیا تو جس ہندی علاقے پر وہ قابض ہو گیا تھا اس کو وہ اس قدر مستحکم کر چکا تھا کہ وہ اس کے بیٹے مہرگل کے ہاتھ میں چلا جائے۔ ہندوستان میں مہرگل کا دار السلطنت ساکل پنجاب کا موجودہ شہر سیالکوٹ[2] تھا۔

---

[1] تین کتبے جن میں ترمان کا نام ہے معلوم ہو چکے ہیں:۔ (۱) صوبجات متوسط کے ضلع ساگر کے ایران مقام پر جس پر اسکے پہلے سن جلوس کی تاریخ ہے (فلیٹ گپتا انسکرپشنز نمبر ۳۶)۔ (۲) کوہستان نمک میں کرا کے مقام پر جس کی تاریخ ضائع ہو گئی ہے۔ (ایپی گریفیا انڈکا جلد اول صفحہ ۲۳۸)۔ (۳) وسط ہند میں گوالیار کے مقام پر۔ اس پر ترمان کے بیٹے مہرگل کے پندرھویں سال کی تاریخ ہے (فلیٹ نمبر ۳۷)۔ ترمان کے چاندی کے سکوں پر جو شہر استر کے ستریوں اور شاہان گپت کی نقل میں بنائے گئے ہیں سنہ ۵۲ کی تاریخ ہے۔ جو بظاہر کسی خاص ہن سال سے جو غالباً سنہ ۴۴۸ء کو شروع ہوتا تھا متعلق ہے۔ (جے۔ اے۔ ایس۔ بی جلد ۶۳ حصہ اول (سنہ ۱۸۹۴ء) صفحہ ۱۹۵)۔

[2] مہرگل کا نام سنسکرت طرز تحریر میں مہرگل کے نام سے بھی پایا جاتا ہے۔ چینیوٹ

ایشیا میں ہنوں کی سلطنت کی حدود

اس زمانے میں ہندوستان ہنوں کی سلطنت کا محض ایک صوبہ تھا۔ اس جرگے کا صدر مقام ہرات کے قریب باذغیس کے علاقے میں بامیان کے مقام پر تھا۔ اور دوسرا صدر مقام بلخ کا قدیم شہر تھا[1]۔ وہ ہن بادشاہ جس کے پاس بامیان یا ہرات کے مقام پر سنہ ۵۱۹ء میں چینی سفیر سانگ ین آیا تھا۔ وہ ایک زبردست بادشاہ تھا اور چالیس ممالک سے وہ خراج وصول کیا کرتا تھا جو مغرب میں ایران کی سرحد سے لے کر مشرق میں ختن یعنے سرحد چین تک پھیلے ہوئے تھے۔ سنہ ۵۲۰ء میں گندھارا کے جس مقامی ہن بادشاہ کے دربار میں سانگ۔ ین حاضر ہوا تھا وہ ضروری ہے کہ مہر گل ہی ہو۔ اس وقت وہ کشمیر (کی۔ پن) کے بادشاہ کے ساتھ تین برس سے برسر پیکار تھا[2]۔

گلاس۔

تقریباً اسی تاریخ کے متعلق عیسائی راہب کاسمس انڈکو پلیسٹینرنا جس نے سنہ ۵۴۷ء میں ایک عجیب وغریب کتاب تصنیف کی تھی۔ ایک گورے ہن بادشاہ کا ذکر کیا ہے۔ جس کو وہ گلاس کا نام دیتا ہے۔ اس کے متعلق وہ کہتا ہے کہ وہ ہندوستان کا بادشاہ تھا۔ اور وہاں سے نہائت ظلم وستم کے ساتھ خراج وصول کیا کرتا تھا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ اور شاہ کوٹ کے مقام پر جو پنجاب میں علی الترتیب اضلاع جھنگ وگوجرانوالہ میں واقع ہیں۔ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ترمان اور مہر گل کے سکوں پر جے۔ اے۔ ایس۔ بی سنہ ۱۸۹۴ء حصۂ اول میں مفصل بحث ہے۔

[1] جونیز:۔ "ٹرکو آکسی ڈنٹو" صفحہ ۲۲۴ و ۲۲۶۔ گرگان جس کو اکثر افتالو دار السلطنت سمجھا جاتا ہے فی الحقیقت ایران کا ایک سرحدی شہر تھا (جونیز کتاب ایضاً صفحہ ۲۲۳ و ۲۳۵ حاشیہ)۔

[2] بیل ریکارڈس جلد اول صفحہ ۹۱ و ۱۰۰۔ جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے۔ لی۔ لہ کا نام محض قیاسی ہے۔ سانگ۔ ین کے زمانے میں کی۔ پن سے مراد کشمیر تھی۔ ساتویں صدی میں کی پن سے مراد بالعموم (اگرچہ ہمیشہ نہیں) کپس یا شمال مغربی افغانستان لی جاتی تھی (جونیز:۔ سانگ ین صفحہ ۳۷ و ۳۹)۔

اور وصولیابی کے لئے دو ہزار جنگی ہاتھی اور بہت سی فوج بھیجا کرتا تھا۔ یہ بادشاہ یقیناً مہر گل ہی تھا[1]؛

مہر گل کے مظالم تمام ہندی روایات مہر گل کو سفاک ظالم بتلانے میں متفق ہیں۔ وہ دراصل "ہندوستان کا اٹیلا" تھا۔ اور اس کے مزاج میں ہنون کی سفاکی اور بے رحمی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی[2]۔ ہندوستان کے مصنفین نے کیونکہ ان وحشی حملہ آوروں کا جنھوں نے ربع صدی تک ان کے ملک کو بے رحمی سے تاخت و تاراج کیا کوئی مفصل حال نہیں چھوڑا اس لئے لامحالہ ہم کو یورپ کے مصنفین کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے تاکہ اس بربادی اور خوف کا اندازہ ہو سکے جو مدنی اقوام کو ان وحشیوں کے آنے سے سہنی پڑتی تھی؛

ہنون کی کیفیت ان کے متعلق اصلی بیانات کا ملخص گبن نے خوب کیا ہے:—

"ہنون کی کثرت تعداد۔ قوت۔ سرعت نقل و حرکت۔ اور سفاکانہ بے رحمی کو متحیر و پریشان گاتھ محسوس کرتے تھے۔ اس سے ڈرتے اور مبالغہ آمیز باتوں کے ساتھ ان کو بیان کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے کھیت اور گاؤں ان کی نظروں کے سامنے جلا کر خاکستر کر دئے جاتے تھے اور ان کو مقتولوں اور کشتوں سے بھر دیا جاتا تھا۔ ان حقیقی ہیبتوں کے پہلو بہ پہلو وہ اعجاب اور نفرت بھی تھی جو ان لوگوں کے دلوں میں ہنون کی تیز آواز۔ نامہذب حرکات و سکنات اور ان کی عجیب و غریب

[1] مترجمہ میک کرنڈل (ہکلیوٹ سوسائٹی ۱۸۹۷ء) صفحہ ۳۷۰؛
[2] ہیون سانگ۔ راج ترنگنی۔ تارناتھ کے ترشنک راجہ (شیفنر صفحہ ۹۴) غالباً مہر گل ہی مراد ہو گی؛

بدصورتی سے پیدا ہوتی تھیں۔.........
دیگر انسانی اقوام سے وہ لوگ وسیع شانوں۔ چپٹی
ناکوں۔ اور سر کے اندر گھسی ہوئی چھوٹی چھوٹی
آنکھوں کی وجہ سے ممیز تھے۔ لیکن ان کے
ڈاڑھی گویا نہ تھی بلکہ نہ ہوتی تھی۔ اس لیئے جوانی
میں نہ تو ان کی شکل بارعب ہوتی اور نہ بڑھاپے
میں وہ معزز اور قابل احترام معلوم ہوتے تھے[1]۔

قوم گاتھ کی طرح ہندوستانیوں کو بھی ان کے وحشی جنگوں کی وجہ سے ہر قسم کے مصائب برداشت کرنے پڑے۔ مزید براں یہاں کے لوگوں کو جو بدرجۂ غائت نفاست پسند اور ذات پات کے قواعد کے پابند تھے۔ ان وحشیوں کی قابل نفرت عادات وخصائل اس وجہ سے اور بھی زیادہ کریہ معلوم ہوتی تھیں کہ ان کے نزدیک کوئی چیز پاک یا متبرک نہ تھی۔

تقریباً ۵۲۸ء۔ مہر گل کی شکست

آخر کار مہر گل کا ظلم وستم اس قدر ناقابل برداشت ہوگیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندی راجاؤں نے مگدھ کے راجہ بالادت (یعنے نرسمہ گپت) اور وسط ہند کے ایک راجہ یسودھرمن کی سرکردگی میں اس بیرونی غاصب کے مقابلے کے لیئے ایک اتحاد قائم کیا۔ تقریباً ۵۲۸ء میں وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور مہر گل کو شکست دے کر انھوں نے اپنے ملک کو اس کے ظلم وستم سے پاک کر دیا۔ مہر گل جنگ میں گرفتار ہوا۔ اور یقینی ہے کہ اگر بالادت کی علو ہمتی اور دریادلی بروئے کار نہ آجاتی تو وہ قتل کر دیا جاتا۔ مگر بالادت نے اسے چھوڑ دیا اور بہت اعزاز کے ساتھ شمال کی طرف اس کے وطن روانہ کر دیا۔

[1] گبن باب ۲۶۔

مہرگل کشمیر میں۔ اسی اثنا میں مہرگل کے چھوٹے بھائی نے خاندان کے سرغنہ کی مصائب و مشکلات سے فائدہ اٹھا کر ساکل کے تخت و تاج پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور اسے واگذاشت کرنے سے انکار کیا۔ کچھ تھوڑی مدت روپوش رہنے کے بعد مہرگل نے کشمیر میں پناہ لی یہاں کا بادشاہ اس سے بہت خاطر و مدارات سے پیش آیا اور ایک مختصر سے علاقے کا اُسے حاکم بنا دیا۔ چند سال تک تو اس جلا وطن بادشاہ نے اپنی حالت پر قناعت کی۔ لیکن اس کے بعد موقع پا کر اس نے بغاوت کی اور اپنے محسن کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ اس کام میں پوری کامیابی حاصل کرنے کے بعد اس نے گندھار کی ہمسایہ سلطنت پر حملہ کیا۔ یہاں کے بادشاہ پر جو غالباً خود بھی ہن قوم سے تھا اچانک دغابازی سے حملہ کیا گیا اور اسے قتل کر ڈالا گیا۔ اس کے بعد شاہی خاندان کا صفایا کیا۔ اور ہزارہا آدمی دریائے سندھ کے کناروں پر ذبح کئے گئے۔ اس وحشی حملہ آور نے جو بالخصوص تباہی و بربادی کے دیوتا شیو کا پرستار تھا بدھ کے بے ضرر مذہب کے ساتھ خاص خصومت اور دشمنی کا اظہار کیا۔ اور نہایت بے دردی سے ستوپوں اور خانقاہوں کو برباد کر کے ان کے خزانوں کو لوٹ لیا۔

مہرگل کی موت مگر وہ اس غصب کردہ خزانوں سے حظ اُٹھانے کے لیئے زیادہ زندہ نہ رہا۔ اور سال ختم ہونے سے پہلے ہی مر گیا۔ "اس کی موت کے وقت اولے اور بجلی کے طوفان آئے۔ دنیا تیرہ و تاریک ہو گئی۔ زمین میں زلزلہ پیدا ہوا۔ اور سخت طوفان برپا ہو گیا۔ اور مقدس دلیوں نے رحم کھا کر کہا کہ " بے شمار جانوں کے مارنے اور بدھ کی شریعت کو مغلوب کرنے کی وجہ سے وہ دوزخ کے اسفل ترین درجے میں ڈال دیا گیا ہے۔ جہاں وہ بے شمار زمانے تک ان ہی انقلابات میں پڑا رہے گا۔" اس طرح اس غاصب کو اپنی بدکاریوں کا ثمرہ اگر اس دنیا میں نہیں تو آخرت میں تو ضرور مل گیا۔ اس کی تاریخ موت صحیح طور پر معلوم نہیں۔ مگر یہ یقینی ہے کہ یہ واقعہ

۵۴۰ء کے لگ بھگ ہیون سانگ کی سیاحت کے ٹھیک ایک صدی قبل واقع ہوا ہوگا۔ اس کی موت کے متعلق بدشگونی اور نحوست کی حکایات و روایات کی تیز رفتاری سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کی سفّاکی اور بے رحمی نے لوگوں کے دلوں پر کیا اثر کیا تھا۔ اور اس کا اور زیادہ بیّن ثبوت کشمیر کی اس روایت سے ہوتا ہے[2] کہ ہاتھیوں کو غاروں میں لڑھکانے سے اُسے ایک خاص لطف آتا تھا؛

یسو دھرمن۔ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ وسط ہند کے ایک راجہ یسو دھرمن نامی نے اس مفروضہ اتحاد میں سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جو ملک کو مہرگل کے ظلم و ستم سے رہائی دینے کے لئے کیا گیا تھا۔ اس کا پتہ صرف تین کتبوں میں ملتا ہے۔ ہیون سانگ نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔ اور ہنوں پر فتح پانے کا خاص ذریعہ مگدھ کے راجہ بالادت کو قرار دیا ہے[2]۔ مگر یسو دھرمن خود ہی اس تمام عزت و احترام پر

---

[1] ہیون سانگ:۔ بیل ریکارڈس جلد اول صفحہ ۱۶۷-۱۶۵۔ وٹیرس جلد اول صفحہ ۲۲۸۔ یہ سمجھانا آسان نہیں کہ جانرنے کیوں یہ فرض کر لیا (صفحہ ۱۶۷) کہ مہرگل اس سے "چند صدیاں" قبل گذرا تھا۔ اس کے یہی الفاظ سے لئے جاتا ہے کہ اور کوئی معنے نہیں لئے جا سکتے۔ (بیل انڈین انٹی کویری جلد ۱۰ صفحہ ۳۴۵)۔ وٹیرس کا خیال ہے کہ جس مہرگل کا ذکر ہیون سانگ نے کیا ہے وہ بہت پہلے زمانے کا مہرگل تھا۔ ڈاکٹر فلیٹ کا خیال ہے کہ ممکن ہے کہ متن کتاب میں غلطی واقع ہو گئی ہو۔ ہیون سانگ کی سیاحت کا زمانہ ۶۲۹ء سے ۶۴۵ء تک ہے۔ کشمیر کی روایات کے لئے دیکھو اسٹین کا ترجمہ راج ترنگنی باب (۱) صفحہ ۳۲۵-۲۸۹؛

[2] میں اس امر کو مسلم الثبوت ماننے میں اپنے کو بالکل حق بجانب سمجھتا ہوں (مخالف بیان کے لئے دیکھو ہارنل کا مضمون جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۹ء صفحہ ۹۱) ہیون اور کتبات کے بیانوں میں جو بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے اس کو آپس میں ربط دینے کا وہی بہتر ذریعہ ہے جو متن کتاب میں استعمال کیا گیا ہے۔ اغلب یہ ہے کہ بالادت

متصرف ہو بیٹھا۔ اور فتح و نصرت کی یادگار میں دو مینار نصب کرائے جن پر نہایت مبالغہ آمیز الفاظ میں اپنے بیرونی حملہ آوروں پر فتح پانے کا ذکر کیا۔ ان ہی کتبوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس نے ان علاقوں پر اپنی حکومت قائم کی جن کو ہن اور شاہان گپت اپنے زیر تصرف نہ لا سکے تھے۔ ان ہی کے مطابق وہ برہم پتر سے لے کر مغربی سمندر تک اور کوہستان ہمالیہ سے لے کر کوہستان مہندر تک تمام شمالی ہند کا مالک تھا۔ موخرالذکر سے مراد غالباً کوہستان (گھاٹ) ٹراونکور کی انتہائے جنوب کی چوٹی (مہندر گری) ہے۔ لیکن اس تمام فخر و مباہات کے غیر معین اور عرفی الفاظ اور ہیون سانگ کی خاموشی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یسودھرمن نے اپنے کارناموں کے اظہار میں بہت کچھ افراط و تفریط سے کام لیا تھا۔ اور اس کے ملک الشعراء نے اس کی تعریف میں وہ باتیں بھی بیان کر دیں جن کا وہ مستحق نہ تھا۔ اس کے آباؤ اجداد اور جانشینوں کے متعلق قطعی کچھ معلوم نہیں۔ اس کا نام بالکل علیحدہ اور بلا کسی تعلق دنیاوی کے باقی رہ گیا ہے۔ اس وجہ سے یہ خیال قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حکومت کا زمانہ بہت قلیل تھا۔ اور اس کی اہمیت اس سے کہیں کم تھی جس کا دعویٰ اس نے اپنے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ شاہی خاندان گپت کے ایک فرد ہونے کی وجہ سے اپنے آپکو یسودھرمن کا حاکم اعلیٰ سمجھتا تھا اور یسودھرمن اپنی طرف سے اپنے آپکو خود مختار تصور کرتا تھا۔ مذکورۂ ذیل بیان جو ایک نقاد فن کے قلم سے ہے قابل غور معلوم ہوتا ہے:۔

"کالمن جو چولکیا خاندان کا باجگذار تھا ضرور بھیم دیو کی مدد کو گیا ہوگا۔ اور اس کا بھائی کیرتیپال بھی اس کے ہمراہ ہوگا۔ اور جیسا کہ باجگذار رجواڑے اکثر کیا کرتے ہیں۔ اور اس فتح کو بالا تمام اپنے نام سے ہی منسوب کر لیتے جو ان کے حاکم اعلیٰ نے حاصل کی تھی اور جس کے حصول میں انھوں نے اس کی مدد کی تھی۔ اسی طرح کلمن اور کیرتیپال نے یہ ظاہر کیا ہے کہ انھوں نے کاسہرد کے مقام پر ترشکوں کو شکست دی تھی۔ (ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر۔ انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۲ء صفحہ ۷۲)"

فصیح و بلیغ کتبوں میں کیا ہے[1]؎

تقریباً ۵۶۵ء - ایشیا میں ہن سلطنت کا خاتمہ -

دریائے سیحون کی وادی میں ہنون کی سلطنت ہندوستان میں مہر گل کی وفات کے بعد بہت دنوں تک باقی نہیں رہی - چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں ترکی قبائل کے نمودار ہو جانے سے تمام صورت حالات تبدیل ہو گئی - ان ترکی قبائل نے جون - جون نام ایک حریف جرگے کو شکست دیکر ایران کے بادشاہ خسرو نوشیروان کے ساتھ جو اُس شاہ فیروز کا پوتا تھا جس نے ۴۸۴ء میں گورے ہنون کے مقابلے میں لڑتے ہوئے جان دی تھی اتحاد قائم کیا - اور ان دونوں اتحادیوں نے مل کر ۵۶۳ء اور ۵۶۷ء کے بین بین گورے ہنون کا قلع قمع کر دیا - تھوڑی مدت کے لئے ایرانی بلخ کے شہر اور ہنون کے علاقے کے بعض حصص پر قابض رہے - مگر ساسانیوں کے بتدریج کمزور ہو جانے کی وجہ سے ترکوں کو اس بات کا موقع مل گیا کہ جنوب کی طرف کپس تک اپنی حکومت کو وسیع کر لیں - اور ان ممالک پر متصرف ہو جائیں جو ہنون کی سلطنت میں شامل تھے[2]؎

ہون کے لفظ کا اطلاق اور مطلب

بعد کے سنسکرت علم ادب میں ہُون (ہُن) کے لفظ کا اطلاق شمال و مغرب سے آئے ہوئے کسی غیر ملکی شخص پر ایک مبہم اور غیر معین طریقے سے ہوتا ہے - بعینہ اسی طرح جس طرح کہ قدیم زمانے میں یون یا آج کل ہندوستان میں ولائتی کا لفظ مستعمل ہوتا ہے - نام نہاد کی "شاہی" راجپوت قبیلوں میں چھتیس میں سے ایک کا نام دراصل ہُون ہی تھا - اطلاق کے

---

[1] ؎ فلیٹ کی گپت انسکرپشنز نمبر ۳۳ و ۳۴ و ۳۵؎

[2] ؎ چونیز - کتاب مذکورۂ بالا صفحہ ۹-۲۲۶؎

[3] ؎ بیوہلر "ایپی گریفیا انڈکا" جلد ا صفحہ ۲۲۵ - سلوین لیوی "نوٹس چائینز سرن انڈ"

اس ابہام سے ہون کی ان اقوام کے متعلق شبہ پیدا ہوتا ہے جن کے ساتھ چھٹی صدی عیسوی کے آخر اور ساتویں صدی کے شروع میں تھانیسر کے راجہ ہرش اور اس کا باپ متواتر برسرپیکار رہتے تھے۔ مگر یہ قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا کہ مہرگل کی وفات کے پچاس سال کے عرصے کے اندر ہی اندر لفظ ہون کا اصل مفہوم بالکل فراموش ہوگیا ہو۔ اور اسی بنا پر راجہ ہرش کے حریفوں کو اصلی ہون کی دور افتادہ نوآبادیاں ہی تصور کرنا چاہیئے۔ جو سرحدی پہاڑیوں میں آکر آباد ہوگئی تھیں ؀

قوم گرُجر۔ کتابوں اور کتبوں میں ہنوں کا ذکر اکثر ایک اور قوم گرُجر کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ جس کا نام آج کل بھی گوجر کی صورت میں باقی رہ گیا ہے۔ جو شمالی مغربی ہندوستان میں بہت پھیلی ہوئی ہے۔ قدیم گرُجر معلوم ہوتا ہے کہ بیرونی آبادکار تھے۔ اور ان کا بہت قریبی تعلق اور ممکن ہے کہ خون کا رشتہ بھی ہنوں کے ساتھ تھا۔ انھوں نے راجپوتانے میں ایک بڑی سلطنت قائم کرلی۔ جس کا صدر مقام کوہ آبو کے شمال مغرب میں پچاس میل کے فاصلے پر بھلمال یا سریمیل تھا۔ رفتہ رفتہ بھلمال کے گرجر۔ پرتہار راجاؤں نے قنوج کو فتح کرلیا۔ اور جیساکہ چودھویں باب میں ذکر آئے گا۔ تمام ہند کے مہاراجہ ادھیراجہ بن گئے۔ بھڑوچ کی چھوٹی گرُجر سلطنت اسی بھیلمال کے خاندان ہی کی ایک شاخ تھی ؀

راجپوت قبائل کی ابتداء۔ اس مقام پر میں ایک ایسے امر کی طرف ناظرین کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ جو ایک عرصۂ دراز سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ نمبر ۳ "لاویٹا دی کندرو گونم" (ہنوی ۱۹۰۳ء) صفحہ ۲۵ ۱۶۱۰ء میں جنوبی ہند کا ایک برہمن شاعر پرتگیزوں کو ہنون کہتا ہے۔ اور ان کو "نہایت قابل نفریں بے رحم۔ برہمنوں سے لاپروا۔ اور ذات سے ناآشنا ظاہر کرتا ہے" (برنل جس کو مورس اسٹینن نے البو کرک صفحہ ۲۰۶ میں نقل کیا ہے) ؀

مشکوک تھا مگر اب شہادتوں کی موجودگی سے بالکل صحیح معلوم ہوا ہے۔
وہ یہ ہے کہ راجپوتانے اور دریائے گنگا کے میدانوں میں جو غیر ملکی اقوام
نقل مکان کرکے داخل ہوئیں۔ ان کا یہاں کے باشندوں کے ساتھ
لڑتے لڑتے بالکل خاتمہ نہیں ہوگیا تھا۔ یقیناً ایک تعداد کثیر مر کھپ گئی تھی۔
مگر ایک تعداد باقی بھی رہ گئی تھی۔ یہ باقی ماندہ لوگ یہاں کے باشندوں
کے ساتھ مل گئے۔ اور آج کل ان کی اولاد آبادی کا ایک بڑا جزو ہے۔
اپنے پیش رو سک اور یو۔چی کی طرح یہ غیر ملکی اقوام بھی ہندو مت کی
عجیب وغریب طاقت کا شکار ہوئے۔ اور بڑی تیزی سے انھوں نے
ہندوؤں کی تہذیب اختیار کرلی۔ وہ قبائل یا خاندان جنھوں نے
چھوٹے چھوٹے علاقوں کو قبضے میں کرلیا تھا بخوشی ہندوؤں کی ذات
کشتری (چھتری) یا راجپوتوں میں شامل کرلئے گئے۔ اور اس میں کسی
قسم کا شک نہیں کہ شمالی ہند کی پڑہار اور دوسرے راجپوت قبائل
دراصل ان وحشی اقوام ہی کی تبدیل شدہ صورت ہیں جو پانچویں اور چھٹی
صدی عیسوی میں ہندوستان میں داخل ہوئی تھیں۔ ان ہی لوگوں میں
ادنی درجے کے افراد گرجر اور دیگر اقوام بن گئیں۔ جو عزت وسبقت کے
لحاظ سے راجپوتوں سے کم درجے کی شمار ہوتی ہیں۔ جنوب کی طرف بھی
بعینہ اسی طرح ہندوستان کے اصلی باشندوں کے قبائل و اقوام نے بھی
ہندو تہذیب قبول کرلی۔ اور بتدریج یہ گونڈ۔ بھر۔ کھروار وغیرہ اقوام
چندیل۔ راٹھور۔ گھڑوار اور دیگر مشہور ومعروف راجپوت اقوام بن گئیں
جن کے لئے فوراً ایسے شجرۂ نسب گھڑ لئے گئے جو چاند یا سورج تک پہنچتے ہوں۔
اس تمام ارتقا کے طریقے پر معہ امثلہ میں زمانۂ وسطیٰ کے دور میں شمالی ہند
کی تاریخ لکھتے ہوئے زیادہ تفصیل سے بحث کروں گا۔

بیرونی حملے سے ہندوستان کی خلاصی۔

دریائے سیحون کی وادی میں افتالوی سلطنت کے
استیصال سے ہندوستان میں وحشیوں کے آنے کا
یا تو بالکل سد باب ہوگیا یا کم از کم اس میں بہت کی

ضرور واقع ہو گئی - اور جہاں تک پتا چلتا ہے - مہر گل کی شکست کے بعد[1] تقریباً پانچ صدی تک ہندوستان بیرونی حملوں سے بالکل آزاد رہا - ذیل کے ابواب میں یہ بتلایا جائے گا کہ بیرونی حملوں سے اسطرح بے خوف ہو جانے کے طول طویل زمانے کو ہندوستانیوں نے کس طرح استعمال کیا یا کس طرح وہ اس موقع سے فائدہ اُٹھانے سے قاصر رہے؛

چھٹی صدی کے نصف آخر کی تاریخ تقریباً بالکل مفقود ہے -

چھٹی صدی کے نصف آخر میں ہندوستان کا تاریخی حال بہت ہی کم معلوم ہوتا ہے - یہ یقینی ہے کہ اس زمانے میں کوئی حکومت اعلیٰ موجود نہ تھی - اور دریائے گنگا کے میدان کی تمام سلطنتیں ہُنْ اور اقوام متعلقہ کی تاخت و تاراج سے سخت درجہ تباہ و برباد ہو گئی تھیں - مگر بعض مقامی خاندانوں کے راجاؤں کے ناموں کی فہرست کے سوا اور کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا جو کچھ دلچسپی رکھتا ہو؛

مو - لا - پو -

اس پُر آشوب زمانے میں ہندوستان جن مختلف ریاستوں میں منقسم تھا ان میں سے ایک خاص طور پر قابل ذکر ہے - کیونکہ جو مختصر سا اشارہ ہیون سانگ نے اس کے متعلق کیا ہے اس سے بہت بحث اور تھوڑی غلط فہمی واقع ہوتی ہے - سنہ ۶۴۱ء یا ۶۴۲ء کے اوائل میں جاتری بھروچ سے روانہ ہوا اور شمال مغربی سمت میں بڑی دور تک چلا گیا - (مگر اس مسافت کا عرصہ غالباً چینی متن کتاب میں مبالغہ سے بیان ہوا ہے -) اور ایک ملک میں داخل ہوا جو مو - لا - پو کہلاتا تھا - یہ نام علم الاصوات کے

---

[1] مہر گل کی شکست تقریباً ۵۲۸ء - پنجاب پر محمود کا مستقل قبضہ ۱۰۲۳ء - آٹھویں صدی میں عربوں کے سندھ کی فتح کا اثر اندرون ملک پر بالکل نہیں پڑا - اور اگر ساتویں - آٹھویں - نویں اور دسویں صدیوں میں وحشی اقوام نے کبھی یورش کی ہو تو اس کا حال بالکل نہیں ملتا؛

اصول کے مطابق مالوا معلوم ہوتا ہے۔ اس کا گمنام صدر مقام جنوب مشرق میں ایک زبردست دریا یا ایک اور قرأت کے مطابق مہی کے کنارے پر واقع تھا۔ مگر اب تک اس کا موقعہ معلوم نہیں ہوسکا۔ اگر اس "زبردست دریا" سے مراد دریائے سابرمتی لی جائے تو یہ شہر احمد آباد کے موقعے یا اس کے قریب واقع ہوگا۔ اگرچہ جاتری کے سفرنامے کے تمام بیانوں کی تطبیق بالکل ناممکن ہے اور اس کے علاوہ بعض تفاصیل اب بھی متنازع فیہ ہیں۔ لیکن بہرحال یہ بالکل صریح ہے مو۔لا۔پو کے ملک یا سلطنت میں دریائے مہی کا علاقہ۔ سابرمتی کی مشرقی سرزمین اور جنوبی راجپوتانہ کا غالباً رتلام تک کا علاقہ شامل تھا۔ مو۔لا۔پو کی سلطنت شمال گُرجر کی سلطنت بھینمال۔ شمال مغرب میں آنند پور (ورنگر) کی باجگذار ریاست۔ جو سابرمتی کے مغرب میں واقع تھی۔ اور مشرق میں اس ریاست (اونتی۔ یا مشرقی مالوا) سے محدود تھی جس کا صدر مقام اجین تھا۔ انندپور کے علاوہ دو اور ملک کی۔تا (یا کی۔چا) اور سو۔لا۔چا (یا۔سو۔لا۔تھا) بھی مو۔لا۔پو کے ماتحت تھے۔ موخرالذکر ملک یقیناً سورتھ (سراشتر) یا جنوبی کاٹھیاواڑ تھا۔ مگر مقدم الذکر کی اصلیت اب تک متنازع فیہ ہے۔ اور مستند علما کا خیال ہے کہ اس سے مراد کیر (کھید۔کھیتک) ہے۔ مگر دوسرے کہتے ہیں۔ کہ اس سے مطلب کچھ کا علاقہ ہے؂

دھرو بھٹ۔ مشرقی کاٹھیاواڑ میں ولبھی (ولا) کا علاقہ جو مو۔لا۔پو اور سراشتر کے درمیان واقع تھا۔ خود اپنے بادشاہ کے زیر حکومت خود مختار تھا۔ اس بادشاہ کا نام دھرو بھٹ (جس کو کتبوں میں دھروسین بالادت لکھا ہے) تھا۔ اور وہ شمالی ہند کے مہاراجہ دھیراجہ ہرش (سیلادت) کا داماد تھا۔ ہیون سانگ کے وہاں آنے سے چند سال قبل ہرش نے دھرو بھٹ کو شکست دی تھی۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ازدواجی تعلق صلح کے وقت دونوں میں قرار پایا تھا۔ ۶۴۳ء میں جب ہرش قنوج اور پریاگ (الٰہ آباد) میں وہ عظیم الشان مجالس منعقد کر رہا تھا

جن میں ہیون سانگ بھی شریک تھا تو ولبھی کا یہ راجہ اور باجگذار راجاؤں کے زمرے میں اپنے خسر کے دربار میں حاضر تھا۔ جاتری مو۔ لا۔ پو اور اس کی تین باجگذار ریاستوں یعنے آنند پور۔ سراشٹر اور (؟) کچھ کے نظم ونسق سلطنت کے متعلق بالکل خاموش ہے۔ اور اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان ریاستوں پر براہ راست ہرش کی طرف سے حکومت ہوتی تھی۔ اور اس کا باپ چھٹی صدی کے آخر میں مالوا (غالباً مو۔ لا۔ پو) کے بادشاہ سے جنگ بھی کر چکا تھا۔ یہ امر کہ مو۔ لا۔ پو۔ اور اس کی باجگذار ریاست سراشٹر کے درمیانی علاقہ ولبھی کے حکمرانوں کو بادشاہ کیوں کہا گیا ہے اس طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ ہرش (سِیلاَدِتُ) نے اپنے داماد کو قصداً نہ صرف ولبھی بلکہ مو۔ لا۔ پو۔ اور ریاست ہائے متعلقہ پر نیم خود مختار رہنے دیا ہوگا ؛

مو۔ لا۔ پو کا راجہ سِیلاَدِتُ

مقامی حالات وبیانات کے مطالعہ سے ہیون سانگ کی توجہ دھروبھٹ کے چچا سِیلاَدِت کی طرف مبذول ہوئی۔ وہ اس سے ساٹھ سال قبل مو۔ لا۔ پو کا راجہ تھا۔ یہ بادشاہ غیر معمولی عقل ودانش اور علم وفضل کے لحاظ سے مشہور اور بدھ مذہب کا نہایت جوشیلا پیرو تھا۔ جانداروں کی جانوں کی حفاظت میں وہ اس قدر مبالغہ کرتا تھا کہ احتیاط کے طور پر ہاتھیوں اور گھوڑوں کے پینے کے پانی کو بھی چھنوا لیتا تھا۔ کہ مبادا پانی میں رہنے والے کیڑوں کو گزند نہ پہنچے۔ اپنے محل کے ساتھ ہی اس نے ایک بدھ مذہب کا مندر بھی تعمیر کرایا تھا جو صناعی اور زیب وزینت کی وجہ سے قابل دید تھا اور وہاں ساتوں بدھوں کی مورتیں موجود تھیں۔ اس کا دستور تھا کہ ہر سال وہ ایک زبردست مجلس منعقد کیا کرتا۔ اور اس میں بھکشوؤں کو نہایت فیاضی سے انعام واکرام تقسیم کرتا۔ ہیون سانگ کے وہاں آنے تک یہ مذہبی رسم چند نسلوں سے برابر جاری تھی ؛

مو۔لا۔پو کا راجہ سیلادت۔ دھرمادت۔

ایم۔سلوین لیوی کا خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیندار راجہ درصل ولبھی کے خاندان کا بدھ مذہب کا بادشاہ سیلادت اول جس کا لقب دھرمادت (یعنے شمس الدین) تھا۔جس نے ۵۹۵ء-۶۱۰ یا ۶۱۵ء تک حکومت کی ہے۔

کیونکہ اگرچہ یہ سنین ہیون سانگ۔کے بیان سے ربط نہیں کھاتے لیکن یہ یقینی ہے کہ ولبھی کا راجہ دھروبھٹ سیلادت۔دھرمادت کا بھتیجا تھا۔ اور اس کے علاوہ ہیون سانگ کا بھی بیان یہ ہے کہ وہ مو۔لا۔پو کے ایک سابق بادشاہ دیندار سیلادت کا بھتیجا تھا۔ ان تمام وجوہ کو پیش رکھتے ہوئے صرف یہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ سیلادت دھرمادت اپنی ولبھی کی موروثی سلطنت کے علاوہ مو۔لا۔پو کی سلطنت پر بھی فاتحانہ حیثیت سے حکمراں تھا[1]۔ ان دونوں علاقوں کو آخر میں ہرش نے فتح کرلیا۔اور یہ راجہ بھی اس کے ماتحت ہوگئے[1]۔

مو۔لا۔پو اجین سے مختلف ہے

مذکورۂ بالا حکایت کی غلط فہمی کی وجہ سے مسٹر بیل اور چند دوسرے مصنفین نے غلطی سے یہ خیال کرلیا تھا۔کہ مو۔لا۔پو یعنے مغربی مالوا درحقیقت سلطنت اجین یعنے اونتی یا مشرقی مالوا ہی ہے۔اسی بناپر مسٹر بیل نے مو۔لا۔پو کے راجہ سیلادت کو "سیلادت راجۂ اجین" لکھ دیا تھا۔اور یہ بالکل فراموش کردیا کہ ہیون سانگ نے اجین کے علاقے کا ذکر بالکل علحدہ کیا ہے۔ یہ علاقہ اس کے زمانے میں مو۔لا۔پو کے علاقے کے برابر تھا اور ایک برہمن راجہ اس پر حکمراں تھا۔ولبھی اور مو۔لا۔پو کا سابق راجہ سیلادت چھتری سمجھا جاتا تھا۔اور کوئی وجہ یہ فرض کرنے کی معلوم نہیں ہوتی کہ

[1] ڈاکٹر ہارنل نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قدیم تر سیلادت دراصل ہنوں کا فاتح یسودھرمن تھا۔مگر میرے نزدیک اس کو اس کے ثابت کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی۔(ج۔آر۔اے۔ایس ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۲۲)

اس کا کوئی تعلق اجین سے تھا[۱]

قنوج کے راجہ ہرش (سیلادت) کو اس کا دوست ہیون سانگ ویش ذات کا بتلاتا ہے۔ اگرچہ اس کا درجہ چھتری ہی کا تھا۔ غلطی سے مو۔لا۔پو اور اجین کی سلطنت کو آپس میں خلط ملط کر دینے سے ہرش کے زمانے کی تاریخ کے باب میں بہت کچھ ابتری اور خرابی واقع ہوئی ہے۔ اور اس کتاب کی طبع اول میں جو خیالات ظاہر کیئے گئے تھے ان کی وجہ اس غلطی کا ازالہ ہی تھا۔ مگر وہ خیالات بذات خود چند وجوہ سے غلط تھے اور اب ان کو تازہ انکشافات کی بنا پر درست کر دیا گیا ہے[۲]

[۱] حاشیے کے حدود میں محدود رہ کر مو۔لا۔پو کے نظریئے پر مکمل بحث کرنا ناممکن ہے۔ اس کے متعلق حوالے حسب ذیل ہیں:— ہیون سانگ (بیل جلد ۲ صفحہ ۲۷۰ – ۲۶۰۔ ویٹرس جلد ۲ صفحہ ۲۴۸ – ۲۴۲) کننگھم "اینشنٹ جیاگریفی" صفحہ ۴۹۴ – ۴۸۹۔ اسٹین ترجمہ راج ترنگنی جلد اول صفحہ ۶۶ میکس میولر:— انڈیا وہٹ اٹ کین ٹیچ اس ؟ صفحہ ۲۸۸۔ بارنل:— (جے۔آر۔اے۔ایس سنہ ۱۹۰۳ صفحہ ۵۵۳)۔ وی۔اے۔سمتھ (زیڈ۔ڈی۔ایم۔جی سنہ ۱۹۰۴ صفحہ ۷۹۶ – ۷۸۷) برن (جے۔آر۔اے۔ایس سنہ ۱۹۰۵ صفحہ ۸۳۷)۔ گریرسن (جے۔آر۔اے۔ایس سنہ ۱۹۰۶ صفحہ ۹۶) برگیس (ایضاً صفحہ ۲۲۰۔ انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۰۵ صفحہ ۱۹۵)۔ سلوین لیوی (جرنل ڈیس سیونٹس۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۵ صفحہ ۸ – ۵۴۴)۔ متن کتاب جو اس کتاب کی طبع اول سے بالکل مختلف ہے ان تمام مندرجہ بالا حوالوں پر مبنی ہے۔ بعض خاص باتیں قابل غور ہیں۔ مو۔لا۔پو میں بھنمال (بھلمال ۔ بھنمال ۔ بھلمال ۔ اور سریمال) جو در اصل پی۔لو۔مو۔لو ہے شامل نہ تھا۔ یہ راجپوتانہ کی کیو۔جے۔لو۔ (گرجر) سلطنت کا صدر مقام تھا۔ اور اس میں اجین بھی جو ایک بالکل علیحدہ سلطنت (اونتی) کا مستقر اور شمالی عرض بلد ۲۳° – ۱۱ اور مشرقی طول بلد ۵° ۷ – ۷۴ میں واقع ہے شامل نہ تھا۔ ہیون سانگ کی کتاب کے چینی متن میں دریا کا نام یا اسم عرفی ہو۔ ہا = مہا لکھا ہے۔ صرف ایک متن جس کی پیروی لیوی نے کی ہے مو۔ہی = مہی لکھتا ہے (واٹرس)۔ مگر گرد و پیش کے

خاندان گپت کی جدول سنین

سنہ عیسوی	واقعہ	کیفیت
تقریباً ۳۰۸ سنہ	چندر گپت کی لکھوی شہزادی سے شادی ؎	سمت گپت کا قائم ہونا - اس کا پہلا سال ۲۶ - فروری ۳۲۰ سنہ سے شروع ہوتا ہے -
۳۲۰ سنہ	چندر گپت اول خود مختارانہ تخت نشین ہوا ؎	
تقریباً ۳۳۰ سنہ	سمدر گپت تخت نشین ہوا ؎	
" ۳۳۰-۶ سنہ	شمالی ہند کی فوجی مہمات ؎	
" ۳۴۷-۵۰ سنہ	جنوبی ہند کی فوجی مہم ؎	
" ۳۵۱ سنہ	اشومیدھ ؎	

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ دریا دراصل سابرمتی تھا نہ کہ مہی - آنند پور کا ورنگر ہونا اب بالکل ثابت ہے - کی - تا یا کی - چا بخوبی کھیت (کھیتک - کھید) جو موجودہ ضلع کھیڑا ہے کی آواز پیدا کرتا ہے - لیکن سینٹ مارٹن - جولین اور وٹیرس اس کو کچھ لکھتے ہیں - اور میرے نزدیک بھی یہی صحیح معلوم ہوتا ہے - سو - لا - چا (یا) سو - لا - تھا کا سورتھ یا سراشتر یعنے مغربی کاٹھیاواڑ ہونا بھی بالکل صریح ہے - اس وجہ سے کہ اس میں یوہ - شن - تو یا یھو - شن - تو کے پہاڑ کا ذکر ہے جو دراصل اُجنتا (اُجینتا یا اُجنتا) ہے = گرنار - دھرو بھٹ ہرش کا داماد تھا نہ کہ بیٹا (وٹیرس جلد ۲ صفحہ ۲۴۷) پی - لو - مو - لو = بھلمل (وٹیرس جلد ۲ صفحہ ۲۵۰) ہیون سانگ کے آنے کی تاریخ کے لیے دیکھو وٹیرس جلد ۲ صفحہ ۳۳۵ ؎

سن عیسوی	واقعہ	کیفیت
تقریباً سنہ ۳۶۰	لنکا کے راجہ میگھورن کی طرف سے سفارت ؁	
" سنہ ۳۷۵	چندر گپت ثانی کی تخت نشینی ؁	
" سنہ ۳۹۵	مغربی ہند کی فتح ؁	
سنہ ۴۰۱	اُدیاگری کا کتبہ ؁	سنہ ۸۲ س۔گ
سنہ ۴۰۵-۱۱	سلطنت گپت میں فاہیان کی سیاحت ؁	سنہ ۸۶-۹۲ " "
سنہ ۴۰۷	گڑھوا کا کتبہ ؁	سنہ ۸۸ " "
سنہ ۴۰۹	مغربی وضع کے چاندی کے سکّے ؁	سنہ ۹۰ " "
سنہ ۴۱۲	سانچی کا کتبہ ؁	سنہ ۹۳ " "
سنہ ۴۱۳	کمار گپت کی تخت نشینی ؁	سنہ ۹۴ " "
سنہ ۴۱۵	بلسر کا کتبہ ؁	سنہ ۹۶ " "
سنہ ۴۱۷	گڑھوا کا کتبہ ؁	سنہ ۹۸ " "
سنہ ۴۳۲	متھرا اور شمالی بنگال میں نٹور کے کتبے ؁	سنہ ۱۱۳ " "
سنہ ۴۳۶	مندسور ؁	سنہ ۱۱۷ " "
"	بھردی کا کتبہ ؁	
سنہ ۴۴۰	نقرئی سکّے ؁	سنہ ۱۲۱ گ۔س
سنہ ۴۴۳	" "	سنہ ۱۲۴ " "
سنہ ۴۴۷	" "	سنہ ۱۲۸ " "
سنہ ۴۴۸	نقرئی سکّے اور منکوار کا کتبہ ؁	سنہ ۱۲۹ " "
سنہ ۴۴۹	نقرئی سکّے ؁	سنہ ۱۳۰ " "
تقریباً سنہ ۴۵۰	جنگ پشی متر ؁	سنہ ۱۳۱ " "
سنہ ۴۵۴	نقرئی سکّے ؁	سنہ ۱۳۵ " "
سنہ ۴۵۵	نقرئی سکّے ؁	سنہ ۱۳۶ " "
سنہ ۴۵۵	سکند گپت کی تخت نشینی۔ پہلی جنگ ہُن ؁	سنہ ۱۳۶ " "

سن عیسوی	واقعہ	کیفیت
سنہ ۴۵۶	گرنار کی جھیل کا بند دوبارہ تعمیر ہوا ؛	سنہ ۱۳۷ س۔گ
سنہ ۴۵۷	مندر اس مقام پر تعمیر کیا گیا ؛	سنہ ۱۳۸ " "
سنہ ۴۶۰	کھاؤن کا کتبہ (گورکھپور) ؛	سنہ ۱۴۱ " "
سنہ ۴۶۳	نقرئی سکے ؛	سنہ ۱۴۴ " "
سنہ ۴۶۴	نقرئی سکے ؛	سنہ ۱۴۵ " "
سنہ ۴۶۵	اندور کا کتبہ (ضلع بلند شہر) ؛	سنہ ۱۴۶ " "
سنہ ۴۶۷	نقرئی سکے ؛	سنہ ۱۴۸ " "
تقریباً سنہ ۴۷۰-۸۰	دوسری جنگ ہُن ؛	سنہ ۱۵۱-۱۶۱ "
سنہ ۴۷۳	مندسور کا کتبہ ؛	سنہ ۵۳۰ سن مالوی جاری تھا۔
سنہ ۴۷۷	پالی زبان کا کتبہ (اپیی گریفیا انڈکا جلد دوم صفحہ ۳۶۳) ؛	سنہ ۱۵۸ س۔گ
تقریباً سنہ ۴۸۰	پرگپت کی تخت نشینی (۹ پرکاسادت) ؛	
" سنہ ۴۸۵	نرسمہگپت بالادت کی تخت نشینی ؛	
" سنہ ۴۹۰-۵۱۰	ترمان ؛	
" سنہ ۴۹۰-۷۷۰	خاندان ولبھی ؛	
" سنہ ۵۱۰-۵۴۰	مہرگل ؛	اسکی شکست تقریباً سنہ ۵۲۸ء
سنہ ۵۲۰	سنگ۔ین گندھار کے گورے ہن بادشاہ کے دربار میں آیا ؛	
تقریباً سنہ ۵۲۸	بالادت اور یسودھرمن نے مہرگل کو شکست دی ؛	
" سنہ ۵۳۰	کمارگپت دوم تخت نشین ہوا ؛	
" سنہ ۵۳۵-۷۲۰	مگدھ کا "آخری خاندان گپت" ؛	
" سنہ ۵۹۵-۶۱۵	مو-لا-پو اور ولبھی کا راجہ سیلادت ؛	

ضمیمہ ص

بسوبندھو اور خاندان گپت

فہرست اسناد

بسوبندھو مشہور بدھ عالم کی تاریخ اور ان شاہان گپت کا نام جن سے اس کے قریبی تعلقات قائم تھے ایسے مسائل ہیں جن کی بحث میں ضخیم رسالہ جمع ہو گیا ہے اور جن کے متعلق بہت کچھ اختلاف ہے۔

موجودہ کتب متعلقہ مسئلہ زیر بحث کی فہرست حسب ذیل ہے:۔ انڈین انٹی کویری۔ ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۷۰ (پھٹک)۔ صفحہ ۲۶۴ (ہارنل) صفحہ ۳۱۲۔ (نرسمھچار)۔ ایضاً ۱۹۱۲ء صفحہ ۱ (ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر)۔ صفحہ ۱۵ (ایچ۔ پی۔ شاستری)۔ صفحہ ۲۴۴ (پھٹک)۔ جرنل اینڈ پروسیڈنگس اے۔ ایس۔ بی ۱۹۰۵ء صفحہ ۲۲۷ (ودیا بھوشن)۔ اور ان میں سب سے زیادہ اہم نیول پیری کا "اے پراپاس ڈی ال دیٹ ڈی وسوبندھو" (بل۔ ڈی ال اکول فر۔ ڈ اکسٹریم اورئینٹ" جلد ۱۱ (۱۹۱۱ء) صفحہ ۳۳۹ - ۳۹۰)۔ ان تمام اشاعات اور خاص کر موخرالذکر میں بہت پرانی اسناد کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ اور ان میں سب سے زیادہ بامعنی ہیون سانگ (یون۔ چانگ) مترجمہ وٹیرس جلد اول صفحہ ۲۱۲ - ۲۱۰۔ اور تکاکسو کی تنقید پرمارتھ کی سوانح بسوبندھو پر۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۵ء صفحہ ۳۳ - ۵۳۔

ایم۔ نیول پیری کے دلائل۔

میرے نزدیک ایم۔ پیری کے دلائل اس امر کے ثبوت میں کہ بسوبندھو چوتھی صدی عیسوی میں گذرا ہے اور اسی صدی کے نصف آخر کے شروع میں مرا ہے۔

ایسے گھڑے ہیں کہ ان کا توڑنا یا ان کو نہ مان لینا مشکل ہے[1]۔ چنانچہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس کی زندگی (تقریباً سنہ ۲۸۰ء سے سنہ ۳۶۰ء) کا بڑا حصہ چندر گپت اول اور سمدر گپت کے عرصۂ حکومت میں گذرا تھا۔ کیونکہ یہ دونوں بادشاہ سنہ ۳۲۰ء سے سنہ ۳۷۵ء یا اس سے ذرا بعد ہوئے ہیں۔ ایم پیری کی طول طویل تقریر۔ (جو بے شمار چینی کتابوں پر مبنی ہے) کی تلخیص حسب ذیل صورت میں پیش کی جاسکتی ہے:۔

تقریباً تمام کی تمام چینی شہادتیں اس امر میں متفق ہیں کہ بسو بندھو اور اس کا بڑا بھائی اسنگ بدھ کی موت کے "(۹۰۰) برس بعد گذرے ہیں[2]۔ "نو سو برس بعد میں" وغیرہ تمام فقروں کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ "اس کے بعد نویں صدی میں" نہ کہ "دسویں صدی میں" جیسا تککسو نے فرض کر لیا ہے۔ چینی ادبی روایات بھی ہری ورمن اور بسو بندھو کو (۹۰۰) سنین کے

---

[1] پروفیسر میکڈانل نے یہ خیال مدت ہوئی ظاہر کیا تھا اور اس کی وجہ یہ تبلائی تھی کہ بسو بندھو کی کتب کا ترجمہ چینی زبان میں سنہ ۴۰۴ء میں ہوا تھا (ہسٹری آف سنسکرت لٹریچر سنہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۳۲۵)۔ مسٹر ایس۔ سی ودیا بھوشن بھی اپنی تحقیقات کی بنیاد تبت کی کتابوں پر رکھتے ہوئے یہی ثابت کرتے ہیں کہ بسو بندھو چوتھی صدی علیسوی میں ہی گذرا ہے۔ اور وہ اس کو تبت کے بادشاہ لہا۔ عو تھو۔ ری کا ہم عصر تبلاتے ہیں جس کے متعلق فرض کیا جاتا ہے کہ وہ سنہ ۳۷۱ء میں مرا ہے۔ (جرنل اینڈ پروسیڈنگس آر۔ ایس۔ بی سنہ ۱۹۰۵ء صفحہ ۲۲۷)۔

[2] ان میں سب سے بڑا استثنٰی ہیون سانگ ہے جو بسو بندھو کو "(۱۰۰۰) میں تبلاتا ہے"۔ واٹرس نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ہمارا جاتری یہاں دو بھائیوں (بسو بندھو اور اسنگ) کا ذکر کرتا ہے جو گندھار کے رہنے والے تھے اور بدھ کی موت کے ہزار برس بعد گذرے ہیں (یعنے چینی حساب سے سن علیسوی کی تیسری صدی میں)"۔ (واٹرس۔ جلد اول صفحہ ۳۵۷)۔ یہ حساب تقریباً درست ہے۔ کیونکہ بسو بندھو تقریباً سنہ ۲۸۰ء میں پیدا ہوا تھا۔ اور اس کا بھائی اس سے ذرا قبل۔

بُعد کا بتلاتی ہیں۔ اسی وجہ سے یہ دونوں مصنف ہمعصر خیال کئے جاتے ہوں گے؛
ہری ورمن کی کتاب کا ترجمہ کمار جیو (۴۱۲-۳۸۳ء چینی ہیں) نے کیا تھا اور اس وجہ سے وہ ۴۰۰ء سے پہلے ہی کا ہو گا۔ اس بنا پر بسو بندھو ۴ کی صدی میں گذرا ہو گا۔ اس کمار جیو نے ۴۰۴ء و ۴۰۵ء میں دو کتابوں (ست شاستر اور بودھی چتّو یادن شاستر) کا ترجمہ کیا تھا۔ جو بسو بندھو کے نام سے منسوب کی جاتی ہیں۔ اگرچہ بعض مصنفین اس کے نام کا اختصار کر کے صرف بسو ہی لکھتے ہیں۔ مگر اس میں کسی قسم کا کلام نہیں کہ ان کا مطلب بسو بندھو ہی سے ہوتا ہے۔ اور تکاکسو کی طرح اس بات میں بھی شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ یہ دونوں کتابیں اسی کی لکھی ہوئی ہیں۔ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ اس سے قبل ایک بسو بندھو اور بھی گذرا تھا۔ مگر یہ فرض کرنے کی کوئی موقر وجہ موجود نہیں۔ کمار جیو نے جس نے بسو بندھو کی ایک سوانح عمری بھی لکھی جو اب معدوم ہو گئی ہے۔ ۳۸۰ء کے قبل ست شاستر پڑھی تھی[1]؛

بسو بندھو کے بڑے بھائی اسنگ کی کتاب یوگا چار یا بھومی شاستر کے ایک حصے کا ترجمہ ۴۱۴ء اور ۴۲۱ء کے درمیان کیا تھا[2]۔ یہ ایک بڑی کتاب ہے اور مصنف نے پختہ عمر کے بعد ہی اسے لکھا ہو گا؛

یہ ہر ایک شخص مانتا ہے کہ بودھی روچی نے بسو بندھو کی ایک کتاب کا ترجمہ کیا تھا۔ (وجر چھید کا پراجن۔ پارمتا سوتر۔ مترجمہ ۵۰۹ء یا

---

[1] تکاکسو کو اس امر سے قطعی انکار ہے کہ کمار جیو نے بسو بندھو کی کوئی سوانح عمری کبھی لکھی تھی۔ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ ۱۹۰۵ء صفحہ ۳۹)؛

[2] اگر یہ واقعہ بیان شدہ صحیح طور پر بیان کیا گیا ہے تو ثبوت کے لئے یہی ایک کافی ہے۔ تکاکسو نے اسنگ کے تین کتابوں کے نام گنوائے ہیں۔ (۱) سپت دس بھومی سوتر۔ (۲) مہایان سوتر اُلپدیس۔ (۳) مہایان سمپر گرہ شاستر (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۵ء صفحہ ۳۵)؛

۵۰۹ء) - اس مترجم کو "سنہ ۱۱۰۰ء" کا تصور کیا جاتا ہے - یعنے وہ بسو بندھو سے تقریباً دو صدی بعد کا تھا ؛

بسو بندھو کے جانشینوں کے متعلق ایم - پیری کا خیال ہے کہ گو ہتی چھٹی صدی کے شروع میں ستر متی اسی صدی کے آخر میں گذرا ہے - دِنّاگ ہی ایک ایسا مشہور بدھ مذہب کا مصنف ہے جس کو پانچویں کا کہا جا سکتا ہے[1] - چینی مصنفین "سنہ ۹۰۰ء" اور "سنہ ۱۱۰۰ء" میں بہت سے مشہور مصنفین کا ذکر کرتے ہیں - مگر ان کے دونوں کے درمیان میں کسی کا نام نہیں لیتے - اس غلط علمی کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ شاہان گپت کے زمانے میں ہندو مت کا دوبارہ احیاء شروع ہو گیا تھا ؛

مذکورۂ بالا بیان کو پیش نظر رکھتے ہوئے لامحالہ یہ نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ بسو بندھو جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اسّی برس کا ہو کر مرا تھا - چوتھی صدی عیسوی ہی میں گذرا تھا - اور اس صدی کے نصف آخر کے شروع میں مرا تھا - جیسا کہ میں اوپر کہہ چکا ہوں میں ان دلائل کو ماننے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں دیکھتا ؛

چندر گپت اول کی تاریخ -

اب ہم کو اس شہادت کو جانچنا چاہیئے جس سے بسو بندھو اور شاہان گپت کا تعلق ظاہر کیا جاتا ہے - ان شاہان گپت میں سب سے پہلا جس نے شاہی کا رتبہ حاصل کیا چندر گپت اول تھا جس نے سنہ ۳۲۰ء سے سنہ ۳۳۰ء تک یا ممکن ہے کہ اس سے ذرا بعد حکومت کی ہے ؛

تارناتھ کا بیان

بسو بندھو اور شاہان گپت کے تعلق کے متعلق زیادہ مکمل بیانات دینے سے پہلے میں یہ ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ تارناتھ کے بیان کے مطابق وہ زیادہ مگدھ میں رہا - اپنے بھائی

---

[1] تبتی روایات کے بموجب دِنّاگ بسو بندھو کا شاگرد تھا (جرنل اینڈ پروسیڈنگس - اے - ایس - بی سنہ ۱۹۰۵ء صفحہ ۲۲۷) ؛

اسنگ کے مرنے کے تقریباً پچیس برس بعد تک زندہ رہا۔ اور تبت کے بادشاہ لہا۔ تھتھوری گنجنگنسٹن کا ہمعصر خیال کیا جاتا تھا۔ یہ بادشاہ وسیلیف کے خیال کے مطابق مشہور و معروف بادشاہ سرنگ۔ بستن۔ سگمبو سے پانچ نسلیں پہلے گذرا تھا۔ (شیفنر صفحہ ۱۲۳ و ۱۲۶ و ۱۸۹ و ۳۱۹)۔ سرشرت چندرداس کا بیان ہے کہ لہا۔ تھتھوری "۵۶۱ء میں پوری ایک صدی[1] کامیابی سے حکومت کرنے کے بعد ایکسو بیس برس کی عمر میں مرا تھا" (جے۔ اے۔ ایس۔ بی حصۂ اول ۱۸۸۱ء صفحہ ۲۱۷)۔ یہ شہادت ایم۔ پیری کے ثبوت کے خلاف پڑتی ہے۔ مگر مجھے کچھ زیادہ وقیع نہیں معلوم ہوتی۔ سرنگ۔ بستن۔ گمپو (اس کا نام اکثر ایسا ہی لکھا جاتا ہے) "سب سے پہلا تبت کا بادشاہ جس کے حالات معلوم ہیں" ۶۳۰ء میں تخت پر بیٹھا تھا۔ (دیکھو ڈی ملوئی:۔۔۔ بود۔ پول او تبت صفحہ ۱۳۹ و ۱۴۴)۔

وسیلیف

وسیلیف (ترجمہ "ل کمے" صفحہ ۲۲۰ و ۲۲۱) نے بسو بندھو اور بکرماجیت کے تعلقات کی تمام کہانی تقریباً ویسی ہی بیان کی ہے جیسی کہ پرمارتھ نے کہی ہے۔ لیکن بکرماجیت کے بیٹے اور جانشین کا نام پرادت نہ کہ بالادت لکھا ہے۔

شاہان گپت کے ساتھ تعلقات کی تین شہادتیں

اب میں ان تین کتابوں کو جانچنا شروع کرتا ہوں جن میں بسو بندھو کے شاہان گپت کے ساتھ تعلقات کی شہادت ملتی ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں:۔۔۔

(۱) وامن (تقریباً ۸۰۰ء)۔ (۲) پرمارتھ جس نے اپنی کتابیں ۵۴۶ء اور ۵۶۹ء کے درمیان لکھیں۔ (۳) ہیون سانگ (یون چانگ) جس نے اس تمام معاملے کی یادداشت غالباً ۶۳۱ء میں بسو بندھو کی جائے پیدائش یعنے پشاور کے مقام پر لی تھی۔ اور جس نے یقیناً اپنی کتاب ۶۴۸ء سے پہلے ختم کی تھی (وٹرس جلد اول صفحہ ۱۲)۔

[1] مجھکو یقین نہیں کہ "پوری ایک صدی" حکومت کی ہو۔ بعض مصنفوں نے جیسا کہ اوپر آچکا ہے۔ بیان کیا ہے کہ لہا تھوری ۳۷۱ء میں مرگیا۔ یہ سنہ بسوبندھو کی صحیح تاریخ سے مطابق ہوتا ہے۔

شعر جس کو دامن نے نقل کیا ہے۔

مشہور منطقی دامن نے جس مصرعۂ شعر کو نقل کیا اور جسے سب سے پہلے پروفیسر پھٹک نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے وہ بظاہر کسی بڑی قدیم کتاب سے نقل کیا گیا ہے۔ جو غالباً بالا گپت کے خاندان کے بادشاہ کی ہمعصر اور شاید اسی خاندان کے شجرۂ نسب کے طور پر لکھی گئی تھی۔ اس عبارت پر انڈین انٹی کویری کے رسائل میں جن کا ذکر اس مضمون کے شروع میں کیا گیا ہے پوری مکمل و مفصل بحث ہے۔ مختلف متنازع فیہ مسائل میں پڑے بغیر میں یہ کہدینا چاہتا ہوں کہ میں بسو بندھو کی قرأت کو قبول کرتا ہوں۔ اور اس بات میں بھی متفق ہوں چندر پرکاش (پربھاؤ) ایک نام یا لقب ہے۔ اور وہ محض تعریفی لفظ جس کے معنے "چاند کی طرح کا چمکدار" ہوں نہیں ہے۔ اس کی تشریح میں "ساچیویا" کے لفظ سے یہ مراد معلوم ہوتی ہے کہ بسو بندھو اس نوجوان راجہ کا وزیر ہو گیا تھا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا مطلب محض یہ ہو کہ وہ بادشاہ کا ایک مصاحب ندیم تھا؛

پروفیسر پھٹک کے متن شعر کا صحیح شدہ ترجمہ حسب ذیل ہے:-

"چندر گپت کا یہی نوجوان بیٹا چندر پرکاش۔ جو علماء کا مربی اور اپنے تمام کاموں میں کامیاب ہے بادشاہ ہوا" شارح لکھتا ہے کہ "علماء کا مربی" "اشارے" کی ایک مثال ہے اور یہاں اس سے مراد بسو بندھو کی وزارت ہے؛

میرے نزدیک یہ فرض کر لینا بالکل قرین قیاس ہے کہ شارح کا مطلب یہاں بدھ مذہب کے مشہور عالم بسو بندھو سے ہی ہے۔ اور "اشارے" کو اس طرح سمجھانے کے لئے اس کے پاس مو قہر وجوہ ضرور موجود ہونگے۔ لیکن اس شعر میں جس کا دامن نے حوالہ دیا ہے بسو بندھو کے متعلق کچھ نہیں کیا گیا۔ بلکہ یہ صرف ایک عام اور معلوم شدہ واقعے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کہ چندر گپت کا نوجوان بیٹا چندر پرکاش علماء کا مربی اور سرپرست تھا۔ اور تشریح سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نوجوان بادشاہ اور بسو بندھو کی دوستی

اس قدر مشہور ہو گئی تھی کہ اُسے "اشارے" کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا۔
اگر شارح کی تشریح کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا یہ بیان ایم۔ پیری کے نظام سنین کے بالکل مطابق ہوتا ہے۔ اور اس حساب سے مذکورہ چندر گپت یقیناً چندر گپت اول ہی ہوگا جو ۳۲۰-۳۳۰ء تک۔ یا اس کے ذرا بعد حکمراں تھا۔ اس کا بیٹا سمدر گپت ایک لائق اور فرزانہ بادشاہ تھا۔ علم موسیقی اور شعر گوئی میں کمال دسترس رکھتا تھا۔ اور یقیناً علماء کا مربی اور سرپرست تھا۔ ہرشین جس نے ایک فصیح و بلیغ سنسکرت نظم میں بادشاہ کی تعریف و مدح کی تھی اسی جماعت کا ایک فرد تھا[1]۔ اور یہ باور کرنے میں ذرا بھی دقت نہ ہونی چاہئے کہ سمدر گپت کا نام شہزادگی کے زمانے میں چندر پرکاش تھا۔ یہ تو معلوم ہی ہے کہ خاندان گپت کے بادشاہ ایسے بہت سے نام استعمال کرتے تھے۔ اور رہا سمدر گپت کا ایک بدھ مذہب کے عالم کو اپنے دربار میں ملازم رکھنے کا حال سو وہ اس کے خاندان کے اور بادشاہوں کی طرح سمدر گپت سے بھی ہو سکتا تھا۔ بلا کسی استثنا کے شاہان گپت اپنے کتبوں اور سکوں سے برہمنی ہندو مت کے پیرو معلوم ہوتے ہیں۔ مگر اس بات نے ان کو کبھی ذاتی طور پر بدھ مذہب میں دلچسپی لینے سے نہ روکا ہوگا۔ ساتویں صدی عیسوی میں ہرشش کا اس قسم کا حال تمام تاریخ والوں کو معلوم ہے۔ اس تمام بحث کا نتیجہ

[1] اغلب یہ ہے کہ کاچ یا گچ جس نے چند سونے کے سکے بھی مضروب کرائے تھے سمدر گپت کا بھائی باپ کی وصیت کے مطابق سمدر گپت کے بادشاہ ہونے سے قبل (الٰہ آباد کے کتبے کی ساتویں سطر) چند ماہ تک حکمراں رہا تھا۔ (دی۔ اے۔ سمتھ "ابزرویشنز آن دی گپت کائینج" جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۹۳ء صفحہ ۹۵)۔ کاچ کی وقتی زمانہ حکومت منظور کر بھی لی جائے تو بھی نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ ایک دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو سمدر گپت ہی سمجھا جائے۔ ہرشین کی نظم کے لئے دیکھو:۔ فلیٹ کی کتاب گپت انسکرپشنز۔ نمبر ۱۔

یہ ہے کہ دامن کا مذکورہ شعر مع شارح کی تشریح و تفریح کے ایم - پیری کے
بسو بندھو سیفن کے خیالات کے موافق اور ایک بڑی حد تک اس کا
موئید ہے ؛

پرمارتھ کی سوانح بسو بندھو -

اب ہم کو پرمارتھ کی شہادت پر غور کرنا چاہیئے - جس نے
۵۴۶ء اور ۵۶۹ء کے درمیان بسو بندھو کی سوانح عمری
لکھی تھی - یہ کتاب چینی زبان میں محفوظ رہ گئی ہے اور
اس کا ملخص ڈاکٹر تکاکسو نے جے - آر - اے - ایس (۱۹۰۵ء) میں
پیش کیا ہے ؛

پرمارتھ کہتا ہے کہ اجودھیا کا راجہ بکرماجیت جو پہلے سانکھ کے
فلسفے کا دلدادہ تھا اس کو بسو بندھو نے بدھ مذہب میں حصہ لینے پر
آمادہ کیا - اور اسی نے اس پر بھی آمادہ کیا کہ وہ اپنی ملکہ اور یووراجہ کو
اس کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجے - جب اس کا بیٹا بالادت بادشاہ
ہوا تو اس نے بسو بندھو کو اجودھیا بلایا اور اس کی سرپرستی کی - اسی شہر
میں بسو بندھو اسّی برس کی عمر پاکر فوت ہوا - ایک برہمن نحوی بسورات
نام جس کا مناظرہ بسو بندھو سے ہوا تھا بالادت کی بہن کا شوہر تھا[1]؛

اس کتاب کے طبع دوم میں میں نے یہ فرض کیا تھا کہ پرمارتھ
کے "بکرماجیت" سے مراد سکند گپت ہے - اور اس کے بیٹے بالادت کو
نرا بالادت تصور کرنا چاہیئے - جس کے سکے موجود ہیں اور جو پرگپت کا
بیٹا تھا - غالباً پرگپت سکند گپت کا بھائی تھا - اور اس لئے پرمارتھ
کے لفظ "بیٹا" سے مراد "بھائی کا بیٹا" لینا چاہیئے - اور یہ عام طور سے
معلوم ہی ہے کہ ہندوؤں کے ہاں اپنے اور اپنے بھائی کے بیٹوں میں کسی
قسم کی تفریق و تمیز نہیں ہوتی ؛

[1] یہاں اس پر غور کرنا چاہیئے کہ ایک برہمن کی شادی ایک ایسے خاندان کی
شہزادی سے ہوئی تھی کہ جو چھتری ہونے کا دعویٰ کرتا تھا ؛

لیکن جیسا کہ ایم پیری نے تقریباً ثابت کیا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ بسو بندھو چوتھی صدی میں گذرا اور اسی صدی میں مرا ہے تو وامن کے "چندر گپت" کی طرح پرمارتھ کے "بکرماجیت" سے بھی مراد چندر گپت اول ہی ہوگی (سنہ ۳۲۰-۳۳۰ء)۔ اگرچہ اس بات کی کوئی صریح شہادت موجود نہیں کہ چندر گپت نے کبھی بکرماجیت کا لقب اختیار کیا تھا۔ لیکن اس میں بھی کلام نہیں کہ یہ معلوم کرنا بھی مشکل ہے کہ اس نے یہ لقب کیوں نہ استعمال کیا ہوگا۔ کیونکہ چندر گپت دوم اور سکند گپت دونوں اسی لقب سے ملقب تھے۔ مسٹر ٹامس نے چھتری کے طلائی سکوں کو جن پر بکرماجیت کا لقب منقوش ہے چندر گپت اول کی طرف منسوب کیئے ہیں۔ اور اس نسبت کو ثابت بھی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن شہادت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ سکے چندر گپت دوم کے تھے۔ بہر حال کسی شاہ گپت کے نام کے ساتھ بکرماجیت کے لقب ہونے سے تعجب نہ ہونا چاہیئے۔ علاوہ ازیں اس میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ چندر گپت اول اجودھیا پر قابض تھا یا کہ یہ وہ وہاں اور پاٹلی پتر دونوں مقامات پر رہا کرتا تھا۔ اس کے نادر الوجود سکے موجودہ صوبے اور گرد و پیش کے علاقوں میں پائے جاتے ہیں[1]۔ اگر پرمارتھ کے

---

[1] چھتری کے نقش کے طلائی سکوں کی نسبت کے متعلق وی اے سمتھ نے اپنے مضمون "دی کائینج آف دی گپتا ڈائنسٹی" (جے۔آر۔اے۔ایس ۱۸۸۹ء صفحہ ۹۲) میں بحث [کی] ہے۔ خاندان گپت کے لقبوں کے متعلق دیکھو "ابزرویشنز" وغیرہ (رسالہ مذکورۂ بالا [ص]فحہ ۱۲۶)۔ چندر گپت ثانی نے "بکرماجیت" اور بکرم دونوں لقب (سونے۔ چاندی [او]ر تانبے کے سکوں پر) اور سکند گپت نے (صرف چاندی کے سکوں پر) استعمال [کئ]ے تھے۔ کمار گپت اول نے مہندرادت اور مہندر کے القاب کو پسند کیا۔ کمار گپت دوم [او]ر سکند گپت نے کرمادت کو۔ سکند گپت نے پرمادت کو۔ پرگپت نے پرکاش دت کو۔ [نر]سنگھ گپت نے بالادت کو پسند کیا۔ مشرقی بنگال نے فریدپور کے ایک پرانی گپت کے

اجودھیا کے راجہ بکرماجیت سے مراد چندر گپت اول ہی لی جائے تو بالادت وریس کے چندر پرکاش (پربھاؤ) کی طرح سمدر اگپت کا ایک اور لقب ہوگا۔ اور اگرچہ کسی کتبے یا سکّے میں اب تک یہ لقب نہیں پایا گیا لیکن اس کا ہونا بالکل ممکن ہے۔ آخری بادشاہوں میں سے ایک نے جو غالباً سکند گپت کا بھائی پرگپت تھا پرکاش دت کا لقب دراصل استعمال کیا تھا۔

اس کے بعد ہم کو بسو بندھو کے ان حالات کی طرف توجہ کرنی چاہیئے جس کا ذکر ہیون سانگ نے کیا ہے۔ اور جن کو اس نے بسو بندھو کی جائے پیدائش پشاور (پرشپور) کے حال میں نقل کیا ہے۔ پرشپور کے مقام پر یہ جاتری غالباً ۶۳۰ء میں پہنچا تھا۔ اور چین میں اس کی کتاب ۶۴۸ء میں شائع ہوئی تھی۔

جس روایت کا ذکر اس جاتری نے کیا ہے جو وہ دراصل اسی روایت کی ایک اور صورت ہے جو پرمارتھ کی "سوانح عمری بسو بندھو" میں مذکور ہے۔ ہیون سانگ کے قول کے مطابق بسو بندھو "بدھ کی موت کے (۱۰۰۰) سال کے اندر گذرا تھا" نہ کہ "(۹۰۰)" برس

له بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- کتبے میں مہاراجہ آدھی راجہ دھرمادت کا ذکر ہے۔ اور اس کو سکند گپت خاص لقب "اپرتیرتھ" بھی دیا گیا ہے۔ (ہارنل۔ انڈین انٹی کویری جلد ۲۱ صفحہ ۶۹۸ (سنہ ۱۸۹۲) صفحہ ۴۵۔ دھرمادت کے لقب سے بدھ مت کی بو آتی ہے۔ کیا واقعی جیسا کہ ہارنل نے لکھا ہے یہ سمدر گپت کا ایک دوسرا نام تھا؟۔ بہرحال یہ لقب بسو بندھو کے مربی کے بالکل مناسب حال ہے۔ مگر اب (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۰ صفحہ ۲۰۸) خود ڈاکٹر ہارنل ہی اس کو چھٹی صدی کا بتلاتا ہے۔ چندر گپت اول کے "راجہ درانی" کے تقریباً (۱۸) سکّوں میں سے چار کو اودھ کا بتلایا جاتا ہے۔ اور اغلب یہ ہے کہ ان میں سے بعض اور بھی اجودھیا میں ملے تھے۔

کے اندر۔ وہ بکرما جیت کو سراوستی کا راجہ کہتا ہے نہ کہ اجودھیا کا۔ اور اس نے تمام ہندوستان پر تصرف حاصل کر لیا تھا۔ اس کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ اس نے اپنی سلطنت کو کھو دیا اور اس کا ایک گمنام جانشین ہوا۔ جو علماء[1] کا سر پرست تھا۔ (وٹیرس جلد اول صفحہ ۴ - ۲۱۱)۔

ایک اور جگہ (وٹیرس جلد اول صفحہ ۲۸۸) ہیون سانگ نے مگدھ کے ایک راجہ بالادت کا ذکر کیا ہے۔ جو بدھ مذہب کا پرجوش پیرو تھا اور جس نے مہرگل کو شکست دی تھی۔ یہ راجہ سکون کا نر بالادت معلوم ہوتا ہے۔ جو پانچویں صدی کے آخر اور چھٹی کے ربع اول میں گذرا ہے۔ ہیون سانگ نالندا کے مقام پر ایک خانقاہ کا بھی ذکر کرتا ہے جس کو اسی بالادت کے بیٹے اور جانشین نے وجر کے مقام پر بنایا تھا۔ نلندا کے مقام پر بالادت "چیتیا" کا ذکر آئی سنگ نے بھی کیا ہے۔ (وٹیرس جلد دوم صفحہ ۱۷۱)۔ وجر نام کا کوئی بادشاہ تاریخ میں مذکور نہیں۔

جاتری کا یہ قول کہ یہ گپت راجہ سراوستی میں حکمران تھا پرمارتھ کے اس بیان کے بالکل مطابق ہے کہ وہ اجودھیا میں حکومت کرتا تھا۔ کیونکہ اغلب یہ ہے کہ چندر گپت اول سے لے کر سکند گپت تک تمام راجہ دونوں مقامات پر قابض تھے۔ مگر یہ باور کرنے کی کوئی وجوہ نہیں معلوم ہوتے کہ دونوں چندر گپت میں سے کسی نے اپنی سلطنت کو بھی کبھی کھو دیا تھا۔ سکند گپت کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے ساتھ ایسا ہوا تھا۔ مگر یہ قول اس کے دو عالیشان پیشروؤں پر ہرگز صادق نہیں آتا۔ اس راجہ کا بیان "جو علماء کی عزت افزائی کرتا تھا" چندر گپت کے اس بیٹے کے لئے بالکل موزوں ہے جس کے متعلق وامن نے

[1] دیٹرس نے اس کا ترجمہ "مشاہیر" کیا ہے۔ اور بیل نے "جس نے ان لوگوں کی سرپرستی کی جو علم و فضل کے لئے مشہور تھے"۔ اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ شہرت جس کے ذریعے سے بادشاہ کی سرپرستی حاصل کی جا سکتی تھی علمی شہرت ہی تھی۔

وہ شعر نقل کیا ہے اور خاص کر سمدر گپت کے بالکل مناسب حال ہے؛

ہیون سانگ (یون چانگ)

ہیون سانگ کی حکایت کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ پرمارتھ کی بہتر اور قدیم تر حکایت ہی کا ایک پرتو ہے۔ اور اس کو کوئی خاص اور علیحدہ اہمیت نہ دینی چاہئیے۔ سکوں کا بالادت جس نے مہر گل کو شکست دی اور نالندا میں عمارتیں تعمیر کرائیں لسبوبندھو کے مربی سے بالکل ممیز اور مختلف تھا؛

خلاصہ

اگر ایم۔ پیری یہ کہنے میں حق بجانب ہے (اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ضرور یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہوا ہے) کہ لسبوبندھو چوتھی صدی عیسوی میں گذرا اور مرا ہے تو خاندان گپت کا وہ بادشاہ جس نے اس کی سرپرستی کی ہوگی وہ ضرور چندر گپت اول کا بیٹا اور جانشین لائق و فرزانہ سمدر گپت ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ چندر گپت اول بکرماجیت کے لقب سے ملقب ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اگر اس لقب کو چندر گپت اول نے اختیار نہ بھی کیا ہو تو بھی کیونکہ خاندان گپت کے اکثر راجاؤں کا یہ لقب اسی وجہ سے اسے بھی یہ دے دیا گیا ہو۔ اور اس امر میں تو کسی قسم کا شک ہی نہیں کہ سمدر گپت اپنے باپ کی طرح اجودھیا اور سراوستی دونوں کا مالک تھا۔ اگر لسبوبندھو اور خاندان گپت کے کسی راجہ کے تعلقات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ تو یہ ماننا پڑے گا کہ اپنی جوانی کے زمانے میں سمدر گپت کے نام چندر پرکاش (پربھاؤ) اور بالادت یا برادت ہوں گے۔ اور ایسا مان لینے میں کسی قسم کی دقت بھی نہیں؛

اس لئے میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ سمدر گپت ہی نے مشہور و معروف بدھ مذہب کے عالم و گرو لسبوبندھو کو اپنے دربار میں بلایا تھا۔ خواہ وہ وزیر کی حیثیت سے ہو اور یا مصاحب کی۔ اور یہ کام اس کے باپ چندر گپت اول کی مرضی اور خوشی سے ہوا تھا۔ اور یہ کہ اگرچہ سمدر گپت کا مذہب برہمنی ہندو مت تھا۔ لیکن اس نے جوانی کے زمانے میں بدھ مذہب کی تعلیم سے دلچسپی حاصل کی تھی؛

باب سیزدہم

حکومت ہرش از ۶۰۶ء تا ۶۴۷ء

ساتویں صدی تاریخ کے ماخذ

چھٹی صدی عیسوی کے نصف آخر کی تاریخ لکھتے ہوئے تاریخی مواد کی عدم موجودگی سے جو تکلیف مورخ کو پیش آتی ہے وہ ساتویں صدی عیسوی کے شروع ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اس زمانے کے لیے معمولی کتبوں اور سکون کے ماخذوں کے علاوہ اس کو خوش قسمتی سے دو ادبی کتابیں بھی ملتی ہیں جن سے ہندوستان کے سیاسی حالات پر بالعموم اور ہرش کی حکومت کے متعلق۔ جو شمالی ہند میں چالیس سال سے زیادہ بادشاہ رہا۔ بالخصوص کثیر اور معتبر حالات بہم پہنچتے ہیں۔ ان میں سے پہلی تو وہ قابل قدر سیاحت نامہ ہے جو چینی جاتری ہیون سانگ نے لکھا تھا جس نے ۶۳۰-۶۴۴ء کے درمیان ہندوستان کے تقریباً ہر ایک حصے میں سیاحت کی تھی۔ اس سیاح نے ہر ایک صوبے کے متعلق کم و بیش مفصل بیانات دیئے ہیں۔ اس سفرنامے کی حکایت کے ساتھ اس سوانح عمری کو ضمناً استعمال کیا جا سکتا ہے جو ہیون سانگ کے دوست ہیوئی۔ لی نے لکھی تھی اور جس میں بہت حالات ملتے ہیں۔ دوسری کتاب جس کا اوپر ذکر ہوا وہ مشہور ہرش چرت کی تاریخی نظم ہے۔ اس کا مصنف ایک برہمن شاعر بان نامی ہے جو ہرش کے دربار میں موجود اور اس کا مصاحب و ندیم تھا۔ اس کے علاوہ چین کی سرکاری تاریخوں میں بھی بعض اہم اور دلچسپ تفصیلیں ملتی ہیں۔ اور جب ان تمام ماخذوں کو استعمال کر لیا جائے تو حکومت ہرش کے

واقعات کے متعلق ہمارے معلومات اس سے کہیں زیادہ صحیح ہوتے ہیں جتنی کہ چندراگپتا موریا اور اشوک کے سوا اور کسی قدیم ہندی بادشاہ کے ہو سکتی ہیں ؎

تھانیسر کا راجہ پربھاکر وردھن۔

بہت قدیم زمانے سے تھانیسر (ستھانو لیسور) کے ارد گرد کے علاقے کو "مقدس زمین" شمار کیا جا رہا ہے۔ اور وہ "سرزمین کورو" کے نام سے معروف اور روایتی مشاہیر کے میدان جنگ ہونے کی وجہ سے مشہور رہا ہے۔ چھٹی صدی کے آخری حصے میں یہاں کے راجہ پربھاکر وردھن نامی نے اپنے ہمسایہ بادشاہوں کے مقابل جن میں اقوام مالوا۔ شمال مغربی۔ پنجاب کی ہن نو آبادیوں۔ اور گرجر وں کی سلطنت جو غالباً راجپوتانہ اور ممکن ہے کہ پنجاب میں اس علاقے میں واقع تھی جس کو اب اضلاع گجرات و گوجرانوالہ کہا جاتا ہے۔ لڑ بھڑ کر بہت کچھ طاقت حاصل کر لی تھی۔ اس امر نے کہ ہن کی ماں خاندان گپت سے تھی شاید اولو العزمی کو اور تحریک دی۔ اور اس کو اس کے منصوبوں کی کامیابی میں مدد دی[1] ؎

---

[1] اس خاندان کا شجرۂ نسب کتبوں میں مندرج ہے:۔ یعنے (۱) سون پت کی مہر "گپتا انسکرپشنز نمبر ۵۲)۔ (۲) بنسکھیرا کی تانبے کی لوح (ایپی گریفیا انڈکا جلد ۴ صفحہ ۲۰۸) مدھوبن کی تانبے کی لوح (ایضاً جلد ا۔ صفحہ ۶۷)۔ پربھاکر وردھن کی ماں کا نام مہاسین تھا۔ اور خود اس کا نام پرتاپ لسیل بھی تھا۔ اس کی ملکہ کا نام یسومتی تھا ہرشں کا پورا نام ہرشں وردھن تھا۔ وہ سکے جو صوبۂ اودھ میں فیض آباد کے مقام پر پائے گئے ہیں اور جن پر پرتاب لسیل اور سیلادت کے نام یا القاب پائے جاتے ہیں۔ وہ معلوم ہوتا ہے کہ علی الترتیب ان ہی پربھاکر وردھن اور ہرشں کے مضروبہ ہیں۔ (برن۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۶ء صفحہ ۸۴۵)۔ ڈاکٹر ہارنل کا نظریہ اس سے بالکل مختلف ہے (ایضاً صفحہ ۴۴۶ ۱۹۰۹ء) ؎

ہنوں کے ساتھ اسکی جنگ۔

سنہ ۶۰۴ء میں اس چست و چالاک و باہمت راجہ نے اپنے بڑے بیٹے راجیاوردھن کو جس کا ابھی عنفوان شباب ہی کا زمانہ تھا ایک زبردست فوج دے کر شمال مغربی سرحد کی طرف ہنوں پر حملہ کرنے کے لیئے روانہ کیا۔ اس کے بہت سے وقفے کے بعد اس کا چھوٹا اور عزیز تر بیٹا ہرش جس کی عمر اس وقت مشکل سے پندرہ برس کی تھی ایک سوارہ فوج سمیت اس کے پیچھے بھیجا گیا۔ بڑا شہزادہ تو دشمن کی فکر میں پہاڑیوں میں داخل ہو گیا۔ مگر دوسرا وہیں پہاڑیوں کے دامن میں سیر و شکار میں جو وہاں بکثرت ملتا تھا مشغول ہو گیا؛

سنہ ۶۰۵ء راجیاوردھن کی تخت نشینی

ہرش اسی طرح سیر و شکار میں مشغول تھا کہ اس کو دارالسلطنت سے یہ اطلاع ملی کہ اس کا باپ بخار میں مبتلا اور نازک حالت میں ہے۔ یہ سن کر وہ فوراً تیزی کے ساتھ واپس روانہ ہو گیا۔ اور دارالسلطنت میں آکر اُسے معلوم ہوا کہ اس کے باپ کی حالت بالکل مایوسی کی ہے۔ بیماری نے بالآخر جلدی ہی سے اس کا کام تمام کر دیا۔ اور قبل اس کے کہ بڑا بیٹا جو اپنی فوجی مہم میں کامیاب رہا تھا وراثت کا دعویٰ کرنے کے لیئے وہاں پہنچے سب کام ختم ہو چکا تھا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دربار میں ایک فریق چھوٹے بیٹے کو تخت نشین کرنے کا طرفدار تھا۔ مگر راجیاوردھن کے وقت پر پہنچ جانے سے ان تمام سازشوں کا یک لخت خاتمہ ہو گیا۔ اور راج وردھن اپنے باپ کے تخت کا مالک ہوا۔ ابھی اس کو تخت نشین ہوئے کچھ بھی وقت نہ گذرا تھا کہ اس کو ایک ایسی خبر ملی جس سے کہ اس نے مجبوراً پھر جنگ آغاز کی؛

مالوا سے جنگ

ایک ہرکارہ یہ مصیبت افزا اور جانکاہ خبر لایا کہ ان شہزادوں کی بہن راجیاسری کے خاوند راجہ گرہورمن مکھری کو مالوا[1] کے راجہ نے قتل کر دیا ہے۔ اور شہزادی کو نہایت بدسلوکی کے ساتھ

[1] اس مالوا کے موقع کے متعلق شکوک ظاہر کیئے گئے ہیں۔ تارناتھ (شیفنر صفحہ ۱۵۲) نے

قنوج میں "معمولی مجرم کی بیوی کی حیثیت سے پاؤں میں بیڑیاں پہنا کر قید کر دیا" راجیا وردھن نے اپنی بہن کے مصائب کا بدلہ لینے کا ارادہ کیا۔ اور فوراً (۱۰۰۰۰) سواروں کی فوج لے کے سرپٹ کوچ کیا۔ اور اپنی غیر حاضری میں جنگی ہاتھی اور وزنی اسلحہ سے مسلح فوج کو اپنے بھائی کی سرکردگی میں چھوڑ گیا۔ معمولی جدوجہد کے بعد مالوا کے راجہ کو شکست ہوئی۔ مگر فتح کی تمام خوشی اس وقت خاک میں مل گئی جب یہ معلوم ہوا کہ فاتح راجہ کو مفتوح کے حلیف و مددگار وسط بنگال کے سسانک نے دغابازی سے مشورے کے لئے بلا کر اس وقت قتل کر دیا ہے جبکہ وہ بالکل اپنے آپ کو مطمئن و مامون سمجھتا تھا۔ اس کے علاوہ ہرش کو یہ معلوم ہوا کہ اس کی بہن قید سے نکل بھاگی ہے اور کوہستان بندھیاچل کے جنگلوں میں کہیں پناہ گزین ہوئی ہے۔ لیکن مقام پناہ کے متعلق کچھ پتا نہ لگا۔

۶۰۶ء ہرش کی تخت نشینی

مقتول راجہ اس قدر نوجوان مارا گیا تھا کہ اُس کی کوئی اولاد بھی نہوئی تھی جو حکومت کا بار اُٹھانے کے قابل ہو۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ امراء و اراکین سلطنت بھی ہرش کو بادشاہ بنانے کا فیصلہ کرنے سے پہلے تامل کرتے تھے۔ مگر اس وقفے میں جب ملک فتنہ و فساد کے مصائب میں پھنسنا شروع ہوا تو آخر

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ "پریاگ میں ایک لوا" کا ذکر کیا ہے ممکن ہے کہ گرہورمن قنوج کا بادشاہ ہو۔ وہ اونتی ورمن کا بیٹا تھا جس کا نام جنوبی بہار کے ضلع شاہ آباد کے ایک کتبے میں پایا جاتا ہے (فلیٹ۔ گپتا انسکرپشنز صفحہ ۲۱۵)۔

[۱] گوڈ (بان)۔ یہ غالباً ہیوکرن۔ سورن ہے (ہیون سانگ) مسٹر بیورج کے خیال کے مطابق صدر مقام رنگاماتی جو مرشد آباد سے (۱۲) میل جنوب کی طرف واقع تھا۔ (ج۔ اے۔ ایس۔ بی ۶۲ حصہ اول (۱۸۹۳ء) صفحہ ۳۲۸-۳۱۵) مگر منموہن چکرورتی نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ لکشمناوتی (لکھنوتی یا گوڑ) کا تھا (ایضاً جلد ۴ سلسلہ نو (۱۹۰۸ء) صفحہ ۲۸۱)۔

مشیر کاران سلطنت کو جانشینی کے متعلق کچھ نہ کچھ فیصلہ کرنا ہی پڑا۔ بھنڈی کی رائے سے جو اس سے عمر میں ذرا بڑا اس کا برادر عمزاد تھا۔ اور جس نے اس کے ساتھ تعلیم پائی تھی انھوں نے انجام کار ہرش کو بادشاہت کی ذمہ داریاں اپنے سر لینے کے لئے دعوت دینے کا ارادہ کیا۔ بعض وجوہ کی بنا پر جن کا اظہار اس تمام حکایت میں نہیں پایا جاتا ہرش نے اس امر کے قبول کرنے میں پس و پیش کیا۔ اور کہا جاتا ہے کہ دعوت قبول کرنے سے قبل اس نے بدھ مذہب کے ایک اکاس بانی سے مشورہ کیا۔ اس اکاس بانی سے اثبات میں جواب پا جانے کے بعد بھی جبکہ اس کی یہ کشیدگی خاطر خواہ وہ حقیقی ہو یا محض بناوٹی بالکل جاتی رہی تھی اس نے پہلے پہل شاہی خطاب اختیار کرنے کے مصائب سے بچنے کی کوشش کی اور اپنا لقب محض راج پتر (شہزادہ) سیلادت مقرر کیا۔[1]

ہرش کا سمت

ان عجیب وغریب تفاصیل سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہرش کی تخت نشینی کے بارے میں کوئی خاص بات مانع تھی۔ اور اسی نے اُس کو بجائے اس کے کہ وہ وراثت کے طور پر تخت و سلطنت کا دعویٰ کرے محض اراکین وعمائد سلطنت کے انتخاب اور نامزدگی ہی پر اکتفاء اور اعتماد کیا۔ "فنگ چہ" نامی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ "اپنی بیوہ بہن کی معیت میں سلطنت کا کاروبار انجام دیتا تھا۔ اور اس عبارت سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ وہ شروع میں اپنی بہن یا ممکن ہے کہ اپنے کسی شیرخوار بھتیجے کا مختار عام و مدار المہام تصور کرتا تھا۔ یہ باور کرنے کے وجوہ ہیں کہ ۶۱۲ء سنہ کے قبل جبکہ وہ پہلے یا ساڑھے پانچ یا چھ برس حکومت کر چکا تھا۔ اس نے بادشاہت کا دعویٰ علی الاعلان کھلا نہیں کیا۔ اور اسی سال رسمی طور پر اس کی تاجپوشی کی رسم ادا ہوئی۔ وہ سنہ جو اس کے نام سے مشہور ہوا اور جس کا پہلا سال ۶۰۷-۶۰۶ء سنہ تک ہے اکتوبر سنہ ۶۰۶ء سے اس وقت شروع ہوتا ہے جبکہ وہ پہلے پہلے بادشاہ ہوا ہے۔[2]

[1] ویٹرس جلد اول صفحہ ۳۴۳۔

[2] کیلہارن (انڈین انٹی کویری جلد ۲۶ صفحہ ۳۲)۔ ہرش کے سمت کے ہیں کتبے دریافت

نوجوان ہرش کی اطاعت قبول کرنے میں تامل کے لئے ارکین سلطنت تھانیسر کے پاس خواہ کچھ ہی اسباب کیوں نہ ہوں۔ لیکن اس کی لیاقت نے بھنڈی کی صلاح کی پوری پوری تصدیق کردی۔ اور اس نوجوان راجہ نے اپنے آپ کو بہت جلد حکومت و سلطنت کا اہل ثابت کردیا؛

راجیا سری کا حصول

تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی اس کے پہلے فرائض بین طور پر یہ تھے کہ اپنے بھائی کے قاتل سے بدلہ لے اور اپنی بیوہ بہن کو تلاش کرے۔ یہ دوسرا کام زیادہ اہم اور ضروری تھا اس لئے اگرچہ ایسا کرنے سے قاتل بچ کر نکل بھی جائے لیکن اس کو پورا کرنا واجب تھا۔ اور اس طرح جلدی کرنے میں حق اسی کی جانب تھا۔ کیونکہ راجیاسری مخلصی پانے سے بالکل ناامید ہوکر مع اپنے ہمراہیوں کے زندہ جل مرنے کے لئے تیار ہی تھی جب اس کا بھائی اصلی باشندوں کے بعض سرداروں کی مدد سے کوہستان بندھیاچل میں اس کی جائے پناہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوا۔ ساسانک کے خلاف جنگ کی تفصیل معلوم نہیں۔ اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ تقریباً نلوہ بچ کر نکل گیا۔ کیونکہ ۶۱۹ء تک وہ برابر حکمراں تھا۔[1] اگرچہ اس کے بعد اس کی سلطنت ہرش کے ماتحت ہوگئی تھی؛

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:— ہوئے ہیں (ایپی گریفیا انڈیکا جلد ۵ ضمیمہ نمبر:— ۵۲۸-۵۴۷)۔ جب ۶۴۳ء میں ہیون سانگ ہرش کے دربار میں مقیم تھا تو راجہ کی حکومت کا شمار تیس سے زیادہ سال کا کیا جاتا تھا۔ (ریکارڈس جلد اول صفحہ ۲۱۳ دیکھو اور تیس برس تک ہندوستان کا مالک" لائف آف ہیون سانگ صفحہ ۱۸۳)۔ ۶۴۴ء کی پنج سالہ مجلس کا اس کی حکومت کے عرصے میں چھٹا موقع تھا (دیل۔ لائف آف ہیون سانگ صفحہ ۱۸۴)۔ ساڑھے پانچ (جولین) یا چھ (واٹرس) برس کا وہ وقفہ جو شمال کے زیر نگین کرنے میں صرف ہوا اس میں شامل نہیں ؛

[1] گنجام کی تانبے کی لوح کا کتبہ سورخہ ۳۰۰ گ س۔ ۶۱۹-۲۰ء (ایپی گریفیا انڈیکا جلد ۶ صفحہ ۱۴۳) ہیون سانگ نے ساسانک کا ذکر ایک قریبی زمانے کے بادشاہ کے طور پر کیا ہے۔ مگر اس کے جانشین کا حال نہیں لکھا؛

ہرش کی فتوحات کی تجویز۔

اپنی بہن سے ملنے کے بعد جو ایک لائق اور بدھ مذہب سمیتیا فرقے کے عقائد سے پوری واقف تھی راجہ نے اپنی تمام قابلیت اور ہمت ایک باقاعدہ فتوحات کی تجویز پر صرف کرنی شروع کی اور تمام ہندوستان کو ایک چھتر کے نیچے جمع کر دینے کا ارادہ کیا۔ اس وقت اس کے پاس (۵۰۰۰) ہاتھی (۲۰۰۰۰) سوار (۵۰۰۰۰) پیادے تھے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس نے رتھوں کو جو قدیم ہندی روایات کے مطابق ہندوستان کی فوج کا ایک حصہ شمار ہوتی تھیں بیکار سمجھ کے بالکل ترک کر دیا تھا۔ مگر بہر حال وہ ملک کے دوسرے حصوں میں اب تک مستعمل تھیں[۱]۔

پینتیس سالہ جنگ

اس سریع الحرکت تیز رفتار چالاک اور قوی فوج کو رکاب میں لے کر ہرش نے تمام شمالی ہند کو روند ڈالا۔ اور چینی جاتری کے خوبصورت الفاظ میں "وہ مشرق سے مغرب تک ان کو مطیع کرتا چلا گیا۔ جو اس سے پہلے مطیع نہ تھے۔ اور اس عرصے میں سپاہیوں نے اپنے خود سر سے نہ اتارے اور ہاتھیوں کی جھولیں ان کے بدن سے علٰحدہ نہ ہوئیں"۔ ساڑھے پانچ سال کی جنگ کے بعد تمام شمال مغربی علاقے اور غالبًا بنگال کا ایک بڑا حصہ مفتوح ہو گیا۔ اب اس کے فوجی ذرائع اس قدر وسیع ہو گئے۔ کہ وہ میدان جنگ میں (۶۰۰۰۰) جنگی ہاتھی (۱۰۰۰۰۰) سوار لا سکتا تھا۔ اس کے بعد اس نے پینتیس برس تک نہایت کامیابی سے حکومت کی۔ اور اس طویل عرصے میں اپنی تمام توجہ ان وسیع علاقوں کے نظم و نسق پر صرف کر دی[۲]۔ اس کی آخری جنگ ۶۴۳ء میں گنجام جو خلیج بنگالہ کے

---

[۱] ہندوستان کے عام ذکر اور بیان ہیون سانگ نے بیان کیا ہے کہ ہندی فوج کا سپہ سالار ایک چہار اسپہ گاڑی میں سوار اور ایک محافظ دستے کو اپنے گردا گرد لے کے چلتا تھا۔

[۲] جاتری کا یہ بیان کہ شمالی ہند کو زیر نگیں کرنے کے بعد جو ۶۱۲ء میں واقع ہوا۔ اس نے "تیس برس تک امن و امان سے بغیر ہتھیار اٹھائے حکومت کی" بالکل حرف بحرف

ساحل پر واقع ہے۔ بہادر اور جنگجو باشندوں کے مقابلے میں ہوئی؎

پلکیسن دوم چلوکیا کے ہاتھوں شکست

اس کی طویل فاتحانہ زندگی میں صرف ایک دفعہ اس کو ناکامیابی کا منہ دیکھنا پڑا۔ خاندان چلوکیا کا سب سے بڑا راجہ پلکیسن دوم نے جس کے کارناموں کا ذکر ایک آئندہ باب میں آئے گا۔ فتوحات کی وسعت کے لحاظ سے ہرش پر سبقت لیجانے اور اس کے ہم سر ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور جس طرح ہرش نے شمالی ہند میں اپنے کو ادھیراجہ بنا لیا تھا اسی طرح جنوب میں پلکیسن نے بھی یہی کیا تھا۔ مگر شمالی ہند کے بادشاہ سے زبردست حریف کی مقاومت کی تاب کہاں لا سکتا تھا۔ اور اس کو برباد کرنے کی کوشش میں بذات خود حملہ کرنے کے لئے "پانچوں ہند کی افواج اور ملک کے بہتر سپہ سالاروں کی معیت میں" روانہ ہوا۔ مگر یہ کوشش بے سود ثابت ہوئی۔ دکن کے راجہ نے دریائے نربدا کے دروں کی ناکہ بندی اس طرح کی کہ ہرش کو ناکام و نامراد واپس جانا پڑا اور اس دریا کو اس نے سرحد تسلیم کیا۔ یہ مہم غالباً ۶۲۰ء میں واقع ہوئی؎

ولبھی سے جنگ

ولبھی کی جنگ جس میں دھروسین (دھرو بھٹ) دوم کو شکست فاش ہوئی اور اُسے بھڑوچ کے راجہ کے علاقے میں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- صحیح نہ مان لینا چاہئے۔ کیونکہ امر واقعی یہ ہے کہ اس کے بعد بلابھی دوم اور ولبھی کے ساتھ لڑائیاں ہوئی تھیں"۔ متن کتاب کی عبارت یہ ہے:- جیئو۔اس۔ شہ۔نین۔ رینگ۔ کو۔ یوچے۔ یہاں حسب دستور جیئو کے لفظ سے مراد "شاہی لباس کا پہننا ہے" یعنی "نرمی سے اور خوش و خرم حکومت کرنا" (وٹیرس جلد اول صفحہ ۳۴۳ و ۳۴۴)۔ اسی قسم کے فقرے بالعموم رسمی طور پر سنسکرت کے کتبوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں؎

۱؎ چین کے دائرۃ المعارف کا مصنف ما۔ تون۔ لن۔ (ملکس میولر۔ انڈیا صفحہ ۲۸۶) فلیط کی مجوزہ تاریخ ۶۰۹ء یا ۶۱۰ء ناممکن ہے۔ کیونکہ ہرش اس زمانے میں شمالی ہند کی فتح میں مشغول تھا؎

پناہ لینی پڑی۔ جو غالباً خاندان چلوکیا کے راجہ پر اعتماد کرتا تھا غالباً سنہ ۶۳۳ء کے بعد اور سنہ ۶۴۱ء یا ۶۴۲ء میں ہیون سانگ کے مغربی ہند میں جانے سے قبل واقع ہوئی۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ دھرو بھٹ کو مجبوراً صلح کی درخواست کرنی پڑی۔ اور فاتح کی بیٹی سے شادی کر کے باجگذار راجہ کی حیثیت اختیار کرنی پڑی۔ غالباً اسی مہم میں آنند پور۔ کی۔ جیہ یا (؟) کچھ۔ سورت یا جنوبی کاٹھیاواڑ کی فتح بھی عمل میں آئی۔ یہ سنہ ۶۴۱ء میں مو۔ لا۔ پو یا مغربی مالوا کے زیر سیادت[1] تصور کیجاتی تھیں سب کی سب جو اس سے قبل ولبھی کا ماتحت تھا؛

سلطنت ہرش کی حدود و وسعت

حکومت کے آخری دنوں میں ہرش کی سلطنت تمام میدان دریائے گنگا (معہ نیپال[2] کے) پر علاوہ مالوا۔ گجرات اور سراشٹر کے کوہستان ہمالیہ سے لے کر دریائے نربدا تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور وہ تمام اس علاقے پر بلا شرکت غیرے حکمراں تھا۔ مگر نظم و نسق کی تمام تفصیلی باتیں مقامی راجاؤں کے ہاتھ میں بدستور سابق باقی تھیں۔ مگر مشرق میں آسام (کامروپ) کے دور دست علاقے کا راجہ بھی اپنے حاکم کا حکم بدل و جان بجالانے کے لئے تیار تھا۔ اور ہرش کا داماد یعنے انتہائے مغرب میں ولبھی راجہ اس کے دربار میں حاضر تھا؛

---

[1] بھڑوچ کے راجہ دد۳ کا عطیہ (انڈین انٹی کویری جلد ۱۳۔ صفحہ ۷۰)۔ اس واقعے پر ایم۔ اٹنگاسن اپنے دلچسپ رسالہ "ہرش وردھن۔ امپرر ائٹ پوئٹ ڈی ل انڈ"، (لووین سنہ ۱۹۰۶ء) کے صفحہ ۴۶۔۴۷ تک بحث کی ہے؛

[2] ایم۔ ایم سلوین لیوی اور اٹنگاسن (صفحہ ۴۷ و ۱۸۴) نے ہرش کی فتح نیپال اور اس ملک میں اس کے سمت کے رواج سے بالکل انکار کیا ہے۔ مگر میرے نزدیک وہ دونوں اس میں کامیاب نہیں ہوئے۔ دیکھو انڈین انٹی کویری جلد ۱۳۔ صفحہ ۴۲۱۔ کیلہارن: لسٹ آف ناردرن انسکرپشنز۔ اپی گریفیا انڈکا۔ جلد ۵۔ ضمیمہ صفحہ ۷۵؛

اس کے دورے

اس وسیع سلطنت کو قابو میں رکھنے کے لئے ہرش بجائے تنخواہ دار اور لائق افسروں کے خود ذاتی نگرانی پر جو وہ ان تھک کوششوں سے کیا کرتا تھا زیادہ بھروسہ کرتا تھا۔ برسات کے موسم کے علاوہ جب کہ تمام جاہ وحشم کی معیت میں سفر کرنا ناممکن اور بدھ مذہب کے قواعد کے خلاف تھا۔ وہ ہر وقت سفر کرتا۔ بدکاروں کو سزا اور نیکوں کو انعام واکرام سے مالا مال کرتا رہتا تھا۔ اس وقت ایسے وسیع اور آرام دہ خیمے جیسے کہ شاہان مغلیہ استعمال کرتے تھے یا اب بھی انگریزی افسروں کے زیر استعمال رہتے ہیں۔ ایجاد نہ ہوے تھے۔ اور ہرش کو محض ایک "سفری محل" ہی پر جو درختوں کی شاخوں اور سرکنڈوں کا بنایا جاتا تھا اکتفاء اور قناعت کرنی پڑتی تھی۔ یہ محل ہر منزل پر تعمیر ہوتا تھا[1] اور بادشاہ کے وہاں سے چلے جانے کے بعد جلا ڈالا جاتا تھا۔ وہ نہایت شان وشوکت سے سفر کیا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ علاوہ اور لوگوں کے سیکڑوں طبل نواز ہوا کرتے تھے جو اس کے ہر قدم پر سونے کے طبلوں کو بجاتے تھے۔ سلطنت میں کسی اور راجہ کو یہ اجازت نہ تھی کہ وہ اس قسم کے طبل رکھے[2]۔

انتظام ملکی۔

کم وبیش دو صدی قبل اپنے پیشرو فاہیان کی ہیون سانگ کو بھی ملکی انتظام پسند آیا تھا۔ اور اس کا خیال تھا کہ وہ رحم دلی کے اصول پر مبنی ہے۔ محاصل کا سب سے بڑا ذریعہ شاہی املاک کا لگان جو کم از کم بادی النظر میں پیداوار کے چھٹے حصے کی صورت میں

---

[1] بیل ریکارڈس جلد ۲ صفحہ ۱۹۳۔ وٹیرس جلد ۲ صفحہ ۱۸۳۔ اٹھارھویں صدی میں برما کے بادشاہوں کے ہاں بھی یہی قاعدہ جاری تھا۔ صرف ایک دن کے عرصے میں ایک فراخ اور خاصہ آرام دہ مکان شاہی عمارات کی وضع کا تیار ہوگیا تھا (سائمز۔ ایمبسی ٹو آوا جلد اول صفحہ ۲۸۳ (کانسٹبل)۔)

[2] بیل: "لائف آف ہیون سانگ" صفحہ ۱۷۳۔

وصول کیا جاتا تھا۔ عمال کو تنخواہ کے عوض معافیاں دیگئی تھیں۔ رفاہ عام کے کاموں پر کام کرنے والوں کو مزدوری دی جاتی تھی۔ محاصل ہلکے تھے جو رقم رعایا سے ذاتی طور پر لی جاتی تھی وہ بھی مقدار میں قلیل ہوتی تھی۔ اور مختلف مذہبی کاموں کے لئے خیرات کا انتظام وسیع پیمانے پر تھا؏

پولیس اور جرائم

شدید جرائم بالکل شاذ و نادر واقع ہوتے۔ مگر بظاہر شاہراہیں ایسی محفوظ و مصئون نہ تھیں جیسی فاہیان کے زمانے میں۔ کیونکہ ہیون کو متعدد دفعہ چوروں کا سامنا کرنا پڑا۔ اور اکثر اس کو لوٹ لیا گیا۔ اب جرائم کی معمولی قید تھی۔ مگر یہ قید تبت کی وضع پر بے رحمانہ ہوتی تھی ہیون سانگ کہتا ہے کہ قیدیوں کو وہ "اپنی حالت پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ خواہ وہ مریں یا زندہ رہیں۔ اور ان کو جاندار تصور نہیں کیا جاتا"۔ اور تمام سزائیں زمانہ گپت سے زیادہ خونی تھیں۔ بعض سخت جرائم اور یہاں تک کہ والدین کی نافرمانی کرنے کی سزائیں ناک۔ کان۔ ہاتھ یا پاؤں قطع کر دینے جاتے تھے۔ مگر بعض اوقات اس سزا کو جلا وطنی سے بدل بھی دیتے تھے۔ معمولی جرائم کی سزا جرمانہ تھی۔ سچائی کے جانچنے کے لئے پانی۔ آگ۔ وزن یا زہر خورانی کی آزمائشوں پر بہت کچھ یقین کیا جاتا تھا۔ اور ان کو چینی جاتری نظر پسندیدگی دیکھتا اور بیان کرتا ہے؏

سرکاری امسلہ

ہر ایک صوبے میں خاص افسر تھے جو اس کے تمام واقعات کی یادداشتوں کو قلمبند کیا کرتے تھے۔ اور ان کا فرض تھا کہ اچھے اور برے۔ مصائب اور عمدہ ہر قسم کے واقعات کو قلمبند کرتے رہیں"۔ بلاشک و شبہ اسی قسم کے امسلہ کو کتبہ نویس اپنے پیش نظر رکھتے تھے۔ مگر اب ہمارے پاس ان کا کوئی نمونہ نہیں پہنچا؏

تعلیم و علم ادب

بظاہر تعلیم عام طور پر۔ اور بالخصوص برہمنوں اور بدھ مذہب کے بھکشوؤں میں مروج تھی۔ اور حکومت بھی علم کی قدر افزائی کرتی تھی۔ راجہ ہرش نہ صرف علم و فضل کا حامی اور سرپرست ہی تھا بلکہ وہ ایک مشہور و معروف خوش نویس اور مصنف تھا۔ قواعد صرف و نحو کی

ایک کتاب کے علاوہ سنسکرت کے تین موجودہ ناٹک اور نظم منظومات کے کئی تالیفات کے نام سے منسوب کی جاتی ہیں۔ اور یہ مان لینے میں بھی کسی قسم کا تامل نہ ہونا چاہئے کہ ان کتابوں کے لکھنے میں ضرور کچھ نہ کچھ اس کا حصہ تھا۔ کیونکہ ہند قدیم میں مصنف بادشاہوں کے نام بہت ملے ہیں۔ ان میں سے ایک ناٹک "ناگانند" نام جس میں بدھ مذہب کی ایک روایت مذکور ہے ہندوستان کے بہترین ناٹکوں میں شمار ہوتا ہے۔ دوسرے ناٹک "رتناولی" (مالا) اور "پریہ درسکا" ("مہربان بی بی") اگرچہ ایسے تازہ نہیں ہیں جیسے وہ جن کا پہلے مذکور ہوا لیکن الفاظ اور خیالات کی سادگی کی وجہ سے وہ قابل تعریف خیال کئے جاتے ہیں[1]۔

بان راجہ ہرش کے دربار میں علم کا سب سے بڑا جوہر بان تھا جو ذات کا برہمن اور ایک تاریخی افسانے کا مصنف تھا۔ جس میں اس نے اپنے مربی کے کارناموں کا ذکر مدح و تعریف کے الفاظ میں کیا ہے۔ یہ کتاب اگرچہ مضمون کے لحاظ سے خشک ہے۔ لیکن بہت کچھ لیاقت اس سے ظاہر ہوتی ہے۔ طرز تحریر میں اس کتاب میں بان نے بدترین طریقہ استعمال کیا ہے۔ مگر باوجود اس کے اس میں بہت سی قابل تعریف اور روشن عبارتیں بھی ملتی ہیں۔ وہ مصنف جو سپہ سالار سکند گپت کے متعلق یہ کہے کہ "اس کی ناک اتنی لمبی ہے جتنا بادشاہ کا شجرۂ لنسب"۔ اس کے متعلق خود قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس کے تشبیہات و استعارے کیسے ہوں گے۔ لیکن بہرحال وہ اس سے بہتر بھی لکھ سکتا تھا۔ اور بادشاہ کی حالت نزع کا نقشہ اتارتے وقت اپنی پوری طاقت کا اظہار کرتا ہے "ناچاری اور بیکسی نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ درد اور تڑپ نے اس میں حکومت قائم کرلی تھی۔

[1] ان ناٹکوں کے لئے دیکھو:- ولسن ہند و تھیئٹر۔ لیوی تھیئٹر انڈین۔ بانڈ کا ترجمہ۔ "ناگانند"۔ شاہی مصنفین کے لئے دیکھو انڈین انٹی کویری جلد ۲ صفحہ ۲۰۱۔ اپنی کتاب کے تیسرے باب میں اٹنگا سین نے ہرش کے زمانے کی عملی تاریخ پر بحث کی ہے۔

تباہی اور بربادی نے اسے زیر نگین کر لیا تھا اور سستی اور اضمحلال نے اس میں گھر بنا لیا تھا۔۔۔۔۔ وہ موت کی سرحد پر پہنچ چکا تھا۔ آخری سانس کے کنارے پر آ لگا تھا۔ "کار بزرگ" کی دہلیز تک پہنچ گیا تھا۔ لمبی نیند سونے والا تھا۔ موت کے ہونٹوں پر جم گیا تھا۔ بولنے بات کرنے سے ناچار۔ دماغ بیکار۔ جسم کی تعذیب میں گرفتار تھا۔ زندگی کے خاتمے پر پہنچا ہوا۔ گرفتاری میں پھنسا ہوا تھا۔ آہیں بھرتا تھا۔ اور جمائیوں سے مغلوب ہو رہا تھا۔ تکلیف میں مبتلا اور درد و الم کے پنجے میں گرفتار تھا۔" اس قسم کی عبارتیں اگرچہ مذاق کے لحاظ سے اعلیٰ درجے کی نہ ہوں لیکن مصنف کے زور قلم پر ضرور گواہی دیتی ہیں[۱]۔

ہرش کے آخری دن

صرف ایک فوجی مہم سے اشوک کی سفاکی کو تسلّی ہو گئی تھی۔ مگر ہرش کے لئے قبل اس کے کہ وہ آخری دفعہ اپنی تلوار ہاتھ سے رکھے سینتیس برس کی جنگ و جدل ضروری تھی۔ ان میں سے شروع کے چھ برس متواتر میدان جنگ میں ہی گذرے۔ اور باقی میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد جنگیں جاری رہیں۔ اس کی آخری جنگ ۶۴۳ء میں گنجام (کونگوڈ) کے مقام پر ہوئی۔ اس واقعے کے بعد اس فاتح بادشاہ نے اپنے اسلحہ جدا کئے۔ اور اپنے باقی ماندہ دنوں کو امن و امان اور خدا پرستی اور زہد میں گذارنے کی کوشش کی۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اشوک کی تقلید کی کوشش کی تھی۔ اور اسی وجہ اس کے آخری زمانے کے تمام حالات بادی النظر میں محض اشوک ہی کے حالات کا ایک چربہ معلوم ہوتے ہیں۔

اس کی ریاضت و عبادت۔

اس زمانے میں راجہ نے بدھ مذہب کی صلح کل تعلیمات پر شدت سے عمل کرنا شروع کیا۔ اوّل اوّل اس کا تعلق ہنیان فرقے سے تھا۔ مگر بعد میں اس نے مہایان کے عقائد

---

[۱] بان کی کتاب کا انگریزی ترجمہ مترجمہ ڈاکٹر ایف۔ ڈبلیو۔ ٹامس پروفیسر کاول متوفی شائع کردہ۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۹۷ء۔ یہ ترجمہ لیاقت کی ایک زبردست فتح خیال کی جا سکتی ہے۔

اختیار کر لئے۔ وہ زاہدانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اور انسانی زندگی کی بغیر پروا کئے بدھ مذہب کے عقیدۂ اہمسا پر عمل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ "مذہبی نیکی کے بیج بونے میں وہ اس قدر منہمک ہو گیا تھا کہ سونا اور کھانا تک فراموش کر دیا تھا۔ اور تمام ملک میں اس سرے سے اس سرے تک جانور کے ذبح کی ممانعت کی۔ اور اس کے مرتکب کو سزائے موت کا اعلان کیا[۱]"

مذہب اور مفادِ عام کے کام

تمام سلطنت میں اشوک کے نمونے کے رفاہ عام کے لئے ایسی عمارتیں تعمیر کرائیں جن سے مسافروں - غریبوں اور بیماروں کو نفع پہنچ سکے۔ شہروں اور دیہاتوں میں دھرم سالے بنائے گئے۔ جہاں کھانے پینے کا انتظام کیا گیا۔ اور طبیب مقرر کئے گئے جن کو حکم تھا کہ صاحب حاجت کو وہ بغیر بخل کئے دوائیں بہم پہنچائیں۔ اس کے علاوہ ہرش نے اشوک کی اس معاملے میں بھی پیروی کی کہ اس نے بہت سی خانقاہیں بدھ اور ہندو مت کے لوگوں کے لئے تعمیر کرادیں۔ زندگی کے آخری زمانے میں شاہی عطیات کا سب سے بڑا فیض پہلے مذکور مذہب کے حصے میں آیا۔ اور ان کے لئے بے شمار خانقاہیں تعمیر کرائی گئیں۔ اور دریائے گنگا کے کنارے پر ایک ہزار ستوپ بنائے گئے جن میں ہر ایک (۱۰۰) فٹ بلند تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب عمارتیں ایک بڑی حد تک لکڑی سے تعمیر کی گئی تھیں۔ کیونکہ ان کا نشان اب کہیں نہیں ملتا۔ مگر محض ستوپوں کی تعمیر میں خواہ وہ کیسے ہی کمزور ہوں ثواب سمجھا جاتا تھا۔ اگرچہ ہرش اور ہیون سانگ کے زمانے میں بدھ مذہب کا ہندوستان میں ظاہرا طور پر زوال ہو رہا تھا۔ مگر بھکشوؤں کی تعداد اب بھی بے شمار تھی۔ اور ان خانقاہوں میں جن کا نام جاترہی نے لکھا ہے کم و بیش دو لاکھ بھکشو مقیم[۱] تھے۔ اس کثیر تعداد میں

---

[۱] جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۹۱ء صفحہ ۲۱ - ۴۱۸ و

راجہ کو ہمیشہ فیاضی اور بخشش وجود کا کافی موقع ملتا رہتا تھا؛

مذہب کی حالت

ساتویں صدی عیسوی کے دوران میں ہندوستان کے مذہبی عقائد اور عبادات کی جو تصویر ہمعصر مورخین نے کھینچی ہے۔ وہ عجیب وغریب اور دلچسپ تفصیلوں سے پر ہے۔ ہرش کے شاہی خاندان کے افراد مذہب کے معاملے میں اپنے ذاتی رجحان پر کھلم کھلا عمل کرتے تھے۔ اس کے جد اعلیٰ پشیا بھوتی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بچپن سے ہی شو کا پرستار اور باقی اور تمام دیوتاؤں سے متنفر تھا۔ اسی طرح ہرش کا باپ بھی سورج کی پرستش کیا کرتا تھا۔ اور ہر روز "سرخ کنول کے پھولوں کا ایک گلدستہ خالص لعل کے گلدان میں رکھ اپنے دل سے اسی رنگ کے خون کے ساتھ" اس کی بھینٹ چڑھایا کرتا تھا۔ ہرش کا بڑا بھائی اور بہن پکے اور راسخ الاعتقاد بدھ مذہب کے پیرو تھے۔ اور ہرش نے خاندان کے تینوں دیوتاؤں شو۔ سورج۔ اور بدھ[1] کے مابین اپنی عبادت وریاضت تقسیم کر دی تھی۔ اور ان تینوں کی عبادت کے لئے بیش بہا عمارتیں تعمیر کرائی تھیں۔ مگر زندگی کے آخری دنوں میں بدھ مذہب ہی کے عقائد نے اس کے دل میں سب سے زیادہ گھر کر لیا تھا۔ اور چینی "عالم قوانین" کی فصاحت وبلاغت کا اس پر یہ اثر ہوا کہ اس نے سمتیا فرقے کے پرانے ہینیان کے عقائد کو ترک کر کے مہایان عقائد اختیار کر لئے؛

شاہی انتخاب مذہب

شاہی خاندان کے انتخاب مذہب کا یہ طریقہ در اصل اس زمانے کے عام مذہبی خیالات کا پرتو اور نتیجہ تھا۔ اگرچہ دریائے گنگا کے میدان میں بدھ مذہب کی وہ حیثیت اب نہیں رہی تھی جو اس سے قبل کسی زمانے میں تھی۔ لیکن یہ اب بھی قابل وقعت لوگوں کے

[1] بدھ دیوتا بنا کے ذکر کرنا یقیناً درست نہیں۔ لیکن جب ساتویں صدی عیسوی میں بدھ مذہب کا ذکر ہو رہا ہو۔ تو یہ غلطی محض لفظی اور رسمی ہی رہ جاتی ہے؛

دلوں میں موثر تھا۔ جین مت شمالی ہند میں کبھی عام طور پر مروج نہ ہوا تھا۔ اور اگرچہ بعض مقامات بالخصوص ویسالی اور مشرقی بنگال میں اس کا زور و شور اب تک قائم تھا۔ مگر اس کی ایسی حیثیت نہ تھی کہ وہ بدھ مت یا پرانوں کے ہندو مت کا حریف ہونے کا دعویٰ کر سکے۔ پران مت جو ہندوؤں کے مذہب ہی کی ایک تبدیل شدہ صورت ہے۔ اب بالکل بالاستقلال قائم ہو چکی تھی۔ اور سب سے قدیم پران اس وقت مقدس اور قدیم کتب تسلیم کی جاتی تھیں۔ آج کل کی طرح اس زمانے میں بھی آبادی کا بڑا حصہ پرانوں کے دیوتاؤں ہی کی پرستش کرتا تھا۔ اور ہر مرد و عورت کو اختیار تھا کہ شو۔ سورج۔ اور وشنو وغیرہ میں سے جس کو وہ ذاتی خیالات کی بنا پر مرجح سمجھے اختیار کرے۔ عموماً مختلف مذاہب کے پیرو پہلو بہ پہلو امن و امان سے زندگی بسر کرتے تھے۔ اور اس میں بھی شک و شبہ نہیں کہ بادشاہ کی طرح اور بہت سے لوگ بھی خدا کے فضل و کرم کے حصول کو یقینی سمجھ کے عوام کے دیوتاؤں کے سامنے درجہ بدرجہ سر جھکاتے تھے۔

سانگ کی مذہبی ایذا رسانی۔

لیکن اگرچہ مذہبی رواداری اور صلح و ہم آہنگی عام طور پر پھیلی ہوئی تھی مگر اس قاعدۂ کلیہ میں کبھی کبھی رخنہ بھی پڑتا تھا۔ وسط بنگال کا راجہ سانگ جس کا ذکر اس سے قبل بھی ہرش کے بھائی کو دغا بازی سے قتل کرنے کے ضمن میں آچکا ہے۔ اور جو غالباً خاندان گپت کا ایک رکن تھا۔ شو دیوتا کا پرستار تھا۔ اس کو بدھ مذہب سے نفرت کلی تھی۔ اور وہ ہمیشہ اُسے بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکنے پر تلا رہتا تھا۔ بودھ گیا کے مقام سے اس مقدس بودھی درخت کو اس نے اکھاڑ کر جلا دیا۔ جس پر روایات کے مطابق راجہ اشوک نے بے انتہا عبادات کی تھی۔ پاٹلی پتر کے مقام پر اس نے اس پتھر کو ریزہ ریزہ کر دیا جس پر بدھ کے قدم کے نشان بنے ہوئے تھے۔ خانقاہوں کو تباہ کر ڈالا اور بھکشوؤں کو دربدر آوارہ کر دیا۔ ان حرکات کا اثر نیپال کی

پہاڑیوں کے دامن تک پہنچا۔ یہ واقعات ایسے ہیں کہ ہیون سانگ کی شہادت سے جوان کے تیس یا چالیس برس بعد یہاں آیا تھا۔ ان کے ثبوت کو اور زیادہ تقویت ہوتی ہے۔ اور غالباً وہ سنہ ۶۰۰ء میں واقع ہوئے تھے۔ قلیل مدت کے بعد مگدھ کے مقامی راجہ پورن ورمن نے جو اشوک کا آخری جانشین کہا جاتا ہے بودھی درخت کو نئے سرے سے نصب کرا دیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس کو اسی وجہ سے اس چیز سے خاص محبت بھی ہو گئی جس کی تعظیم اُس کا عظیم الشان جداعلیٰ کیا کرتا تھا؂

مذہبی بغض۔ ان تفصیلات سے جن کا ذکر ہیون سانگ اور اس کے سوانح نویس نے کیا ہے ثابت ہوتا ہے کہ بعض اوقات بدھ مذہب کے دو زبردست فرقوں میں سخت مذہبی بغض و عناد پھیل جاتا تھا۔ اور اس کے علاوہ پرانے ہندوؤں کے دلوں میں بدھ مذہب کو مورد عنایات شاہی دیکھ کر آتش بغض و حسد سلگنے لگتی تھی۔ اس لئے یہ بالکل صحیح ہے کہ ہند قدیم میں مذہبی رواداری کے متعلق تمام عام خیالات کو ذرا سوچ سمجھ کر قبول کرنا چاہیئے۔ حکومت کی طرف ایذا رسانی اور عوام کا جوش و خروش اگرچہ اکثر نہیں تو کم از کم بعض اوقات بر روئے کار آجاتا تھا۔ اور مذہبی وجوہ سے بغض و عناد کا عام چرچا پھیل جاتا تھا؂

مناظرے۔ خود ہرش بھی بعض اوقات کامل مذہبی رواداری اور مساوات کے توڑنے کا مرتکب ہوتا تھا۔ اکبر اور ہندوستان اور دیگر بادشاہوں کی طرح اس کو بھی حریف اور مدمقابل علماء کے مناظرے سننے کا شوق تھا۔ چینی جاتری کے دربار میں آنے کے بعد اس نے برضا و رغبت وہ تمام دلائل و براہین سنے جو جاتری نے مہایان فرقے کی عظمت و ترجیح کے متعلق بیان کئے۔ ان عقائد سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سے قبل بالکل ناآشنا تھا۔ قدیم ہندی سوسائٹی میں عورتوں کے پردے کی ان پابندیوں سے جن کا رواج مسلمانوں میں پایا جاتا ہے آزادی کی ایک دلچسپ مثال اس واقعے سے ملتی ہے کہ بادشاہ کی بیوہ بہن جاتری کے وعظ و درس کو

سننے کے لئے بادشاہ کے برابر پہلو میں بیٹھتی تھی۔ اور ان کے سننے سے جو خوشی اس کو ہوتی وہ اس کا اظہار نہایت صاف لفظوں میں کیا کرتی تھی۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ایک چینی کتاب کا تو یہ بیان ہے کہ ہرش اپنی بہن کی معیت و شرکت سے سلطنت کا نظم ونسق انجام دیتا تھا[1]؛

ہرش کا اعلان

مگر ہرش نے اس بات کا مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اس کے مہمان عزیز کو مناظرے میں شکست نہ ہونے پائے۔ جب چینی جاتری کے عقائد کے مناظرے کے لئے حریف علماء کو دعوت دی گئی تو مناظرے کے قواعد وضوابط بہت کچھ انصاف پر مبنی نہ تھے۔ جب ہرش کو یہ معلوم ہوا کہ اس کے حریف علماء مذہب کے ہاتھوں ہیون سانگ کی جان جوکھوں میں پڑ جانے کا اندیشہ ہے تو اس نے ایک اعلان شایع کیا جس کے آخر میں اطلاعاً تحریر تھا:—

"اگر کوئی شخص "ماہر قوانین" کو ہاتھ لگائے گا یا اس کو ایذا پہنچائے گا تو اس کو فوراً سزائے موت دی جائے گی۔ جو کوئی اس کے برخلاف کچھ کہے گا اس کی زبان کاٹ ڈالی جائے گی۔ مگر وہ تمام شخص جو اس کی تعلیمات سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ وہ میرے امن میں ہیں اور ان کو اس اعلان سے کسی طرح خوف زدہ نہ ہونا چاہئے"۔

اس کے بعد جاتری کا سوانح نگار سادہ لوحی سے لکھتا ہے:—

"اس وقت سے باطل پرست لوگ الگ ہو گئے۔ اور بالکل غائب ہو گئے۔ اور اس طرح جب اٹھارہ دن گذر گئے تو کوئی بھی ایسا باقی نہ رہا کہ مناظرے کے لئے رضامند ہوتا[2]"؛

---

[1] "فنگ۔ چہ" دو ٹیرس جلد اول صفحہ ۳۴۵؛

[2] بیل:— "لائف آف ہیون سانگ" صفحہ ۱۸۰۔ اس کتاب کی طبع دوم میں تارناتھ کی

قنوج کی مجلس۔ راجہ ہرش ہیون سانگ سے بنگال کے علاقے میں سفر کے موقع پر سب سے پہلے ملا۔ اور اس کے مکالمات سے اس درجہ متاثر ہوا کہ اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اپنے " دارالسلطنت قنوج میں ایک خاص مجلس جاتری کی تعلیمات کے اعلان و اشاعت کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔ ایک حکایت (شیفنر صفحہ ۱۲۸) جو اس نے کسی راجہ سری ہرش نامی کے متعلق بیان کی ہے غلطی سے قنوج کے راجہ ہرش پر اطلاق ہو گیا تھا۔ مورخ کا بیان ہے کہ راجہ سری ہرش نے بیرونی مذاہب کے (۱۲۰۰۰) آدمیوں کو بھلا پھسلا کر ایک چوبی عمارت میں بند کیا اور مع ان کی کتابوں کے انھیں جلا کر خاک کر دیا۔ اور اس طرح اس نے ایرانی اور سک قوم کے مذاہب کو ایسا کمزور کر دیا کہ اس میں صرف ایک سو ہی آدمی بچے۔ یہ سفاکی کہا جاتا ہے کہ ملتان کے قریب واقع ہوئی۔ پھر تارناتھ لکھتا ہے کہ سری ہرش نے اپنے گناہ کا کفارہ اتارنے کے لئے چار عالیشان خانقاہیں تعمیر کرائیں جو علی الترتیب مرد۔ (مارواڑ) مالوا۔ میواڑ۔ پٹوا۔ اور چیتور میں واقع تھیں۔ ان میں سے ہر ایک اتنی وسیع تھی کہ اس میں (۱۰۰۰) بھکشو سما سکتے تھے۔ میں نہ تو چیتور اور پٹوا کے موقع کا نشان دے سکتا ہوں اور نہ تاریخ ہی کا اندازہ لگا سکتا ہوں۔ لیکن بہرحال یہ ظاہر ہے کہ سری ہرش راجپوتانہ میں غالباً مارواڑ کے علاقے کا مقامی سردار تھا۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے یہ چھٹی صدی کا واقعہ ہے۔ ہرش مارواڑ میں پیدا ہوا۔ اور مغرب کی تمام سلطنتوں پر حکمراں تھا۔ (ایضاً صفحہ ۱۲۶)۔ اٹنگاسین (" ہرش وردھن " صفحہ ۸۴) نے بھی غلطی سے اس مارواڑ کے ہرش کو قنوج کا ہرش تسلیم کر لیا ہے۔ اس نے اس آتش زدگی کے متعلق لنکا کی کتابوں کی شہادت سے نقل کی ہے۔ میں نے اب تک راجپوتانہ کے بادشاہوں کی فہرست میں ہرش کا نام کہیں نہیں دیکھا۔ مگر میواڑ میں ایک قصبہ ہرش پور کے نام سے موجود تھا۔ (انڈین انٹی کویری ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۸۷)۔ جس کا نام ممکن ہے تارناتھ کی حکایت کے ہیرو کے نام پر رکھا گیا ہو۔

مقصد کے لئے منعقد کرے۔ ایک بڑی تعداد کو اپنے جلو میں لئے ہوئے ہرش دریائے گنگا کے جنوبی کنارے پر روانہ ہوا۔ اور مقابل کے کنارے پر اس کا حلیف کامروپ کا راجہ کمار اس سے ذرا تھوڑی تعداد کو ہمراہ لئے ہوئے چلا جارہا تھا۔ اس طرح آہستہ آہستہ چلتے چلتے ہرش کمار اور تمام خدم وحشم نوّے دن کے سفر کے بعد قنوج پہنچے۔ اور وہاں فروری یا مارچ [1] ۶۴۳ء میں اقامت پذیر ہوئے۔ ہرش کا استقبال کامروپ کے راجہ کمار نے جو اس کے ساتھ ہی ساتھ آیا تھا۔ مغربی ہند کے ولبھی کے راجہ نے جو ہرش کا رشتہ دار تھا اور اٹھارہ دوسرے باجگذار راجاؤں نے کیا۔ اس کے علاوہ چار ہزار بھکشو جن میں ایک ہزار کے قریب بہار کی نالندا کی خانقاہ سے آئے۔ تین ہزار جین اور ہندو اس کی پیشوائی کے لیئے آئے ؛

رسوم

توجہ کے قابل خاص چیز ایک زبردست خانقاہ تھی جو اس مصرف کے لئے دریائے گنگا کے کنارے پر تعمیر کی گئی تھی۔ یہاں بدھ کا ایک طلائی بت جو بلندی میں راجہ کے قد کے برابر تھا ایک (۱۰۰) فیٹ بلند برج میں رکھا ہوا تھا۔ اسی قسم کا مگر اس سے بہت چھوٹا بت جو تین فیٹ بلند تھا ہر روز بڑے طمطراق سے گشت کے لئے اس طرح نکالا جاتا تھا کہ بیس راجہ اور تین ہاتھیوں کی ایک قطار اس کے جلو میں ہوتی تھی۔ شامیانے کو خود ہرش اپنے ہاتھ سے سکر دیوتا کے لباس میں ملبوس اٹھاتا تھا۔ اور اس کا حلیف کامروپ کا راجہ کمار جو تمام حاضرین راجاؤں سے مرتبے میں سب سے بڑا تھا۔ برہما کا لباس پہنے۔ ایک سفید چنور سے اس کی مکھیاں جھلتا تھا۔ راستے میں چلتے چلتے راجہ ہر طرف "سہ رتن" یعنے بدھ۔ مذہب اور رہبانیت کے نام پر موتی۔ طلائی پھول۔ اور دیگر قیمتی اشیاء نچھاور کرتا جاتا تھا۔ اور آخر میں ایک

[1] "موسم بہار کا دوسرا مہینہ تھا" (بیل۔ ریکارڈس جلد اول صفحہ ۲۱۸)؛

خاص قربان گاہ کے سامنے جو اسی مقصد کے لئے بنائی گئی تھی اپنے ہاتھ سے اس بت کو دھوتا۔ اور کندھے پر اٹھا کر مغربی برج کی طرف لے جاتا۔ وہاں پہنچنے پر ہزار ہا ریشمی خلعتیں مرصع بہ جواہر اس پر سے خیرات اتارتا۔ کھانا کھانے کے بعد ایک عام مناظرہ منعقد کیا جاتا۔ جو ایسا ہی یکطرفہ ہوتا تھا جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا۔

ہرش کے قتل کی کوشش

یہ تمام رسوم جو بہت دنوں تک جاری رہے۔ آخر چوکنا ہوشیار کرنے والے واقعات پر جا کر ختم ہوئے۔ دفع الوقتی کے لئے جو خانقاہ بصرف زر کثیر بنائی گئی دفعتاً اس میں آگ لگ گئی۔ اور اس کا بڑا حصہ برباد ہو گیا۔ لیکن جب خود راجہ نے اس کے فرو کرنے میں مدد دینی شروع کی تو آگ جلدی بجھ گئی۔ اور دیندار لوگوں نے اس کو اس کا معجزہ قرار دیا۔

ہرش بہت سے شہزادوں اور راجاؤں کو ساتھ لے کر اس تمام نظارے کو دیکھنے کے لئے ستوپ کی چھت پر چڑھا تھا۔ اور وہاں سے نیچے اتر ہی رہا تھا جب اچانک ایک مخبوط الحواس شخص خنجر ہاتھ میں لئے اس پر جھپٹا اور اس کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ قاتل کو فوراً گرفتار کر لیا گیا۔ اور جب بادشاہ نے بذات اس پر جرح کرنی شروع کی تو اس نے اقبال کیا کہ اسے بعض ایسے مرتدین نے شہ دے کر اس جرم کے ارتکاب پر آمادہ کیا تھا جو بدھ مذہب والوں کے مورد عنایات شاہی ہونے پر حسد کرتے تھے۔ اس پر پانچ سو مشہور برہمنوں کو قید کر لیا گیا۔ اور جب ان سے "جکڑ بند کر کے" سوال و جواب کیئے گئے تو انھوں نے اقبال کیا کہ اپنے حسد کی آگ بجھانے کے لئے انھوں نے خانقاہ کو آگ لگائی تھی۔ اور اس وقت جو افراتفری مچے اس سے فائدہ اٹھا کر بادشاہ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ یہ اقبال جرم بلا شک و شبہ تعذیب کے ذریعے سے حاصل کیا گیا تھا۔ غالباً بالکلیہ غلط تھا۔ مگر خواہ غلط ہو خواہ صحیح اس کو تسلیم کر لیا گیا۔ اور اس کی بنا پر سازش کے تمام

سرغنوں کو سزائے موت دی گئی - اور کم و بیش (۵۰۰) برہمنوں کو جلاوطن کر دیا گیا؛

سنہ ۶۴۳ء - پریاگ کے مقام پر خیرات -

قنوج میں کل کام کے ختم ہو جانے کے بعد ہرش نے چینی جاتری کو اپنے ساتھ دریائے گنگا اور جمنا کے سنگھم پر پریاگ (الٰہ آباد) کے مقام پر چلنے کے لئے دعوت دی تاکہ وہ وہاں کی موثر اور پرشکوہ رسوم کا بھی معائنہ کر سکے - اگرچہ جاتری وطن کی طرف واپس روانہ ہونے کا خواہشمند تھا - لیکن پھر بھی وہ اس دعوت سے انکار نہ کر سکا اور اپنے بادشاہ میزبان کے ساتھ مقام اجتماع کو چلا گیا - ہرش نے اس کو بتلایا کہ گذشتہ تیس برس سے اپنے آباؤ اجداد کی رسم کے مطابق اس کا یہ معمول رہا ہے کہ ہر پانچویں برس ان دونوں دریاؤں کے مقام اتصال پر ریتی میں ایک زبردست مجلس منعقد کیا کرتا تھا - اور وہاں تمام جمع شدہ خزائن و ذخائر کو محتاجوں - غریبوں اور ہر مذہب کے علماء میں تقسیم کیا کرتا تھا - موجودہ موقعہ (سنہ ۶۴۳ء) اس سلسلے میں چھٹا تھا - اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ دستور اس وقت تک شروع نہ ہوا تھا جب تک کہ ہرش نے شمالی ہند کو زیر نگین نہیں کر لیا؛

روئداد عمل -

اس مجلس میں تمام باجگذار راجہ حاضر تھے اور عوام کی ایک بڑی تعداد جو تخمیناً (۵۰۰۰۰) بیان کی جاتی ہے اور جس میں غریب - یتیم - اور محتاج - اُن برہمنوں اور سنیاسیوں کے علاوہ شامل تھے جن کو خاص اسی مقصد کے لئے شمالی ہند کے اطراف سے بلایا گیا تھا - مجلس کا کام پچھتر روز تک جاری رہا - اور غالباً اپریل کے آخر میں جا کر ختم ہوا - کارروائی کا آغاز ایک شاندار جلوس کے ساتھ کیا گیا جس میں تمام راجہ مع اپنے خدم و حشم کے شامل تھے - مذہبی رسوم میں اس زمانے کے عقائد و خیالات کا ایک عجیب و غریب پرتو پایا جاتا تھا - پہلے دن بدھ کی مورت ایک ریتی میں ایک مسقف عمارت

میں رکھی گئی۔ اور بیش بہا کپڑے اور دوسری قیمتی چیزیں تقسیم کی گئیں۔ دوسرے اور تیسرے دن علی الترتیب سورج اور شو کے ساتھ یہی سلوک کیا گیا۔ مگر ان کی خیرات بدھ کی خیرات کی مقدار سے نصف تھی۔ چوتھا دن بدھ مذہب کے دس ہزار مخصوص بھکشوؤں کو خیرات اور تحائف دینے میں صرف کیا گیا۔ ان میں سے ہر ایک نے سو اشرفیاں۔ ایک موتی۔ اور سوتی لباس اور ان کے علاوہ بہت عمدہ غذائیں اور شربت پھول اور عطریات تحفے میں پائے۔ اس کے بعد کے بیس دنوں میں بے شمار برہمنوں کو شاہی عطیات سے سرفراز کیا گیا۔ اس کے بعد وہ لوگ آئے جن کو چینی مصنف ملحدین کہتا ہے۔ یہ جین اور دوسرے مختلف فرقوں کے پیرو تھے۔ اور ان دس دن تک ان میں خیرات تقسیم ہوئی۔ اتنا ہی زمانہ ان فقیروں میں خیرات کرنے میں لگا جو دور و دراز مقامات سے آئے تھے۔ ایک مہینہ غریبوں۔ محتاجوں اور یتیموں کو امداد پہنچانے اور خیرات تقسیم کرنے میں صرف ہوا۔

خیرات کی مقدار

"اس تمام عرصے میں پانچ سال کی جمع پونجی سب کی سب صرف ہوگئی اور سوائے گھوڑوں۔ ہاتھیوں اور فوجی اسلحہ اور ساز و سامان کے جن کی ضرورت امن و امان کے قائم رکھنے اور سلطنت کی حفاظت کی وجہ سے پڑتی تھی کچھ باقی نہ رہا۔ ان کے علاوہ بادشاہ نے نہایت کشادہ دلی سے بلا ردو قدح اپنے جواہرات۔ اور مال و اسباب۔ کپڑے۔ گلوبند۔ بالے کنگن۔ مالے۔ گلے میں پہننے کے زیورات اور سر پر لگانے کے جواہرات سب کچھ دے ڈالے۔ اور جب سب کچھ دیا جا چکا تو اس نے اپنی بہن (راجیاسری) سے ایک پرانا لباس مانگ کر پہنا اور "وہ عالم کے

بدھوں کی "پرستش کی۔ اور خوش ہوا کہ اس کا خزانہ
دین کے کاموں میں صوارت ہوا۔"

ہیون سانگ کی رخصت۔

اس کے بعد یہ عجیب و غریب مجلس جو بادی النظر میں بہت کچھ اسی بھیٹر بھڑکے کے میلے کے مشابہ ہو گی جو آج کل بھی اس مقام پر لگتا ہے۔ ختم ہو گئی۔ اور ہیون کو دس دن اور رہ گئے کے بعد اس کو واپس جانے کی اجازت دی گئی۔ راجہ اور کمار راجہ نے بمقدار کثیر سونا اس کے سامنے پیش کیا۔ مگر اس نے کمار راجہ کی دی ہوئی ایک پوستین کی ٹوپی کے سوا اور کچھ قبول نہ کیا۔ اگرچہ جاتری نے اپنے ذاتی منافع کے لئے روپیہ لینے سے سراسر انکار کیا۔ لیکن چین کی طرف اپنے دشوار اور مشکل سفر کے اخراجات کے لئے رقم قبول کرنے میں بالکل تامل نہ کیا۔ اور اس کا انتظام بھی نہائت کشادہ روئی سے کیا گیا۔ چنانچہ ایک ہاتھی پر لاد کر تین ہزار طلائی اور دس ہزار نقرئی سکے اس کے ہمراہ کر دئے گئے۔ ادھت نام راجہ کو حکم ہوا کہ ایک دستے کو ساتھ لے کر جاتری کو سرحد تک پہنچا آئے۔ آہستہ آہستہ راستہ طے کرنے اور منازل میں طویل قیام کرنے کے بعد تقریباً چھ ماہ کے عرصے میں راجہ اپنے فرض سے سبکدوش ہوا اور اپنے بادشاہ کے مہمان کو امن و امان سے پنجاب کے مشرق میں جالندھر کے مقام تک پہنچا گیا۔ جہاں ہیون سانگ نے ایک ماہ قیام کیا۔ یہاں سے وہ ایک نئے طلیعہ کے ساتھ روانہ ہوا۔ اور نمک کے کوہستان کو بمشکل قطع کرنے کے بعد دریائے سندھ کو عبور کیا اور انجام کار پامیر کی سطح مرتفع پر سے گذرتا اور ختن میں سے ہوتا ہوا ۶۴۵ء؁ کے موسم بہار میں اپنے وطن چین پہنچ گیا[1]

---

[1] یون۔ چانگ چین کو واپس ہوا۔ اور ۶۴۵ء؁ کے شروع اور ٹنگ۔ تائی۔ تسنگ کی حکومت کے انیسویں سال چینگ۔ آن پہنچا (واٹرس۔ جلد اول صفحہ ۱۱)۔ دیکھو نقشہ جو واٹرس کی جلد دوم کے ساتھ ملحق ہے۔

اس کی موت

جاتری خالی ہاتھ وطن واپس نہ گیا تھا۔ اتفاقات یا رہزنی کی وجہ سے متعدد مرتبہ نقصانات برداشت کرنے کے باوجود وہ بدھ کے جسم کے ڈیڑھ سو ریزے بطور تبرکات اپنے ساتھ لانے میں کامیاب ہوا۔ ان کے علاوہ سونے اور چاندی کی بنی ہوئی بدھ کی چند مورتیں۔ اور (۶۵۷) قلمی نسخے جو بیس گھوڑوں پر لدے ہوئے تھے اس کے ساتھ آئے۔ اس کی باقی ماندہ زندگی ان ہی کتابوں کے ترجمے کرنے میں صرف ہوئی۔ اور ۶۶۴ء میں جب اس نے آخری مرتبہ قلم ہاتھ سے رکھا ہے تو وہ چوہتر کتابوں کا ترجمہ مکمل کر چکا تھا۔ اس کے بعد وہ تین سال اور عزت و احترام کے ساتھ زندہ رہا۔ اور جب مرا تو ایسی شہرت اپنے پیچھے چھوڑ گیا کہ کوئی بدھ مذہب کا عالم اس میں اس سے گوئے سبقت نہیں لے جا سکتا۔

۶۴۷ء ہرش کی موت۔

ہیون سانگ کے سفرنامے اور اس کے سوانح نگار کے صفحوں میں راجہ ہرش کی زندگی کے آخری واقعات کا پتہ ملتا ہے۔ اور وہ بھی اپنے دوست کے رخصت ہونے کے تھوڑی مدت بعد ہی ۶۴۶ء کے آخر یا ۶۴۷ء کے شروع میں مر گیا۔

چین سے تعلقات۔

اپنی زندگی کے زمانے میں اس نے سلطنت چین کے ساتھ سیاسی تعلقات قائم کئے۔ ایک برہمن سفیر جس کو ۶۴۱ء میں اس نے چین کے شہنشاہ کے پاس روانہ کیا تھا ۶۴۳ء میں واپس آیا۔ اور اس کے ہمراہ ایک چینی سفارت بھی تھی جو ہرش کی مراسلت کا جواب لے کر آئی تھی۔ یہ سفارت معتدبہ مدت تک ہندوستان میں رہی۔ اور ۶۴۵ء سے پہلے واپس نہیں گئی۔ اس کے دوسرے سال ونگ۔ ہیون۔ لتسے کی سرکردگی میں جو پہلے سفارت کے موقع پر افسر اعلیٰ کا مددگار تھا۔ تین سواروں کی معیت میں ایک اور سفارت ہندوستان کی طرف روانہ کی۔

۶۴۷ء کے شروع یا غالباً ۶۴۶ء کے اواخر میں راجہ لاوارث مر گیا۔ اس کی زبردست شخصیت کے غائب ہو جانے سے تمام ملک میں ابتری اور بے چینی پھیل گئی۔ اور قحط کی وجہ سے اس میں اور زیادہ ترقی ہوئی ؛

متوفی بادشاہ کے ایک وزیر ارجن یا اُرنا نے سونے کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ اور "وحشیوں" کی ایک فوج لے کر چینی سفارت کے مقابلے کے لئیے روانہ ہوا۔ طلیعہ کے لوگوں کو قتل و قید کیا گیا۔ اور سفارت کے مال واسباب کو جس میں وہ تحائف بھی شامل تھے جو ہندی راجاؤں کی طرف سے دئیے گئے تھے لوٹ لیا۔ مگر خوش قسمتی سے دو سفیر ونگ۔ ہیون تسے اور اس کا مددگار رات کے وقت نیپال کی سرحد میں بھاگ کر نکل گئے ؛

چینی سفیر کے ہاتھوں غاصب کی شکست۔

تبت میں اس وقت مشہور و معروف بادشاہ سرانگ۔ لتسن۔ گمپو بر سر حکومت تھا اور اس نے چین کی ایک شہزادی سے شادی کی تھی۔ اس بادشاہ نے ان دونوں پناہ گزینوں کی مدد کی اور بارہ سو چیدہ سوار مع نیپال کی (۷۰۰۰) امدادی فوج کے (کیونکہ اس زمانے میں نیپال تبت کا باجگذار تھا) ان کو دے کر روانہ کیا۔ اس مختصر سی فوج کو لے کر ونگ۔ ہیون۔ تسے میدان میں اترا۔ اور تین ہی دن کے محاصرے کے بعد اس نے ترہت کے صدر مقام پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ محصور فوج میں سے تین ہزار قتل کئیے گئے۔ اور دس ہزار قریب کے دریا غالبًا باگمتی میں غرق ہو گئے۔ (؟) ارجن مفرور ہو گیا۔ اور ایک نئی فوج جمع کر کے پھر جنگ کا قصد کیا۔ مگر اس کے بعد پھر شکست فاش کھائی اور گرفتار ہوا۔ فاتح نے فوراً ایک ہزار قیدیوں کا قتل عام کیا۔ اور بعد کی ایک جنگ میں تمام شاہی خاندان کو قید کیا بارہ ہزار لوگوں کو گرفتار کیا۔ اور تیس ہزار سے زیادہ گھوڑے اور مویشی اس کے ہاتھ آئے۔ اس مہم کے عرصے میں پانچ سو اسی (۵۸۰) قلعہ بند شہروں نے اس کی اطاعت قبول کی۔ اور مشرقی ہند کے راجہ کمار نے جو چند سال

قبل ہی ہرش کی مجلسوں میں شریک رہا کرتا تھا۔ فاتح فوج کے لئے کثیر تعداد میں مویشی۔ اور فوجی سامان ساز و یراق بہم پہنچایا۔ ونگ۔ ہیون تسے غاصب کو اپنے ساتھ ہی چین لیتا گیا اور وہاں اس کارنامے کے بدلے میں اس کی عزت افزائی کی گئی۔ آخر میں ۶۵۰ء میں جب تتا۔ تسنگ مرا اور اس کا مقبرہ تیار ہونے لگا تو عمارت کے دروازے پر تبت کے بادشاہ سرانگ۔ تسن۔ گمپو اور اس غاصب (؟) ارجن کے بت نصب کئے گئے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عرصے تک ترہت تبت ہی کے ماتحت رہا۔ جو اس وقت ایسی قوی سلطنت تھی کہ چین کی مدمقابل مانی جاتی تھی۔ اس طرح اس عجیب و غریب حکایت کا خاتمہ ہوا۔ جس سے اگرچہ ماہرین علم قدیم برسوں سے واقف تھے مگر اب تک مورخین ہند کی نظر سے اوجھل تھی۔[1]

ونگ۔ ہیون تسے کی تیسری مرتبہ آمد

ایک مرتبہ اور ونگ۔ ہیون۔ تسے اپنے پرانے کارناموں کے مقامات کی طرف آیا کیونکہ ۶۵۷ء میں اس کو اس کے بادشاہ نے بدھ مذہب کے مقدس مقامات میں خلعتیں بانٹنے کے لئے نامزد کیا۔ وہ براہ لہاسہ جو اس وقت بالکل کھلا ہوا تھا اور اس سے قبل بہت سے چینی جاتریوں نے اسے استعمال بھی کیا تھا۔ نیپال ہوتا ہوا ہندوستان میں داخل ہوا۔ اور ویسالی۔ بودھی گیا۔ اور دوسرے مقدس مقامات کی زیارت کے بعد کپس یا شمالی افغانستان ہوتا ہوا ہندوکش اور پامیر کے راستے سے وطن واپس چلا گیا۔[1]

---

[1] ونگ۔ ہیون تسے کی حکایت نے اپنے مضمون "لیس شہزدی ونگ۔ ہیون تسے ڈلنس ان انڈ" (ج۔ ایشیاٹک ۱۹۰۰ء) میں بہ تفصیل بیان کی ہے۔ اور اس کا انگریزی ترجمہ انڈین انٹی کویری ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۱۱ وغیرہ میں شائع ہوا ہے۔ اس غاصب کا نام چینی کتاب میں ا۔ لو۔ نا۔ شون لکھا ہے جو ارجن بھی بن سکتا ہے

کشمیر ساتویں صدی میں

ہیون سانگ کے بیانات سے ہرش کی سلطنت کے حدود کے باہر ساتویں صدی میں ہندوستان کی سیاسی حالت پر بہت روشنی پڑتی ہے۔ شمال میں کشمیر کی طاقت بہت بڑھ گئی تھی۔ اور اس نے ٹکسلا۔ سمہپور (کوہستان نمک) اور دوسری پہاڑی ریاستوں[1] کو زیر نگیں کر کے اپنا باجگذار کر لیا تھا۔

پنجاب

دریائے سندھ اور بیاس کے درمیان پنجاب کا بڑا حصہ ایک سلطنت میں شامل تھا جس کو جاتری تسہ۔ کیا یا چیہ کا کہتا ہے۔ اس کا صدر مقام ایک بے نام و نشان شہر تھا۔ جو ساکل (سیالکوٹ) کے پاس جو کسی زمانے میں مہر گل کا مستقر رہ چکا تھا واقع تھا۔ ملتان کا صوبہ جہاں سورج دیوتا کی پرستش کا زور و شور تھا۔ اور پو۔ فا۔ تو نامی ایک ملک جس سے غالباً ملتان کے شمال مشرق میں جموں مراد ہے اسی سلطنت کے ماتحت تھے۔

سندھ

اس وقت سندھ میں عجیب و غریب بات یہ تھی کہ وہاں کا راجہ ذات کا شودر اور بدھ مذہب کا پیرو تھا۔ اور بھکشوؤں کی زبردست تعداد تھی جن کو ملک کی طرف سے مدد پہنچتی تھی۔ یہ تعداد تخمیناً (۱۰۰۰۰) تھی۔ مگر جیسی تعداد تھی ویسے ان کے صفات نہ تھے۔ کیونکہ ان دس ہزار میں بڑی تعداد کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ کاہل الوجود۔ عیاش اور عشرت پسند تھے۔ دریائے سندھ کا نکونی علاقہ جس کو جاتری او۔ تیئن۔ پو۔ چی۔ لو کہتا ہے سندھ کی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: ۔۔۔اور ارناسو بھی ہو سکتا ہے۔ لفٹننٹ کرنل وڈیل کا قابل قدر مضمون "دی ٹبٹن انویژن آف انڈیا ان ۶۴۷ء اینڈ اٹس ریزلٹس" (ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو۔ جنوری ۱۹۱۱ء) میں اس زمانے میں تبت کی اصلی حالت اور حیثیت کو ظاہر کیا ہے اور ہرش کی موت کے سنہ کی تصحیح کی ہے۔

[1] ارسا (یا ہزارہ)۔ پرنوتس (یا پونچھ)۔ راجپوری (راجوری) یعنی قدیم ابھار۔

سلطنت ہی کا ایک صوبہ تھا[1]

اس کا دار السلطنت الور۔

دوسرے ذرائع سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کی سلطنت جس کے ماتحت بلوچستان کا علاقہ بھی تھا۔ اس زمانے میں دولتمند اور قوی تھی۔ اور آج کل کے زمانے کی بہ نسبت کہیں زیادہ سرسبز و شاداب اور معمور تھی۔ اس میں کوہستان نمک سے لے کر سمندر تک دریائے سندھ کی تمام وادی شامل تھی۔ اصلی ہندوستان اور اس کے درمیان "گم شدہ دریا" یعنی ہکرا۔ یا دہندہ جس کو ہیون سانگ سن تو نے لکھا ہے حد فاصل تھا۔ اس کا دار السلطنت جس کا نام جاتری نے پئی۔شن۔پو۔پو۔لو لکھا ہے ہکرا کے مغربی کنارے پر ارور یا الور تھا۔ یہ ایک قلعہ بند اور وسیع شہر تھا جس کے کھنڈر اب بھی ضلع سکھر میں رُوہی کے مقام سے پانچ میل جنوب مشرق (شمالی عرض بلد ۲۷° - ۳۹ - مشرقی طول بلد ۶۸° - ۵۹) میں پائے جاتے ہیں۔ ایک حکایت کے مطابق اس شہر کو ۸۰۰ء میں سیف الملک نامی ایک تاجر نے اس طرح برباد کیا کہ ایک خوبصورت لڑکی کو عیاش راجہ کے پنجے سے چھڑانے کے لئے اس نے دریا کا رخ اس طرح بدل دیا اور شہر کو تباہ کر دیا۔

راجگان سندھ

جاتری نے شودر ذات کے بدھ مذہب کے راجہ کا ذکر کیا ہے وہ یقیناً دیوجی کا بیٹا سہرس رائے تھا۔ جس کے بعد اس کا بیٹا ساہسی اس کا جانشین ہوا۔ سہرس رائے کے

---

[1] نتیہ۔ کیا اور یو۔ فا۔ تو اور آو۔ تیئن پُو۔ چی۔ لو سے جو ہندی نام مراد ہیں۔ ان کا صحیح اندازہ بالکل نہیں ہو سکتا۔ سندھ کے بہت سے ستوپ اور بدھ مذہب کے آثار جو اب تک بالکل نظر انداز کر دیئے گئے تھے۔ اب دریافت ہوتے جاتے ہیں۔ (آرکی آلوجیکل سروے۔ آف ویسٹرن انڈیا۔ پروگرس رپورٹ سنہ ۱۰-۱۹۰۹ء صفحہ ۴۰)

زمانے میں ہی عربوں کی فاتح اور منصور فوج اپنے تازہ جوش و خروش کو پہلو میں لیئے ہوئے مکران (بلوچستان) میں داخل ہوئی۔ سہرس رائے نے ان کا مقابلہ کیا۔ شکست کھائی اور مارا گیا۔ اس کے تقریباً دو برس بعد ۶۴۴ء کے آخر میں حملہ آوروں نے مستقل طور پر مکران پر قبضہ کر لیا۔ اور راجہ کے بیٹے اور جانشین ساہسی نے بیرونی دشمن کا مقابلہ کیا تو اس کا حشر وہی ہوا جو اس سے پہلے اس کے باپ کا ہو چکا تھا۔ اس کے بعد عنان حکومت چچ نام ایک برہمن وزیر کے ہاتھ میں گئی۔ جس نے چالیس برس تک حکومت کی۔ سندھ پر عربوں نے ۷۱۰ء یا ۷۱۱ء (۹۲ھ) میں محمدؐ ابن قاسم کے ماتحت حملہ کیا۔ اور اس نے جون ۷۱۲ء میں چچ کے بیٹے راجہ داہر کو شکست دے کر قتل کیا۔ اس سنہ کے بعد سندھ کی ہندو سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور یہ صوبہ مستقل طور پر مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا[1]۔

وسط ہند۔ اجین اور وسط ہند کی دوسری سلطنتوں کے راجہ جو غالباً کم و بیش ہرش کے ماتحت تھے برہمنوں کی ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ اجین کے علاقے میں بڑی گھنی آبادی تھی۔ اور بدھ مذہب کے پیرووں کی تعداد بہت کم تھی۔ بہت سی خانقاہیں بالکل ویران اور غیر آباد پڑی ہوئی تھیں۔ اور صرف تین یا چار جن میں تقریباً تین سو بھکشو رہتے تھے آباد تھیں۔ اس علاقہ میں۔ جس کو اشوک کی زندگی سے خاص تعلق اور سانچی کی عظیم الشان

---

[1] ریورٹی:۔ نوٹس آن افغانستان صفحہ ۵۷۰ - ۵۶۶ و ۶۶۳ - جے۔ اے۔ ایس بی حصہ اول (۱۹۰۲ء) صفحہ ۲۳۳ - ۲۳۹ - ۲۵۱ - ایلیٹ ہسٹری آف انڈیا جلد اول - حاشیہ نمبر بی - صفحہ ۵۰۴ - ریورٹی کے بیانات ایلیٹ سے زیادہ صحیح ہیں - اور موخر الذکر سے بعض غلطیاں رہ گئی ہیں۔ صفحہ ۵۰۴ پر جس نام کو ایلیٹ نے "کنوج" لکھا ہے وہ اصل میں ملتان کا ملحق علاقہ قِنُّوج تھا۔

عمارات سے خاص وقعت حاصل تھی۔ بدھ مذہب کا یہ زوال و انحطاط ایک عجیب و غریب واقعہ ہے۔ جو اب تک سمجھ میں نہیں آیا۔

کامروپ۔ کامروپ یا آسام کا بھاسکرورمن یا کمار راجہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ذات سے برہمن تھا۔ اور باوجودیکہ ہر ایک قسم کے علماء کی سرپرستی کے لئے تیار رہتا تھا۔ مگر بدھ مذہب سے اس کو علاقہ نہ تھا۔ لیکن شمالی ہند کے راجہ ادھیراج کا وہ اس درجہ مطیع تھا کہ وہ ہرش کے احکام کی خلاف ورزی نہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ ہرش کے تمام رسوم کی ادائی میں وہ برابر شریک رہا تھا۔[1]

کلنگ۔ کلنگ کا علاقہ جس کی فتح سے اشوک کو نو سو برس میں اس قدر روحانی تکلیف اٹھانی پڑی تھی۔ اب بالکل غیر آباد پڑا تھا۔ اور اس کا بڑا حصہ گھنے جنگل سے ڈھکا ہوا تھا۔ جاتری نے اپنی دلاویز طرز تحریر میں لکھا ہے کہ "قدیم زمانے میں کلنگ کی سلطنت میں گھنی آبادی تھی۔ ان کے ہاں کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ اور ان کی رتھوں کے دھرے ایک دوسرے سے ٹکرایا کرتے تھے۔ اور جب وہ اپنی آستینیں اٹھاتے تھے تو اچھا خاصہ ایک خیمہ بن جاتا تھا" اس تباہی اور بربادی کی وجہ روایتاً ایک ناراض ولی اللہ کی بددعا تھی۔

دوسری سلطنتیں کشمیر۔ نیپال۔ اور مغرب و جنوب کی سلطنتوں کا حال ہیون سانگ نے لکھا ہے اس کا ذکر آئندہ ابواب میں

---

[1] بھاسکرورمن کی ایک تاریخ دسنہ کا تانبے کی لوح پر کندہ کیا ہوا کتبہ "دکن ریویو" جون ۱۹۱۳ء میں شائع کیا گیا ہے۔ اس واقعے سے کہ راجہ کے احکام بنگال میں اس کے صدر مقام کرن۔ سورن سے نافذ کیے جاتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہرش کی ماتحتی میں بنگال پر بھی حکمران تھا۔

اپنی اپنی جگہ پر آئے گا۔

ہرش کی موت کا اثر

ہرش کی موت نے نفاق وشقاق کی ان تمام قوتوں کا شیرازہ توڑ دیا جو ہندوستان میں ہر وقت موجود اور کام کے لیئے مستعد رہتی ہیں۔ اور بند کے ٹوٹنے کا جو فطری اثر ہوا کرتا ہے وہ ہی ہوا۔ تمام سلطنت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہوگئی۔ جن کی حدود کبھی مستقل نہ ہوتی تھیں۔ اور ہر ایک دوسرے سے ہمیشہ دست وگریباں رہتی تھیں۔ چوتھی صدی قبل مسیح میں جب ہندوستان اول اول مرتبہ یورپی اقوام کے پیش نظر ہوا ہے۔ تو اس کی یہی حالت تھی۔ اور یہی حالت اس کی ہمیشہ رہی ہے۔ سوائے مقابلتاً مختصر زمانوں کے جب کہ کسی قوی شوکت مرکزی حکومت نے تمام باہم مخالف اجزاء وعناصر ملکی کو اپنی گردشوں اور انقلابات کے ختم کر دینے اور کسی زبردست طاقت کی فرماں برداری کرنے پر مجبور کیا۔

ہندوستان کی طبعی حالت

ہنوں کی یورش اور حملے کی وجہ سے ملک نے اس قدر مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کی تھیں کہ ہرش کی خود مختارانہ حکومت کو غنیمت اور نعمت غیر مترقبہ سمجھا۔ جب وہ مرا ہے تو بیرونی حملہ آوروں کے آنے کی وجہ سے ملک میں جو ناسور پیدا ہو گئے تھے ان کا اندمال ہو چکا تھا۔ اور بیرونی حملہ آوروں کے خوف سے نجات کلی کے احساس نے اب لوگوں کو کسی نجات دہندہ سے بالکل مستغنی کر دیا تھا۔ اور اسی وجہ سے اس کی موت کے بعد ہندوستان نے اپنی طبعی حالت کی طرف عود کیا۔ اور بد انتظامانہ خود مختاری حکومتیں قائم ہوگئیں۔

پانچ صدی تک بیرونی حملوں سے بالکلی نجات۔

آٹھویں صدی عیسوی میں عربوں کے سندھ اور گجرات میں محض مقامی حملوں کے سوا ہندوستان کا اندرونی حصہ ۵۲۸ء میں مہر گل کی شکست سے لے کر گیارھویں صدی

کے اوائل میں محمود غزنوی کی یورشوں تک تقریباً پانچ صدی کے دوران میں کسی زبردست بیرونی حملوں سے بالکل بے خطر رہا۔ اور اس عرصے میں اس کو آزادی حاصل تھی کہ وہ اپنی قسمت کا فیصلہ اپنے ہی ہاتھوں کرلے۔

انتظام مملکت۔ علم و ادب اور مذہب۔

سیاسیات میں کوئی ارتقاء واقع نہیں ہوا۔ کوئی بادشاہ ایسا فرزانہ اور لائق پیدا نہ ہوا جو چندر اگپتا موریا۔ اشوک۔ اور یا اس سے کم شاہان گپت۔ اور قنوج کے راجہ ہرش کی طرح تمام مخالف عناصر و اجزائے سیاسی کو ایک شیرازے میں جکڑ کے مستحکم کر دیتا۔ شمالی ہند میں سلطنت اعلیٰ قائم کرنے کی سب سے زیادہ کوشش قنوج کے راجہ مہر بھوج (تقریباً سنہ ۸۴۰ء سے سنہ ۸۹۰ء تک) نے کی۔ مگر بد قسمتی سے اس کے نظام سلطنت یا عادات و خصائل کے متعلق ہم کو کوئی معلومات دستیاب نہیں ہوئیں۔ مسلمانوں کے حملے کے بھاری صدمے نے بھی ان بے شمار ہندو ریاستوں میں کسی قسم کا اتحاد و اتفاق قائم نہ کیا۔ اور اس طرح یہ ریاستیں یکے بعد دیگرے عرب۔ ترک اور پٹھان جرگوں کا جن میں کم از کم مذہبی جوش ایک علت مشترک تھا بہ آسانی شکار ہو گئیں۔ علم ادب اگرچہ بکثرت پھیلا اور مقامی درباروں کی سرپرستی میں تھا اس معیار سے کہیں گھٹ گیا تھا جو کالی داس نے کسی زمانے میں حاصل کر لیا تھا۔ بدھ مذہب کے رفتہ رفتہ انحطاط سے ہندوستان کے مذہب پر برا اثر پڑا۔ یہ بدھ مذہب نامعلوم اثرات اور تبدیلیوں کی وجہ سے ہندو مت کے مختلف فرقوں میں ضم ہو گیا۔ صرف مگدھ اور گرد و نواح کے علاقے میں بدھ مذہب نے نئی نئی صورتوں میں چار سو سال (تقریباً سنہ ۸۰۰ء – ۱۱۹۳ء) تک دھرم پال اور خاندان پال کے جانشینوں کی سرپرستی کی وجہ سے اپنی اصلی طاقت برقرار رکھی۔

فنون لطیفہ

فن سنگتراشی اکثر جگہ تو ہندو دیوتاؤں کے بتوں کے بنانے اور بنگال میں تبدیل شدہ بدھ مذہب کی

خدمت گذاری میں صرف ہوتا تھا۔ اس کو مختلف کاری گروں نے متفرق شکلوں میں بہت کچھ ترقی دمی۔ زمانہ وسطیٰ کی ہندی سنگتراشی کی خوبصورتی اب تک زیر بحث رہی ہے۔ بعض نقادان فن تو اس کو ہندی طباعی کا انتہائی عروج سمجھتے ہیں۔ اور دوسرے اس کو محض مضحکہ انگیز خیال کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے زمانہ وسطیٰ کی مصوری کے تمام نمونے بالکل ضائع ہو گئے ہیں۔ اور اس لئے یہ کہنا بالکل ناممکن ہے کہ آیا مصوری میں ترقی ہوئی تھی یا زوال۔ لیکن بہرحال سکے ڈھالنے کے فن کا حال تو اس قدر خراب ہو گیا تھا کہ زمانۂ وسطیٰ کا کوئی سکہ ایسا نہیں ملا جس کو فن لطیفہ کے محاسن کے لحاظ سے خوبصورت کہا جا سکے۔

فن تعمیر لیکن فن تعمیر نہایت عالیشان معیار پر پہنچ چکا تھا۔ اکثر اس زمانے کی تعمیر شدہ بے شمار عمارات مسلمانوں کی طویل حکومت کے زمانے میں برباد ہو چکی ہیں۔ لیکن جو کچھ حصہ اب باقی رہ گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندو معمار عمارت کو شاندار طریقے سے شروع کرتے تھے اور اس عظمت و شان سے اختتام پر پہنچاتے تھے جس سے خواہ مخواہ ان کی داد دینی پڑے۔ اور آرائش و زیبائش کے افراط سے ان کو ہدف تیر ملامت بننا پڑا۔

چھوٹی چھوٹی ریاستیں آئندہ کے تین ابواب میں ان چھوٹی چھوٹی ہندی ریاستوں کے نمایاں حالات بیان کئے جائیں گے جو اس وقت قائم ہوئیں جب کہ ہندوستان کو صدیوں تک اپنی قسمت اپنے ہاتھ میں لینے کا موقع ملا تھا۔ ان حالات سے شاید ناظر کتاب کو اس حالت کا اندازہ ہو سکے گا کہ جب کبھی حکومت اعلیٰ کا ہاتھ اٹھ جائے تو ہندوستان پر کیا گذرتی تھی۔ اور اب بھی اگر موجودہ خود مختارانہ حکومت ذرا اپنا سایۂ عاطفت ہندوستان سے اٹھائے تو بہت ممکن ہے کہ اس کی وہی حالت پھر ہو جائے۔

ساتویں صدی عیسوی کی جدول سنین

سنہ عیسوی	واقعات
سنہ ۶۰۰	چینی جاتری۔ ہیون سانگ کی پیدائش ؛
تقریباً سنہ ۶۰۰	سسانک کے ہاتھوں بدھ مذہب کی ایذارسی ؛
سنہ ۶۰۵	تھانیسر کا راجہ راجیا وردھن تخت نشین ہوا ؛
سنہ ۶۰۶	تھانیسر کا راجہ ہرش وردھن تخت نشین ہوا ؛
سنہ ۶۰۶ - ۶۱۲	شمالی ہند کی ہرش کے ہاتھ فتح ؛
سنہ ۶۰۸	پلکیسن دوم چلوکیا کی تخت نشینی ؛
سنہ ۶۰۹	پلکیسن دوم چلوکیا کی تاجپوشی ؛
اکتوبر سنہ ۶۱۲	ہرش کی تخت نشینی۔ سنہ ۶۰۶ع اس کی سمت کا آغاز ؛
سنہ ۶۱۵	کبج وشنو وردھن (وشم سدھی) ونگی کا نائب السلطنت ؛
سنہ ۶۱۸	چین کے خاندان تنگ کا پہلا شہنشاہ کو۔ لتسو۔ تخت نشین ہوا ؛
سنہ ۶۱۹-۲۰	سسانک کا گنجام کے مقام کا کتبہ ؛
تقریباً سنہ ۶۲۰	پلکیسن دوم چلوکیا نے ہرش کو شکست دی ؛
سنہ ۶۲۲	سنہ ہجری کا آغاز ؛
سنہ ۶۲۷	چین کا شہنشاہ تیئے۔ تسنگ تخت نشین ہوا ؛
سنہ ۶۲۸-۶۲۹	بنسکھیرا کے مقام پر ہرش کا کتبہ ؛
سنہ ۶۲۹	ہیون۔ سانگ نے اپنی سیاحت شروع کی ؛
سنہ ۶۳۰	تبت کے بادشاہ سرانگ۔ لتن گمپو کی تخت نشینی ؛
سنہ ۶۳۰-۶۳۱	مدھوبن کے مقام پر ہرش کا کتبہ ؛
تقریباً سنہ ۶۳۵	ہرش نے ولبھی کو فتح کیا ؛

سنہ عیسوی	واقعات
سنہ ۶۳۶	الوپن نے چین میں نسطوری عیسائیت کو سب سے پہلے روشناس کرایا ؛
سنہ ۶۴۱	ہرش نے چین کو ایک سفارت روانہ کی تبت کے بادشاہ سرانگ تسن گمپو نے ایک چینی شہزادی سے شادی کی[ا] ساسانی بادشاہ یزدجرد کو عربوں نے نہاوند کے مقام پر شکست دی۔ عربوں نے مصر کو فتح کیا ؛
سنہ ۶۴۲	پلکیسن دوم چلوکیا کی موت ؛
سنہ ۶۴۳	ہرش کی فوجی مہم گنجام کی طرف۔ ہیون سانگ سے اس کی ملاقات۔ لی۔ آئی ساپیو۔ اور ونگ۔ ہیون تسے کی چینی سفارت ہرش کی قنوج اور پریاگ کی مجالس۔ ہیون سانگ کی واپسی ؛
سنہ ۶۴۵	ہیون سانگ کا چین میں واپس پہنچنا ؛
سنہ ۶۴۶	ونگ۔ ہیون۔ تسے کی دوسری چینی سفارت ؛
سنہ ۶۴۷	ہرش کی موت ؛
سنہ ۶۴۷-۴۸	(؟) ارجن کا غصب۔ چینیوں۔ نیپالیوں۔ اور تبتیوں کے ہاتھ اس کی شکست۔ ہیون سانگ کے سفرنامے کی اشاعت ؛
سنہ ۶۴۹	چین کے شہنشاہ تے۔ تسنگ کی موت۔ اور کو۔ تسنگ کی تخت نشینی ؛
سنہ ۶۵۷	ونگ۔ ہیون۔ تسے کی تیسری سفارت ؛
سنہ ۶۶۱-۶۵	چینی سلطنت کی انتہائے وسعت ؛
سنہ ۶۶۴	ہیون سانگ کی موت ؛
سنہ ۶۷۰	تبتیوں کے ہاتھ سے چینیوں کی شکست ؛
سنہ ۶۷۱	چینی جاتری آئی۔ تسنگ نے اپنی سیاحت شروع کی ؛
سنہ ۶۷۵-۸۵	آئی۔ تسنگ کا نالندا میں قیام ؛
سنہ ۶۹۱	آئی۔ تسنگ نے اپنے حالات تالیف کیے ؛
سنہ ۶۹۵	آئی۔ تسنگ چین کو واپس ہوا ؛
تقریباً سنہ ۶۹۸	تبت کے بادشاہ۔ سرانگ۔ تسن۔ گمپو کی موت ؛

[ا] یہ تاریخ وڈیل اور سرت چندر داس کے بیان کے مطابق ہے ؛

باب چہاردہم

زمانۂ وسطیٰ میں شمالی ہند کی سلطنتیں

از ۶۴۷ء تا ۱۲۰۰ء

الف

تبت اور چین سے تعلقات

ہندوستان کی شمالی سرحد پر چینی اثر۔

چینی حکومت کی اپنے دور ترین افتادہ مقبوضات کو بھی زیر تصرف رکھنے میں ضد اور الحاج کا ایک موجودہ نمونہ اس کے مسلمانوں سے کاشغر اور یونن۔ اور رویسولیا سے کلنج کے واپس لینے کا واقعہ ہے۔ اسی طرح ساتویں اور آٹھویں صدی کی تاریخ میں اسی عادت کی مثالیں ملتی ہیں۔ کہ چین نے انتہا درجے کی کوشش اپنا اثر باقی رکھنے۔ اور ہندوستان کی شمالی سرحد کے ملکوں پر اپنی حکومت برقرار رکھنے میں کی ؛

۵۵۶ء۔ ۵۰۲ء افتالوی سلطنت

چھٹی صدی کے نصف اول میں "مغربی ممالک" میں چین کی طاقت بالکل ختم ہو گئی تھی۔ اور افتالوی یا گورے ہنون نے ایک وسیع سلطنت قائم کرلی تھی۔ جس میں کاشغر (جس کو چینی مصنفین "چار محصور افواج" لکھتے ہیں) کشمیر[1]

[1] کی پن۔ اس نام سے وی خاندان کے زمانے (یعنے چھٹی صدی عیسوی کے چینی

اور پشاور کے گرد کا علاقہ گندھار شامل تھا ؛

۵۶۵ء مغربی ترکوں کی حکومت

تقریباً ۵۶۵ء ("۵۶۳-۵۶۷ء کے مابین") افتالوی سلطنت مغربی ترکوں اور ایرانیوں کے ہاتھ آئی۔ لیکن دریائے سیحون کے جنوبی صوبجات پر موخرالذکر طاقت کا قبضہ بہت جلد ڈھیلا پڑ گیا۔ اور انجام کار دریائے سندھ تک کے تمام افتالوی علاقے کے مالک و وارث ترک بن گئے۔ چنانچہ ۶۳۰ء میں جب ہیون سانگ ہندوستان آرہا تھا تو راستے میں اس کی حفاظت کا ذمہ مغربی ترکوں کے سردار "یا کزن" نے اپنا پروانہ راہداری نافذ کر کے لیا تھا۔ جس سے کپس کے علاقے تک اس کی سلامتی کا وہ ضامن ہو گیا تھا[۱] ؛

چینیوں کے ہاتھوں شمالی ترکوں کی شکست ۶۳۰ء

اس سال جاتری کا زبردست مربی قتل ہوا۔ اور چینیوں نے تنگ خاندان کے دوسرے بادشاہ تائی۔ تسنگ کی سرکردگی میں شمالی، یا مشرقی ترکوں کو ایسی شکست دی کہ مفتوح پچاس برس تک کے لئے چینیوں کے مطیع بن گئے ؛

۶۴۸ء۔ کچا وغیرہ کی چینی فتح

شمالی ترکوں کے خطرے سے بالکل مخلصی پانے کے بعد اب چینی اس قابل ہوئے کہ اپنی طاقت کو مغربی اقوام کے مقابلے میں استعمال کر سکیں۔ اور ۶۴۰-۸ء تک وہ ترفان۔ کرشہر اور کچا پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور اس طرح مشرق و مغرب میں تعلقات آمدورفت کے شمالی راستے پر متصرف ہو گئے ؛

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: ۔ مصنفین کی اصطلاح میں کشمیر مراد ہے۔ (جونیز: "یونگ ین" صفحہ ۳۷) ؛

[۱] کی-پن۔ جن تنگ خاندان کے زمانے یعنے ساتویں صدی عیسوی کے چینی مصنفین میں دریائے کابل کے شمالی علاقے یعنے کپس سے بالعموم مراد لی جاتی ہے ؛

تبت سے دوستانہ تعلقات۔

اس وقت تبت پر مشہور و معروف بادشاہ سرانگ تسن گمپو (سن جلوس ۶۳۰ء) حکمراں تھا جس نے ۶۳۹ء میں لہاسا کا شہر آباد کیا۔ بدھ مت کو پہلے پہل ملک میں روشناس کرایا۔ اور ہندی علماء کی مدد سے تبتی حروف تہجی کا اختراع کیا۔ ابھی وہ بالکل نوجوان ہی تھا کہ اس نے نیپال کے بادشاہ کی بیٹی بھر کُتِ سے شادی کی۔ اور دو سال بعد ۶۴۱ء میں بہت کچھ مشکلات کے بعد اپنی فتوحات کے ذریعے چینی شہنشاہ تائی۔ تسنگ کی بیٹی وین۔ چنگ سے شادی کرنے میں بھی کامیاب ہوا۔ اور کیونکہ دونوں خواتین بدھ مت کی نہایت سرگرم پیرو تھیں۔ اس لیئے انھوں نے اپنے نوجوان شوہر کا مذہب بھی جلد بدل دیا۔ اور اس طرح تبت کی تاریخ کا مستقبل بالکل بدل دیا۔ مذہب نے کبھی اپنے مربیوں کی خوبیوں کے اظہار سے پہلو تہی نہیں کی۔ چنانچہ اس بادشاہ کو بدھ کا اوتار۔ اَوَلوکیتسور یا نجات دہندہ تسلیم کیا گیا۔ اس کی نیپالی ملکہ جو "سبز تارا" اور چینی ملکہ کو "سفید تارا" کا خطاب دیا گیا۔ اس چینی شادی کا اثر یہ ہوا کہ سرانگ۔ تسن۔ گمپو کی زندگی کے زمانے میں ۶۹۸ء کے قریب اس کی موت تک چین اور تبت میں دوستانہ تعلقات قائم کر دیئے۔ اسی وجہ سے جب ۶۴۳۔۵ء میں چینی سفیر ہرش کے دربار کو آرہے تھے تو وہ متحد ممالک کے طور پر تبت اور اس کی باجگذار ریاست نیپال میں سے باآسانی گذر سکے اور جب ہرش کی موت کے بعد وَنگ۔ ہیون۔ تسے کا مصیبت سے سامنا ہوا تو ان دونوں ممالک نے اس کو چھڑانے کے لیئے افواج روانہ کر دیں[1]؛

---

[1] سرت چندر داس (جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ جلد اول حصہ اول (۱۸۸۱ء) صفحہ ۲۱۷ ۔ ۲۲۲)۔ ویڈل:۔ "بدھزم آف تبت آر لاما ازم" (۱۸۹۵ء صفحہ ۲۰۔ ۴۰۔ سرانگ۔ تسن۔ گمپو کی تاریخ پیدائش میں تبتی مورخین میں ۶۰۰ء سے ۶۱۷ء تک کا

سنہ ۶۵۹-۶۶۱ء چینی مغربی ترکوں کی سلطنت پر قابض ہوگئے۔

ترکوں کو مغلوب کرنے کا کام جسے شہنشاہ تائی تسنگ نے شروع کیا تھا۔ اس کے جانشین کو۔تسنگ (سنہ ۶۴۹ء سے سنہ ۶۸۳ء) نے جاری رکھا۔ اور سنہ ۶۵۹ء تک چین مغربی ترکوں کے تمام علاقے کا برائے نام مالک بن گیا۔ اور اسی سال اس کا الحاق چینی سلطنت کے ساتھ کرلیا گیا۔

سنہ ۶۶۱-۶۶۵ء میں چین کا رعب وداب بہت بڑھ گیا تھا۔ اور اس کی شان وطاقت اس قدر زیادہ ہوگئی تھی کہ اس کے بعد پھر کبھی اس کو حاصل نہیں ہوئی۔ کپس (کی۔پن) سلطنت کا ایک صوبہ بنا ہوا تھا۔ اور شہنشاہ کے دربار میں ادیان یا وادی سوات کے اور ایران سے لے کر کوریا تک کے تمام ممالک کے سفیر شامل تھے ؛

سنہ ۶۷۰ء کاشغر پر تبتیوں کا قبضہ

مگر سلطنت کی یہ عظمت وشان زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکی۔ سنہ ۶۷۰ء میں تبتیوں کے ہاتھ سے ایک شکست فاش کھانے سے چین کاشغر یا "چار محصور افواج" سے محروم کر دیا گیا۔ اور یہ علاقہ سنہ ۶۹۲ء تک فاتحوں کے ہاتھ میں رہا۔ مگر اس سنہ میں چینیوں نے اسے دوبارہ حاصل کرلیا ؛

سنہ ۶۷۴ء شمالی ترکوں کا آخری زوال۔

سنہ ۶۸۲ء اور سنہ ۶۹۱ء کے درمیان شمالی ترکوں نے سنہ ۶۳۰ء کی شکست سے کھوئی ہوئی طاقت کو بہت کچھ حاصل کرلیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ مغربی قبائل پر

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- اختلاف ہے۔ لیکن موخرالذکر تاریخ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اور اسی کو ایم۔ ایل ڈی ملو نے قبول کیا ہے۔ یہ مصنف لکھتا ہے کہ سرانگ۔تسن۔گمپو نے نیپالی اور چینی شاہزادیوں سے سنہ ۶۲۸-۳۱ کے درمیان شادی کی تھی۔ اس کے برخلاف ویڈل اور سرت چندرداس سنہ ۶۴۱ء پر متفق ہیں (ایل۔ڈی ملو :- بدھ پول آف تبت۔ پیرس سنہ ۱۹۰۶ صفحہ ۱۳۹ و ۱۶۳) چینیوں کے زعم میں انھوں نے تبتیوں کو شکست دی تھی۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ چینی شہنشاہ کبھی کسی مفتوح دشمن کو اپنی بیٹی نہ دیتا۔ اور یہ تو صریح ہے کہ چینی مورخین عادتاً اپنی تمام شکستوں کو فتوح ظاہر کرتے ہیں ؛

بھی اپنی نگرانی اور حکومت قائم کرنے میں تھوڑے بہت کامیاب ہو گئے تھے۔ مگر وسط ایشیا کی قومیں اندرونی نفاق و شقاق کی لعنت سے کبھی آزاد نہیں ہوئیں۔ اور چینیوں کو اس قومی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا ڈھنگ معلوم تھا۔ انھوں نے یوگر۔ اور کرلک قبائل کی مدد سے ان قبائلی قصبوں میں دست اندازی کی اور دخل دینا شروع کیا۔ اوراس میں وہ یہاں تک کامیاب ہوئے کہ سنہ ۷۴۴ء میں یوگر ترکی سلطنت کے مشرقی حصے دریائے ارخون پر مسلط ہو گئے۔ اور مغرب میں کرلک ”دہ قبائل“ کے علاقے پر قابض ہو گئے۔ اور جھیل ایسک کول کی مغرب میں ترکی سرداروں کی قدیم جائے سکونت تکمک اور تلس پر متصرف ہو گئے ؎

سنہ ۶۶۵ء سے سنہ ۷۱۵ء تک۔ چین اور مغرب کے مابین راستۂ آمدورفت بند ہو گیا۔

سنہ ۶۶۵ء اور سنہ ۷۱۵ء کے درمیان چین کی حکومت دریائے جیحون (سردریا) اور دریائے سندھ کے درمیانی ممالک کے معاملات میں دخل دینے سے بالکل معذور ہو گئی۔ جنوبی جانب سے براہ کاشغر مغرب کی طرف کے راستے کو تبتیوں نے بند کر دیا تھا۔ اور ہندوکش کا کوہستانی راستہ عرب قائد قتیبہ کی فتوحات کی وجہ سے جو اسی زمانے میں وسط ایشیا میں اسلام کے مذہب اور سلطنت کی توسیع میں مشغول تھا مسدود کر دیا ؎

سنہ ۷۱۵-۴۷ء ہندی سرحد پر چینی اثر کا احیاء۔

سنہ ۷۱۳ء میں ہیون تسنگ کی تخت نشینی سے چینی جدوجہد کا ازسرنو آغاز ہوتا ہے۔ اور اب جنگ اور سیاسی حکمت عملی کے ذریعے سخت ترین جدوجہد اس امر کی کی گئی کہ پامیر کے دروں کے راستے کو کسی طرح کھلا رکھا جائے اور عربوں اور تبتیوں کے زور کا جو اکثر متفق ہو جاتے تھے توڑ دیا جائے۔ سنہ ۷۱۹ء میں سمرقند اور دوسری سلطنتوں نے جو اسلامی افواج کی جھپیٹ میں آ گئی تھیں عربوں کے مقابلے کے لئے چین سے مدد مانگی۔

اور اس کے برخلاف عربوں نے ہندی سرحد کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں سے اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی۔ ادیان (سوات)۔ کھوتل (بدخشاں کے مغرب میں) اور چترال کے سردار مسلمانوں کی باتوں میں نہ آئے اور ان کو چین کے شہنشاہ نے اس کارگذاری کے عوض میں اسناد اور بادشاہ کا خطاب عطا کیا۔ اسی قسم کی عزت افزائی لسین۔ زابلستان (غزنی) اور کپس اور کشمیر کے بادشاہوں کی کی گئی۔ عربوں اور تبتیوں کے سدِباب کے لئے چین نے ان سرحدی ریاستوں کی تنظیم اور تنسیق میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ کشمیر کے راجہ چندرا پیڈ کو ۷۲۰ء میں شہنشاہ نے بادشاہ کا خطاب عطا کیا اور اسی طرح ۷۳۳ء میں اس کے بھائی لکتاپید کلِتاادت کی عزت افزائی کی گئی۔

اس کے چند سال بعد یعنی ۷۴۴ء اور ۷۴۷ء میں چین کی سلطنت کا اثر اس قدر وسیع ہو گیا تھا کہ شہنشاہ نے بحیرۂ خضر کے جنوب میں طبرستان کے بادشاہ تک کو خطابات عطا کئے۔ ۷۴۷ء میں ایک چینی فوج نے پامیر کی سطح مرتفع کو باوجود تمام مشکلات اور دشواریوں کے قطع۔ اور لسین کے بادشاہ کو زیر کیا۔

۷۵۱ء عربوں اور کرلک کے ہاتھوں چینیوں کی شکست فاش

لیکن ساتویں صدی عیسوی کی طرح آٹھویں صدی میں بھی مغربی ممالک پر چینی حکومت و تسلط کی مدت نہایت قلیل تھی۔ ان کی سلطنت ۷۵۱ء میں چینی سپہ سالار سین۔ جی کی کرلک کی مدد سے عربوں کے ہاتھوں شکست کھانے سے پاش پاش ہو کر رہ گئی۔ اس شکست کا اثر بالواسطہ یورپ کی تہذیب پر بھی پڑا۔ کاغذ بنانے کی صنعت جو اب تک دور افتادہ ملک چین کا اجارہ سمجھی جاتی تھی چینی قیدیوں کے ہاتھوں سمرقند میں پہنچی۔ اور وہاں وہ یورپ میں گئی۔ جس کا نتیجہ جو کچھ ہوا وہ ظاہر ہے[۱]۔

[۱] چین اور ہندوستان کی شمالی سرحدی ریاستوں کے تعلقات کا مذکورۂ بالا بیان

بدھ مذہب تبت میں۔

تھی (یا کھری)۔ سرانگ۔ دی۔ لتن کی مدت دراز تک حکومت (سنہ ۷۴۳–۷۸۹ء) کے دوران میں تبت کے ملک میں بدھ مذہب کی تبلیغ اس قدر جوش و خروش کے ساتھ کی گئی کہ اس میں ملک کے اصلی مذہب بون (یا پون) کی امداد ہی سے بھی کام لینے میں تامل نہ کیا گیا۔ ہندی علما سانت رکھشت اور پدم سمبھو کو شاہی دربار میں مدعو کیا گیا اور ان کی مدد سے مذہبی حکومت کا وہ نظام قائم کیا گیا۔ جو اب تک مذہب لاما کی صورت میں باقی ہے۔ تھی۔ سرانگ۔ دی۔ لتن کا کام رلپکن (سنہ ۸۱۶–۸۳۸ء) نے جاری رکھا اور اس میں ترقی دی۔ مگر اس کا جانشین لنگدرم بدھ مذہب سے متنفر تھا اور اس نے اس کی بیخکنی کے لیئے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ سنہ ۸۴۲ء میں ایک لاما نے بادشاہ کو قتل کرکے اپنے ہم مذہبوں کے مصائب اور تکالیف کا بدلا لیا۔ گیارھویں صدی (سنہ ۱۰۱۳–۱۱۴۲ء) کے دوران میں مگدھ کے مبلغین مذہب نے تبت میں بدھ مت کو مستحکم طور پر سرکاری اور عام مذہب بنا دیا[1]؎

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ زیادہ تر پروفیسر جوینر کی عالمانہ اور قابل قدر کتاب "ڈوکیومنٹس سر لیس توکیو (ترکس) آکس ڈنٹو" (سینٹ پیٹر سبرگ سنہ ۱۹۰۳ء) سے ماخوذ ہے۔ جغرافیائی حالات کے لیئے دیکھو وہی کتاب یا سٹنفورڈ کا نقشہ ملحقہ ویٹرس کی "آن یون چانگ" جلد ۲۔ سر ایم۔ اے۔ اسٹین نے بھی اپنی اینشنٹ ختن (سنہ ۱۹۰۷ء) کے ابتدائی ابواب میں چین اور ہندوستان کی سرحدی ریاستوں کے تعلقات کا ذکر کیا ہے؎

[1] یہ سنین جو متن کتاب میں دئے گئے ہیں۔ سرت چندر داس اور ویڈل سے ماخوذ ہیں (انسائیکلوپیڈیا برٹنکا۔ گیارھویں طبع) ایم۔ ڈی ملو (صفحہ ۱۶۶–۱۶۵) نے سنہ ۷۸۶–۸۰۴ء بیان کیا ہے؎

[2] سرت چندر داس (جے۔ اے۔ ایس۔ بی جلد اول صفحہ اول (سنہ ۱۸۸۱ء) صفحہ ۲۲۴–۲۳۳)۔ ویڈل:۔ "دی بدھ ازم آف تبت آر لاما ازم" صفحہ ۲۴–۔ وی:۔ "لی نیپال" جلد دوم صفحہ ۱۷۷ و ۱۷۸۔ متن کتاب میں سنین وہ ہیں جن کا

چین کے ساتھ تعلق۔ رلپکن کے زمانے میں چین کے ساتھ ایک زبردست جنگ ہوئی اور اس کے بعد کا ذکر سنہ ۸۲۲ء میں بھاسا کے ایک کتبے پر کندہ کرایا گیا۔ اس کے بعد کے زمانے میں تبت کی چینی سلطنت کے ساتھ تعلقات میں وقتاً فوقتاً بہت کچھ تغیر و تبدل ہوتا رہا۔ لیکن بہرحال خواہ تعلقات کچھ ہی کیوں نہ ہوں ان کا اثر ہندوستان پر بالکل نہیں پڑا۔ چین کی تبت پر حکومت اصلی قائم ہونے کا زمانہ آخر سنہ ۱۷۵۱ء میں آیا۔ اور اس زمانے سے چینی حکومت نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ یورپی اقوام کو تبت میں آنے جانے سے روک دے۔ اور اس امر میں وہ ایک بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئی ہے۔ اس وجہ سے ایک مدت تک تبت کے تمام معاملات ہندوستان کی تاریخ سے بالکل علیحدہ رہے۔۔ آٹھویں صدی عیسوی کے اثنا میں تبت کی طاقت کے عروج کی وجہ سے ہندی اور چینی سیاسیات کا تعلق بالکل ختم ہو گیا تھا۔ اور سنہ ۱۸۸۵ء میں بالائی برما کی فتح کے بعد ان تعلقات کا اعادہ اور احیاء ہوا۔ کیونکہ اب چینی اور ہندوستانی سلطنتوں کے حدود آپس میں مل گئے تھے۔ اسی زمانے میں تبت بھی جو صدیوں سے کم و بیش چین کا ماتحت رہا ہے پھر ہندی حکومت کے زیر نظر آیا اور اب اس کے معاملات انگریزی اور چینی سیاسیات کے مسائل میں گنے جاتے ہیں ؛

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔ ذکر لیوی نے کیا ہے۔ ایم۔ ڈی طو کو اس میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ وہ لنگدرم کی حکومت کے سنین سنہ ۸۹۹-۹۰۲ء بتلاتا ہے۔ (دیکھو اس کی کتاب مذکورۂ بالا صفحہ ۱۷۰ و ۱۷۱) ؛

ب

نیپال

نیپال کی حدود

زمانۂ موجودہ کی سلطنت نیپال ایک خاصی وسیع خود مختار سلطنت ہے جو مشرق میں سکم سے لے کر مغرب میں کماؤن تک پھیلی ہوئی ہے۔ اور ترہٹ۔ اودھ اور صوبۂ آگرہ کی شمالی سرحد سے اس کا طول (۵۰۰) میل ہے۔ ترائی کے تنگ میدان کے سوا پورا ملک پہاڑوں اور وادیوں کی ایک بھول بھلیاں ہے۔ حقیقی طور پر نیپال کا نام بہت محدود کر دینا چاہئے۔ کیونکہ قدیم زمانے میں اس نام کا اطلاق اس چاروں طرف سے گھری ہوئی وادی پر ہوا کرتا تھا جو بیس میل لمبی اور پندرہ میل چوڑی تھی۔ اور جس میں صدر مقام کھٹمنڈو کے علاقے اور دوسرے شہر اور قصبے آباد ہیں۔ وہاں کی موجودہ حکومت کی حکمت عملی یہ ہے کہ یوروپین لوگوں کو سوائے اس وادی کے اور تقریباً تمام سلطنت سے کسی طرح باہر رکھا جائے۔ اور اسی وجہ سے اس ملک کے متعلق بہت ہی کم حالات معلوم ہیں ؛

سمدرگپت کے وقت میں۔

نیپال یعنے اسی مذکورۂ بالا وادی کے متعلق جو بات سب سے قدیم معلوم ہوتی ہے وہ چوتھی صدی عیسوی کے سمدرگپت کا الٰہ آبادی کتبہ ہے اُس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کامروپ یا آسام کی طرح یہ ایک خود مختار سرحدی سلطنت تھی۔ اور خاندان گپت کو صرف خراج ادا کیا کرتی تھی۔ غالباً یہ خراج محض برائے نام تھا اور اطاعت بھی سلسلہ وار نہ تھی۔ آج کل کے زمانے میں بھی اگرچہ نیپال بہمہ وجوہ بالکل خود مختار ہے لیکن پھر بھی وہ شہنشاہ چین کو تحائف اور خراج بھیجتا رہتا ہے اور کسی نہ کسی طرح

اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتا ہے۔ لیکن پھر ایک برٹش ریزیڈنٹ اس کے دربار میں مقیم رہتا ہے اور وہاں کی حکومت کو اپنی خارجی پالیسی میں حکومت ہند کی مرضی پر عمل کرنا پڑتا ہے؛

اشوک کے وقت میں

مقامی روایات یہ ثابت کرتی ہیں کہ سمدر گپت کے زمانے سے بہت قبل اشوک کے عہد حکومت یعنی تیسری صدی قبل مسیح میں یہ علاقہ اس بادشاہ کے زیر اثر تھا۔ اور اس روایت کی صحت کا ثبوت ان عمارات سے ملتا ہے جو اشوک اور اس کی بیٹی کی طرف منسوب ہیں۔ اس کے علاوہ کتبوں سے ثابت ہوتا ہے کہ دامن کوہ کا میدان اس کی اصلی سلطنت میں شامل تھا۔ اور کیوں کہ پاٹلی پتر اور نیپال کی وادی میں کچھ بہت فاصلہ نہیں اس لئے یہ ممکن ہے کہ یہ علاقہ ان صوبوں میں شامل ہو۔ جن پر اشوک بذات خود بلاواسطہ اپنے دارالسلطنت سے حکومت کرتا تھا؛

مقامی تواریخ۔

اشوک اور سمدر گپت کے درمیانی زمانے کے واقعات کا پتہ لگانا ناممکن ہے۔ مقامی تاریخیں بکثرت دستیاب ہوتی ہیں۔ مگر وہ ایسی ہیں کہ مورخانہ تنقید کی متحمل نہیں ہو سکتیں۔ اور اس کے علاوہ واقعات کو بھی بالکل روشنی میں نہیں لاتیں۔ چھٹی صدی اور ساتویں صدی کے اوائل میں حکمراں شاہی خاندان لکھوی قبیلے سے تھا۔ لیکن ویسالی کی لکھوی قوم سے اس کا اصلی تعلق معلوم نہیں کیا تھا۔ ہیون سانگ نیپال کے لکھویوں کے متعلق کہتا ہے کہ وہ خوش عقیدہ اور عالم بدھ مذہب کے پیرو تھے[1]؛

ساتویں صدی اور اس کے بعد

ساتویں صدی کے دوران میں نیپال کی حیثیت شمال میں تبت جو اس زمانے میں ایشیا کی ایک عظیم الشان طاقت تھی اور جنوب میں قنوج کے

[1] واٹرس جلد ۲ صفحہ ۸۴۔ غالباً جاتری خود نیپال نہیں گیا تھا؛

راجہ ہرش کی سلطنت کے درمیان ایک حائل سلطنت کی سی تھی۔ ٹھاکری خاندان کے بانی راجہ اَمشُورَمَنْ (جو تقریباً ۶۴۲ء میں فوت ہوا) کے تعلقات اس کی بیٹی کی سرانگ۔لتسن۔گمپو کے ساتھ شادی ہو جانے کی وجہ سے تبت کے ساتھ نہایت گہرے تھے۔ یہ یاد ہو گا کہ یہی سرانگ۔لتسن۔گمپو شاہ تبت ایسا طاقتور تھا کہ اس نے چین کے شہنشاہ کو ۶۴۱ء میں مجبور کیا تھا کہ شہزادی وین۔چینگ کی شادی اس کے ساتھ کردی جائے[1]۔ اس بات کے باور کرنے کے وجوہ ہیں کہ نیپال کا جنوبی ہمسایہ یعنے ہرش اس سلطنت کے معاملے میں خل اندازی کیا کرتا تھا۔ اور اس نے وہاں پر اپنا قائم کیا ہوا سنہ بھی مروج کردیا تھا۔ اگرچہ ایم سلوین لیوی کا یہ خیال ہے کہ تبت کے اثر و رسوخ کی زیادتی کی وجہ سے ہرش کی دست اندازی بالکل ناممکن ہو گی۔ بہر حال یہ یقینی ہے کہ ہرش کی موت کے بعد تبتی اور نیپالی افواج نے چینی سفیر ونگ۔ہیون۔تسے کو سلطنت ہرش کے غاصب کے مقابل امداد بہم پہنچائی تھی۔ یہ بھی یقینی ہے کہ آٹھویں صدی کے شروع میں نیپال بدستور سابق تبت کا زیر نگین تھا۔ اور ایک مدت تک اس کی یہ حالت قائم رہی۔ اکتوبر ۸۷۹ء سے ایک نئے نیپالی سنہ کا آغاز شائد اس قیاس و خیال کو ثابت کردے کہ اس واقعے سے نیپال کی تبت کے ہاتھ سے مخلصی مراد تھی۔ مگر اس سنہ کے آغاز یا تبت سے مخلصی کی صاف و صریح وجہ معلوم نہیں۔ آٹھویں صدی کے نصف کے بعد چین کے ہندی اور نیپالی تعلقات کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ اور حال میں نیپال اور چین کے درمیان جنگوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ چھوٹی ریاست نے برائے نام سلطنت چین کی ماتحتی قبول کرلی ہے۔

گورکھوں کی فتح

ان مختلف چھوٹے چھوٹے خاندانوں کی ابتر اور خون آشامی کی

[1] ملوایم۔ڈی ملو کی رائے کے مطابق یہ واقعہ ۶۲۸-۶۳۱ء کے درمیان کا ہے۔ (کتاب مذکورہ بالا صفحہ ۲۶۴)

تاریخ میں جو ۱۷۶۸ء تک برسر حکومت رہے۔ کسی قسم کی دلچسپی نہیں پائی جاتی۔ مگر اس سنہ میں گورکھوں نے ملک کو فتح کر لیا۔ اور اس شاہی خاندان کی بنیاد ڈالی جو آج کل ایسے مالک کل وزراء کی وساطت سے حکومت کرتا ہے جس نے بادشاہوں کی حیثیت کو محض برائے نام کر دیا ہے۔

نیپال کا بدھ مذہب قدیم اور پرانی شکل کے بدھ مذہب کو اشوک نے اس ملک میں سب سے پہلے پھیلایا چنانچہ روایات کے مطابق یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ اس کی بیٹی نے دار السلطنت کے قریب بہت سی مذہبی عمارتیں قائم کرائی تھیں۔ جن کے نشان اب تک پائے جاتے ہیں۔ اس کے بعد کے سینکڑوں برس کی مدت میں ملک کی مذہبی حالت کے متعلق تقریباً کچھ معلوم نہیں۔ ساتویں صدی عیسوی میں وہاں کا مذہب مہایان فرقۂ بدھ مت کی ایک بدلی ہوئی صورت معلوم ہوتی ہے۔ جو ہندوؤں کے شو فرقے سے اس قدر مشابہ تھی کہ ان میں امتیاز مشکل ہے۔ مرور زمانہ سے مذہب میں فساد اور خرابی بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اب نیپال میں یہ عجیب و حیرتناک نظارہ دیکھنے میں آتا ہے کہ خانقاہیں شادی شدہ "بھکشوؤں" سے جو ہر قسم کے دنیاوی کاموں میں مصروف ہیں بھری ہوئی ملتی ہیں[1]۔ نیپال میں بطور خود بدھ مذہب کے زوال و انحطاط کے جو اسباب عرصے سے بتدریج اپنا کام کر رہے ہیں۔ ان میں گورکھا حکومت کے افعال سے اور زیادہ تیزی پیدا ہو گئی ہے۔ کیونکہ یہ

---

[1] تبت کے بعض مذہبی فرقوں میں شادی شدہ بھکشوؤں کی اجازت ہے۔ (ایم ڈی بلو صفحہ ۱۷۶)۔ اور بنگال اور مشرقی ہندوستان میں وجریان فرقے نے ان کے وجود کو تسلیم کر لیا تھا۔ (این۔ این۔ واسو "ماڈرن بدھ ازم اینڈ اٹس فالوورس ان اڑیسہ" کلکتہ سنہ ۱۹۱۱ صفحہ ۴ و ۱۳ و ۱۷)۔

حکومت بدھ مذہب سے سخت متنفر ہے۔ اور یقین ہے کہ چند قرنوں میں نیپال کا بدھ مذہب بالکل نیست و نابود ہو جائے گا۔

ہندوستان میں بدھ مذہب کا انحطاط۔

ہندوستان یعنے اس کی جائے پیدائش ہی سے بدھ مذہب کے ناپید اور معدوم ہو جانے کے وجوہ پر بہت کچھ بحث و مباحثہ ہوتا رہا ہے۔ اور اس میں کچھ غلط فہمی بھی واقع ہو گئی ہے۔ چند سال قبل تک ہی یہ فرض کیا جاتا تھا کہ بدھ مذہب برہمنوں کے مذہبی تعصب اور ایذا دہی کی وجہ سے نیست و نابود ہوا تھا۔ مگر یہ بالکلیہ صحیح نہیں ہے۔ سسانک جیسے بعض ہندو بادشاہوں نے وقتاً فوقتاً مگر نہایت ہی شاذ بلاشک وشبہ ایذا دہی کا سلسلہ شروع کیا۔ اور یہ ایذا دہی برہمنی مت کے ہندوستان میں دوبارہ قائم ہو جانے کی فی الجملہ وجہ ہو سکتی ہے ....

بعض صوبوں میں سے بدھ مذہب کے بالکل ناپید ہو جانے کا سب سے بڑا اور اہم سبب یہ تھا کہ بتدریج اور نامعلوم طور پر بدھ مذہب ہندو مت کے رنگ میں رنگتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ آخر میں بسا اوقات ہندوؤں اور بدھ والوں کے علم الاوثان اور مورتوں میں امتیاز و تفریق تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔ ایسی ہی مطابقت اور اتحاد کا عمل خود آج کل ہماری آنکھوں کے سامنے نیپال میں جاری ہے۔ اور بعض طالبان علم کی نظر میں اس ملک کی خاص دلچسپی اسی میں پنہاں ہے کہ وہاں اس بات کا اندازہ بالکل صحیح طور پر لگ سکتا ہے کہ ہندو مذہب کس طرح اپنے حریف بدھ مت کو بتدریج جذب کئے جا رہا ہے[1]۔ یہاں اس نیم مردہ مذہب پر جو دباؤ اس کے حریف مذہب کی طرف سے

---

[1] اسی طرح آج کل سکھوں کے فرقے کی زندگی کا بڑا انحصار سکھوں کی رجمنٹوں پر ہے ورنہ یہ بھی مدت ہوئی ہوتی کہ ہندو مت کا شکار ہو گئے ہوتے ہ

پڑ رہا ہے۔ اس میں حکومت کے طرز عمل سے بھی بڑی مدد مل رہی ہے جو اگرچہ عملی طور پر بدھ مذہب کے پیرو سے متعصبانہ برتاؤ نہیں کرتی لیکن اپنی تمام عنایات کا مورد ہندوؤں ہی کو قرار دیتی ہے[1]۔

ج

کامروپ یا آسام

سلطنت کی وسعت کامروپ کی قدیم سلطنت اگرچہ بہیئت مجموعی آسام کے برابر تھی۔ مگر بالعموم اس کا علاقہ موجودہ صوبۂ آسام کی حدود سے کہیں زیادہ تھا۔ اور مغرب میں دریائے کرتویا[2] تک پھیلا ہوا تھا۔ چنانچہ اس طرح اس میں کوچ بہار کی موجودہ ریاست اور ضلع رنگ پور دونوں شامل تھے۔ اس سلطنت کے متعلق قدیم ترین بیان جو مورخ کے لئے

---

[1] نیپال کے متعلق اکثر کتب پر ایک بڑی حد تک ایم۔ سلوین لیوی کی کتاب "لی نیپال" سبقت لے گئی ہے۔ (مطبوعہ جلد ۱۔ ۲ ۱۹۰۵ء + جلد ۳ ۱۹۰۸ء) برٹٹ کی کتاب "ہسٹری آف نیپال" کیمبرج ۱۸۷۷ء) میں روایتی تاریخ کے ایک ملخص کا ترجمہ ہے۔ یہاں کے سکوں کے متعلق "کیٹلاگ آف کائنز آئی۔ ایم" جلد ۱ صفحہ ۲۹۳-۲۸۰ میں۔ اور زیادہ تفصیل کے ساتھ ای۔ ایچ۔ ولش کے مضمون "دی کائینج آف نیپال" (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۸ء صفحہ ۷۶۰-۶۶۹) میں مع سات لوحوں کے حال ملیگا۔ ہرش کے سنہ کے نیپال میں مروج ہونے کے متعلق دیکھو بیوہلر (انڈین انٹی کویری جلد ۱۹ صفحہ ۱۵۲)۔ اولڈ فیلڈ کی "سکیچز فرام نیپال" بھی ایک عمدہ کتاب ہے۔

[2] بلاک مین نے اس نام کو کرتیا لکھا ہے۔ اور دوسرے اس کو کرتویا لکھتے ہیں۔ میرے نزدیک یہی موخر الذکر نام صحیح بھی ہے۔

کارآمد ہو سکتا ہے وہ اللہ آباد کے ستون پر سمدر گپت کا کتبہ ہے جو ۳۶۰ء یا ۳۷۰ء میں کندہ کیا گیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کامروپ کی ریاست خاندان گپت کی سلطنت کی حدود کے باہر اس کی سرحد پر واقع تھی۔ مگر خاندان گپت کی باجگذار اور ایک حد تک اس کی مطیع و فرماں بردار تھی[۱]۔

ہیون سانگ

اس کتبے کے بعد یہ دور افتادہ صوبہ پھر چینی جاتری ہیون سانگ کی وجہ سے ہماری آنکھوں کے سامنے آتا ہے۔ ۶۴۳ء کے اوائل میں جب وہ دوسری مرتبہ نالندا کی خانقاہ میں مقیم تھا تو اس کو مجبوراً اپنی مرضی کے برخلاف کامروپ کے راجہ کی دعوت قبول کرنی پڑی۔ کیونکہ یہ راجہ اس اجنبی عالم کی زیارت و ملاقات کا متمنی تھا اور دعوت کا انکار ناممکن تھا۔ کامروپ کے دارالسلطنت میں تھوڑے عرصے قیام کرنے کے بعد قنوج کے راجہ ہرش سیلادت نے ایک ایلچی بھیجا کہ ہیون سانگ کو فوراً اس کے دربار میں بھیجدیا جائے۔ راجہ نے جواب دیا کہ بجائے ہیون سانگ کو اس کے حوالے کرنے کے وہ اس کا سر لے سکتا ہے۔ لیکن اس کے بعد جب ہرش نے اپنے ایلچی کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ وہ اپنا سر ہی روانہ کر دے تو کامروپ کے راجہ کی آنکھیں کھلیں اور اُس نے سوچ بچار کے بعد یہی بہتر سمجھا کہ اپنے بادشاہ کے حکم کو بجالائے۔ چنانچہ وہ جاتری کو ساتھ لے کر ہرش کی ملاقات کے لئے روانہ ہو گیا۔

بھاسکرورمن یا کمار۔

اس بادشاہ کا نام بھاسکرورمن تھا۔ مگر وہ کمار کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ وہ ایک نہایت قدیم خاندان کا رکن تھا۔ جس کا دعویٰ تھا کہ وہ ہزار قرنوں سے زندہ اور باقی ہے۔ اور یہ کم از کم تقریباً یقینی ہے کہ وہ ہندو مت کا

[۱] جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۹۰ء صفحہ ۸۲۹

پیرد اور کوچ کا اصلی باشندہ تھا۔ ہیون سانگ اس کے متعلق کہتا ہے کہ وہ ذات کا برہمن تھا۔ لیکن اس کے نام کی وضع و قطع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود کو چھتری یا راجپوت سمجھتا تھا۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس فقرے سے جاتری کا مطلب یہ ہے کہ وہ برہمن ہندو مت کا پیرو تھا۔ ممکن ہے کہ وہ بعد کے زمانے میں سین خاندان کے راجاؤں کی طرح برہمن چھتری ہو۔ اس کے ملک میں بدھ مذہب کا نہ تو کہیں نام و نشان تھا اور نہ وہاں کوئی خانقاہ پائی جاتی تھی[1]۔

خاندان پال - اس کے بعد کی چند صدیوں تک کامروپ کی سیاسی تاریخ کے تقریباً کچھ حالات معلوم نہیں۔ یہ ریاست بنگال کے خاندان پال کے بعض راجاؤں کی سلطنت میں شامل تھی، اور اس خاندان کے ایک راجہ کمار پال نے بارھویں صدی عیسوی میں اپنے وزیر ویدیا دیو کو یہ علاقہ شاہانہ اختیارات کے ساتھ دے دیا تھا[2]۔

قوم آہوم - تیرھویں صدی کے اوائل یعنی ۱۲۲۸ء کے قریب شان قوم کے ایک قبیلے آہوم کی یورشیں شروع ہوئیں۔ رفتہ رفتہ یہ آہوم سردار ملک کے مالک بن بیٹھے۔ اور انھوں نے ایک شاہی خاندان کی بنیاد ڈالی جو ۱۸۲۵ء میں انگریزوں کی فتح تک برابر قائم رہی۔ کامروپ کے شاہی خاندان کی تاریخ میں چونکہ محض مقامی دلچسپی ہے اس لیے اس کو یہاں نظر انداز کیا جاتا ہے۔

مذہب دنیا کی نظروں میں اس صوبے کی عزت و احترام کے اسباب

---

[1] بیل:- جلد اول صفحہ ۲۱۷-۲۱۵- جلد ۲ صفحہ ۱۹۸-۱۹۵- واٹرس- جلد اول صفحہ ۳۴۹- جلد ۲ صفحہ ۱۹۷-۱۹۵- "لائف آف ہیون سانگ" صفحہ ۱۷۲۔

[2] کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم جلد اول صفحہ ۲۹۴- جے- ایلن:- "دی کائنیج آف آسام" (نیومسمیٹک جرنل ۱۹۰۹ء صفحہ ۳۰۱-۳۰۰- مع تین لوحوں کے)۔

پچھ اور رہی ہیں۔ یہ وہ راستہ ہے جس میں سے ہو کر مغربی چین کے منگولی النسل کی اقوام یکے بعد دیگرے ہندوستان کے میدانوں میں داخل ہوتی رہی ہیں۔ اور آج کل بھی یہاں کے آباد قبائل تقریباً خالص الاصل منگولی ہیں۔ ان اقوام و قبائل کا مذہب مقامی اہمیت کے علاوہ اور بہت زیادہ توجہ طلب ہے۔ کیونکہ ہمیں پر بدھ مذہب اور ہندومت کے اس تنتری ارتقاء کا اصل منبع ملتا ہے جو زمانۂ وسطیٰ اور زمانۂ موجودہ کے بنگال کا خاص امتیاز رہا ہے گوہاٹی کے قریب کا سا کھیا کا مندر شاکت ہندوؤں کا سب سے متبرک مقام ہے۔ جو دیوتاؤں کو عورتوں کی صورت میں پوجنے کے عادی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ تمام علاقہ ہندوؤں کی حکایات میں جادو اور سحر کا اصلی موقع تھا۔ آج کل رفتہ رفتہ قدیم قبائلی عقائد کو چھوڑ کر لوگ متعصبانہ طور پر ہندو عقائد اختیار کرتے جاتے ہیں۔ اور آسام کی تاریخ میں ایسے عمل کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں کہ برہمنوں نے رفتہ رفتہ غیر آریہ نسل کے سرداروں میں اپنا رسوخ اور ان کے دلوں پر قابو حاصل کر لیا ہو۔ اور ان کو ہندومت کے وسیع دائرے میں شامل کر لیا ہو۔ تبدیل و جذب مذہب کے تمام وہ مختلف طریقے جن کا ذکر سر الفرڈ لائل۔ اور سر ایچ رسلے نے کیا ہے۔ یہاں وقتاً فوقتاً استعمال ہوتے رہے ہیں[1]۔

اسلامی حملہ آسام کی ایک اور خصوصیت اور اہمیت یہ ہے۔ کہ وہ ہندوستان کے ان چند صوبوں میں شامل ہے جن کے باشندوں نے متواتر کامیابی کے ساتھ مسلمانوں کی ترقی کے سیلاب کو روک دیا۔ اور ان کی باوجود متعدد کوششوں کے اپنی

[1] گیٹ: ''ہسٹری آف آسام'' کلکتہ ۱۹۰۶ء۔ سر الفرڈ لائل: ''ایشیاٹک سٹڈیز'' سلسلۂ اول باب ۵۔ رسلے: ''سنسس آف انڈیا'' ۱۹۰۱ء رپورٹ حصہ اول صفحہ ۲۱-۵۱۹ و صفحہ ۵۲۱۔

خود مختاری کو برقرار رکھا۔ کامروپ پر مسلمانوں کا صرف ایک ہی حملہ ایسا ہے جو اس کتاب کی حدود میں آتا ہے یہ حملہ محمدؐ بن بختیار فاتح بنگال وبہار نے ۱۲۰۴ء-۵ (۶۰۱ھ) میں کیا۔ وہ دریائے کرتو یا کے کنارے کنارے جو اس زمانے میں کامروپ کی مغربی سرحد تھا شمال کی طرف بڑھا۔ اور دارجلنگ کے شمال تک کوہستان کو قطع کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ مگر کیونکہ وہاں کسی جگہ قیام نہ کر سکا۔ اس لئے مراجعت پر مجبور ہوا۔ مگر یہ مراجعت اس کے لئے قیامت ہو گئی۔ کامروپ کے باشندوں نے اس زبردست سنگی پل کو جو دریا کے عبور کا صرف ایک ہی راستہ تھا شکست کر دیا۔ اور اس وجہ سے اس کی فوج کے تقریباً تمام آدمی غرق آب ہو گئے۔ خود سپہ سالار بمشکل تمام تقریباً سو سواروں کی معیت میں تیر کر کنارے پر پہنچا۔ مگر اس ناکامیابی کا اس کو اس قدر رنج ہوا۔ کہ وہ بیمار پڑ گیا۔ اس کے اگلے سال (۱۲۰۵ء-۶ ۶۰۲ھ) میں وہ قتل ہو گیا[1]۔ اس کے بعد کے اسلامی حملے بھی ایسے ہی ناکام ثابت ہوئے۔ اور اس ریاست نے ۱۸۱۶ء تک اپنی خود مختاری کو قائم رکھا۔ اس کے بعد برمیوں نے اس کو فتح کر لیا۔ اور ۱۸۲۴ء تک وہ اس پر قابض رہے۔ ان کو انگریزی افواج نے نکال باہر کیا اور ۱۸۲۶ء کے اوائل میں آسام سلطنت ہند کا ایک صوبہ قرار دے لیا گیا؁

---

[1] ریورٹی:- ترجمہ طبقات ناصری صفحہ ۵۶۰-۵۷۳۔ جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ جلد ۴۵ حصہ ۱ (۱۸۷۶ء) صفحہ ۳۲۰-۳۳۳۔ بلاک مین۔ ایضاً جلد ۴۴ حصہ ۱ (۱۸۷۵ء) صفحہ ۲۷۵-۲۸۵۔ میں نے یہاں ریورٹی کے سنین کی پیروی کی ہے؁

د

کشمیر

کشمیر کی قدیم تاریخ

تاریخ کشمیر اگر بالتفصیل لکھی جائے تو اس کے لئے ایک پورے دفتر کی ضرورت ہو گی۔ مگر اس جگہ بعض مہتم بالشان واقعات کا ذکر کر دینا ہی کافی ہو گا۔ وادیٔ کشمیر اشوک کے وقت میں خاندان موریا کی سلطنت میں۔ اور کنشک اور ہوشک کے عہد میں سلطنت کشان میں شامل تھی۔ راجہ ہرش اگرچہ اتنا قوی تو نہ تھا کہ کشمیر کو اپنی سلطنت کے ساتھ ملحق کر لیتا۔ لیکن پھر بھی اس نے بدھ کے ایک فرضی دانت کے تبرک کو وہاں کے راجہ سے زبردستی وصول کیا اور قنوج لے گیا۔ اس سلطنت کی مستند تاریخ کرکوٹ خاندان کے وقت سے شروع ہوتی ہے۔ جس کی بنیاد درلبھوردھن نے ہرش کی عین حیات میں ڈالی تھی۔ ہیون سانگ نے مئی ۶۳۱ء سے لے کر اپریل ۶۳۳ء تک دو برس کشمیر میں بسر کیے۔ اور وہاں ایک گمنام بادشاہ نے جو غالباً درلبھوردھن ہی ہو گا اس کی بہت آؤ بھگت کی۔ اس بادشاہ اور اس کے بیٹے کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کا زمانہ حکومت بہت طولانی تھا۔

سنہ ۶۲۰ء چندراپید ۶۳۳-۶۹ء مکتاپید

موخر الذکر کے تین بیٹے بالترتیب اس کے جانشین ہوئے۔ ان میں سے سب سے بڑے بیٹے چندراپید کو سنہ ۶۲۰ء میں شہنشاہ چین نے خطاب شاہی عطا کیا۔ اس کے بعد اس کے تیسرے بھائی مکتاپید جو للتادت کے نام سے مشہور ہے کی بھی اسی طرح سنہ ۷۳۳ء میں عزت افزائی کی گئی۔ اس بادشاہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے چھتیس برس حکومت کی۔

اور اس عرصے میں اس نے کشمیر کے زبردست رسوخ کو کشمیر کی پہاڑیوں کے باہر تک پھیلا دیا۔ چنانچہ ۷۴۰ئمہ میں اس نے قنوج کے راجہ یسوورمن کو ایک شکست فاش دی[1]۔ اسی طرح اس نے دریائے سندھ کے کنارے پر تبتیوں۔ بھوٹیوں۔ اور ترکوں کو زیر کیا۔ مشہور و معروف سورج کے مندر مارٹنڈ نے اس کی یاد اور عظمت کو فراموش نہیں ہونے دیا۔ یہ مندر جو اس نے تعمیر کرایا تھا اب تک موجود ہے۔ اس بادشاہ کے تمام کارنامے بہت کچھ مبالغے کے ساتھ کلہن کی تاریخ میں موجود ہیں۔

جیاپید۔ آٹھویں صدی کا خاتمہ

للتا پید کے پوتے جیاپید یا ونیادت کے متعلق اس کے دادا سے بھی زیادہ بعید از قیاس باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ غالباً یہ صحیح ہے کہ اس نے قنوج کے راجہ وجرایدھ کو شکست دی تھی اور تخت سے اتار دیا تھا۔ لیکن بنگال کے پوندروردھن نام صدر مقام میں جو اس زمانے میں جینت نامی ایک راجہ کا مستقر تھا خفیہ طور پر آنے کا قصہ جس سے تاریخ کو کوئی تعلق نہیں محض خیالی معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح نیپال کے ایک بادشاہ جس کا عجیب و غریب نام آرمڈی تھا کے برخلاف فوج کشی۔ اس کی گرفتاری۔ ایک مضبوط قلعے میں قید اور وہاں سے حیرت انگیز طور پر مخلصی محض وہمی اور قیاسی حکایات پر مبنی ہیں۔ لیکن اس کی سفاکی اور تعدی کی تفصیلات جو تمامتر اس کے حب مال پر مبنی تھیں۔ اور جس نے آخری زمانہ حکومت میں اس کے نام کو دھبا لگایا۔ ایسی ہیں کہ واقعات کے لحاظ سے قرین قیاس معلوم ہوتی ہیں۔ اور خود آج کل کے کشمیری فرماںرواؤں کی

---

[1] ۷۳۶ئمہ و ۷۴۷ئمہ کے بین بین (لیوی اور چوینز کا مضمون "اٹنریریڈ لنگ" منقول فی جرنل ایشیاٹک ۱۸۹۵ئمہ صفحہ ۳۵۳)۔ دیکھو وی۔ اے۔ سمتھ کا مضمون:۔ "دی ہسٹری آف دی سٹی آف قنوج اینڈ آف یسوورمن" (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۸ئمہ صفحہ ۷۶۵-۹۳)

بداخلاقی کے بالکل مطابق ہیں۔ مورخ نے اپنے بیان کو ذیل کی عبارت وحاشیئے پر ختم کیا ہے:-

"اس طرح اُس مشہور بادشاہ کی حکومت کے اکتیس برس گذرے۔ جو اپنے ارادے اور قوت عاملانہ پر پورا قابو نہ رکھ سکتا تھا۔ بادشاہوں اور مچھلیوں کی علی الترتیب دولت اور گندے پانی کی پیاس کے لئے جب شدت ہوجائے تو وہ خراب راستے اختیار کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ موت کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ مقدم الذکر کا یہ حال ان کی قسمت کے سبب ہوتا ہے اور موخر الذکر کا مچھیاروں کے ہاتھ سے"

جیاپید کے وجود کا ثبوت ان بے شمار سخت وحشیانہ سکوں سے ملتا ہے جن پر اس کا خطاب "ونیادت" منقوش ہے[۱۵۱]۔

اونتی ورمن سنہ ۸۵۵-۸۳ء

نویں صدی کے آخری حصے میں اونتی ورمن کا عہد حکومت علم ادب کی سرپرستی اور بدررو اور آبپاشی کے اہتمام (جو اس کے وزیر تعمیرات سیا کے ماتحت انتظام کو پہنچی) کی وجہ سے ممتاز ہے[۱۵۲]۔

شنکر ورمن سنہ ۸۸۳-۹۰۲ء

اس کے بعد کے بادشاہ شنکر ورمن نے میدان جنگ میں نام پیدا کیا۔ مگر وہ زیادہ تر رعایا سے مال واسباب کے چھیننے کے لئے قواعد وضوابط کے اختراع اور مندروں کے

---

[۱۵۱] اسٹین:- ترجمہ "راجترنگنی" باب ۴۔ کیٹلاگ آف کائنز انڈین میوزیم جلد ۱ صفحہ ۲۶۶ و ۲۶۹۔

[۱۵۲] اسٹین:- ترجمہ راجترنگنی باب ۵ صفحہ ۱۲۶-۲۔

لیٹرے ہونے کی وجہ سے مشہور ہے۔ اس کے اخذ بالجبر کی تفصیلات اس وجہ سے قابل دید ہیں کہ ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک ایشیائی خود مختار بادشاہ کن کن نئے طریقوں سے اپنی رعایا کے مال و متاع پر قابض ہوا کرتے ہیں[۱]۔

خاندان شاہیہ کا خاتمہ۔ اسی کی عہد حکومت کے دوران میں کنشک کی اولاد یعنے ترکی خاندان شاہیہ کے آخری بادشاہ کا ایک برہمن للیا نامی نے خاتمہ کر دیا۔ یہ ترکی شاہیہ خاندان کے بادشاہ کابل میں ۸۷۰ء (۲۵۶ھ) یعنے عرب سپہ سالار یعقوب ابن لیث کے اس شہر کو فتح کرنے تک حکمران رہے[۲]۔ اس سنہ کے بعد دار السلطنت دریائے سندھ کے کنارے اوہند کے مقام پر تبدیل کر دیا گیا۔ وہ خاندان جس کا بانی للیا تھا اور جو ہندو شاہیہ خاندان کے نام سے مشہور ہے ۱۰۲۱ء تک قائم رہا اور اس سنہ میں مسلمانوں نے اس کو بھی نیست و نابود کر دیا[۳]۔

۹۱۷-۱۸ء کا قحط۔ نو عمر راجہ پارتھ اور اس کے باپ پنگو کی نظامت کے زمانے میں ۹۱۷-۱۸ء میں ایک سخت قحط پڑا۔ جس کا ذکر ایک ہندو حکومت کے مورخ نے ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"وِتستا (یعنے دریائے جہلم) کا پانی ان لاشوں کی وجہ جو اس میں ایک مدت سے پڑی پڑی سڑ گئی تھیں دکھلائی نہ دیتا تھا۔ سرزمین پر ہر طرح ہڈیوں کے ڈھیر

[۱] اسٹین:۔ راج ترنگنی باب ۵۔ صفحہ ۲۲۷-۱۲۸۔
[۲] ریورٹی:۔ نوٹس "آن افغانستان" صفحہ ۶۳ و ۶۴۔
[۳] اسٹین:۔ "زرگشٹ ڈر شاہیرفان کابل" (سٹٹگرٹ سنہ ۱۸۹۳)۔

نظر آتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ ایک بھیانک
قبرستان معلوم ہوتا تھا۔ بادشاہ کے وزراء
اور فوج کے سپاہی چاول کو گراں قیمت پر
فروخت کر کے دولتمند بن گئے۔ بادشاہ
اس شخص کو اپنا وزیر بناتا تھا۔ جو رعایا کی
مصیبت کے باوجود اتنا روپیہ فراہم کر دے
جس سے فوج کی تنخواہ چکائی جا سکے جس طرح
کوئی شخص اپنے آراستہ گرم حمام کی کھڑکی سے
ان لوگوں پر نظر ڈالے جو اس کی دیوار تلے
ابر و باد کی تکالیف میں مبتلا ہوں اسی طرح
بدبخت پنگو اپنے محل میں بیٹھا عیش منا تا تھا
اور رعایا بھوکوں مر رہی تھی[1]

وہ لوگ جو موجودہ زمانے کے طریقۂ امداد قحط پر نکتہ چینی کرنے کے عادی ہیں انھیں اس ناپاک تصویر پر خاص کر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اُنمتّاونتی ۹۳۷-۹ء

پارتھ اپنی رعایا کو صرف چابکوں سے ہی سزا دیا کرتا تھا۔ مگر اس کا بیٹا انمتاونتی "جو بدمعاشی کی حد کو پہنچ گیا تھا" اُس سے ایک قدم اور آگے بڑھا۔ اور لوگوں کو چھوئی سے ایذا دینے لگا۔ مورخ لکھتا ہے کہ "اس بادشاہ کی یادگار حکایات کو بیان کرنے کے ڈر سے میں بمشکل اپنی تاریخ کو جاری رکھنے کے قابل ہوتا ہوں۔ کیوں کہ ان حکایات ہی سے مجھ کو اس قدر وحشت ہوتی ہے کہ میں گھوڑے کی طرح ڈر جاتا ہوں"۔ اور تمام جرائم کے علاوہ پدر کشی بھی اس راجہ کے جرموں میں شامل تھی۔ اس کی وحشت کی تفصیلات اس قدر کراہت انگیز ہیں کہ ان کا اعادہ ناممکن ہے۔ خوش قسمتی سے اس کی

[1] اسٹین۔ ترجمہ راج ترنگنی باب ۵ صفحہ ۲۷۰-۲۷۱ء

حکومت کا عرصہ نہایت قلیل تھا۔ اور وہ ایک دردناک بیماری میں مبتلا ہوکر سنہ ۹۳۹ء میں مر گیا[۱]۔

سنہ ۱۰۰۳-۹۰۵ء ملکہ دِدّا۔

دسویں صدی کے نصف آخر میں سلطنت کا تمام کاروبار ایک بدنیت اور بے اصول ملکہ دِدّا نامی کے ہاتھ میں تھا جو خاندان شاہیہ کے ایک بادشاہ کی دادی تھی۔ پہلے بادشاہ بیگم۔ پھر ناظمہ اور آخر کار تیئیس برس تک ایک ملکۂ خود مختار کی حیثیت سے اس عورت نے نصف صدی تک اس بدبخت ملک کو برباد و تباہ کیا۔

سنہ ۱۰۲۸-۱۰۰۳ء سنگرام۔

اس کے بھتیجے سنگرام کے زمانۂ حکومت میں ملک کو محمود غزنوی کے حملے کی وجہ سے مصائب برداشت کرنے پڑے۔ اور اگرچہ محمود نے اس کی افواج کو شکست دی لیکن اس کی کوہستانی سدراہ کی دشوار گذاری کی وجہ سے اس کی خود مختاری برقرار رہی۔

سنہ ۸۹-۱۰۶۳ء کلس۔
سنہ ۱۱۰۱-۱۰۸۹ء ہرش۔

گیارھویں صدی کے نصف آخر میں کشمیر کو جو بالعموم اپنے بادشاہوں کی طرف سے ناکام و ناشاد ہی رہا ہے کلس اور ہرش نام دو ظالم بادشاہوں کے ہاتھوں ناقابل بیان مصائب تکالیف و مصائب برداشت کرنا پڑے۔ موخرالذکر نے جو بظاہر ذرا دیوانہ بھی معلوم ہوتا ہے مندروں کے لوٹنے میں شنکرورمن کی تقلید کی۔ اور بجا طور پر اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔ اصل یہ ہے کہ دنیا کے بہت ہی کم ملک ایسے ہوں گے جو کشمیر کے بادشاہ اور ملکہ کی سی بیحیائی کے ساتھ شہوت رانی شیطنت۔ سفاکی اور بیرحمی سے تخریب حکومت کی مثالوں میں لگا کھا سکیں۔

[۱] ایضاً باب ۵ صفحہ ۲۴۸ - ۱۴۴۔

سنہ ۱۳۳۹ء
مسلمانوں کا مقامی شاہی خاندان۔

سنہ ۱۳۳۹ء میں ایک مقامی مسلمان خاندان نے اس ملک پر قابو پایا۔ اور چودھویں صدی عیسوی کے دوران میں تمام ملک میں اسلام کا دور دورہ ہوگیا۔ مگر اس کی قدرتی دشوار گذار حالت کی وجہ سے وہ ہندوستان کے بادشاہوں کی حرص و آز کی آگ سے محفوظ رہا۔ تاوقتیکہ سنہ ۱۵۸۷ء میں اکبر نے اسے فتح کرکے سلطنت مغلیہ میں شامل کرلیا[۱]۔



سلطنتہائے قنوج (پنچال)۔ پنجاب۔ اجمیر۔ دہلی وگوالیار۔ اور مسلمانوں کا ہندوستان کو فتح کرنا

قنوج کا شہر۔

سلطنت قنوج کی تاریخ بیان کرنے سے پہلے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اس مشہور و معروف مستقر سلطنت شہر کے جواب صوبجات متحدہ کے ضلع فرخ آباد میں مسلمانوں کی ایک بستی کے طور پر باقی رہ گیا ہے (شمالی عرض بلد ۲۷-۳- مشرقی طول بلد ۷۹-۵۶) مختصر سے حالات بیان کردئے جائیں۔ قنوج کا شہر بہت قدیم تھا۔ مہابھارت میں متعدد جگہ اس کا ذکر آیا ہے۔ اور دوسری صدی قبل مسیح میں پتنجلی نے ایک مشہور و معروف مقام کے طور پر اس کا ذکر کیا ہے۔ مگر اب اس کو اس طرح برباد کیا گیا ہے کہ سوائے تھوڑے کرکٹ کے

[۱] تاریخ کشمیر کی تمام تفاصیل اسٹین کے ترجمے و شرح راج ترنگنی میں ملیں گی۔

ڈھیروں کے اور کوئی چیز اس کے عالیشان محلوں مندروں اور خانقاہوں کے نشان واثر بتانے کے لئے نہیں رہ گئی۔ بطلیموس (ٹولمی) کے جغرافیہ میں جو ۱۴۰ئہ کے قریب تصنیف ہوئی مشرحین یہ فرض کر لیتے ہیں گنگورا اور کنوزگا کے ناموں کے صورت میں چھپا قنوج کا دو دفعہ ذکر آیا ہے۔ مگر اس بات کی صحت کے لئے کچھ بہت بڑی اسناد موجود نہیں ہیں قنوج کا سب سے پہلا مستند بیان مع وہاں کے کم و بیش حالات کے چینی سیاح فا۔ہیان کے سفرنامہ[۱] میں ملتا ہے جو ۴۰۵ئہ میں چندرگپت دوم بکرماجیت کے عہد حکومت میں وہاں گیا تھا۔ اس کے یہ لکھنے سے کہ شہر میں فرقہ ہنایان کی صرف دو خانقاہیں۔ اور ایک ستوپ تھا یہ معلوم ہوتا ہے کہ پانچویں صدی کے شروع میں قنوج کو کچھ اہمیت حاصل نہیں تھی۔ غالباً شاہان گپت کی سرپرستی میں اس کی ترقی کا آغاز ہوا۔ لیکن وہ اپنے انتہائے عروج کو یقیناً اس وقت پہنچا جبکہ ہرش نے اسے اپنا دارالسلطنت بنا لیا۔ جب ۶۳۶ئہ اور ۶۴۳ئہ میں ہیون سانگ[۲] وہاں مقیم تھا تو فا۔ہیان کے زمانے کے مقابلے میں وہاں زمین و آسمان کا فرق ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس جاتری نے وہاں بجائے ایک خانقاہ کے سو خانقاہیں پائیں۔ جن میں (۱۰۰۰۰) سے کچھ اوپر دونوں فرقوں کے بھکشو مقیم تھے۔ مگر ہندو مت بھی بدھ مذہب کے پہلو بہ پہلو موجود تھا۔ اور وہاں اس کے دو سو سے زیادہ مندر اور ہزاروں پجاری دکھلائی دیتے تھے۔ شہر جو نہایت مضبوطی سے قلعہ بند کیا گیا تھا دریائے گنگا کے مشرقی کنارے پر تقریباً ۴ میل کے پھیلاؤ میں بسا ہوا تھا اور اس میں

---

[۱] باب ۷۔ فصل ۱ حصہ ۵۲۔ فصل ۲ حصہ ۲۲۔ مترجمہ میک کرنڈل (انڈین انٹی کویری جلد ۱۳۔ صفحہ ۳۲ و ۳۸۰)۔

[۲] ٹریولز باب ۱۸۔

بہت سے خوشنما باغات اور صاف وشفاف پانی کے تالاب واقع تھے۔ شہر کے باشندے بڑے خوشحال تھے۔ اور ان میں بعض خاندان بہت متمول تھے۔ وہ ریشم پہنتے تھے۔ اور علوم وفنون میں پوری دستگاہ رکھتے تھے[1]۔

اس کی فتح اور بربادی۔ اگرچہ نویں اور دسویں صدیوں میں قنوج کو متعدد دفعہ غنیم کی افواج نے فتح اور تباہ وبرباد کیا۔ لیکن یہ بہت جلد اپنی اصلی حالت پر بار بار آجاتا تھا۔ اور جب ۱۰۱۸ء کے اواخر میں محمود غزنوی اس کی دیواروں تلے پہنچا ہے تو وہ ایک زبردست اور عالیشان شہر تھا جس کی حفاظت کے لئے سات قلعے تھے جو الگ الگ موجود تھے اور جس میں کہا جاتا ہے کہ (۱۰۰۰۰) مندر تھے۔ سلطان محمود نے مندروں کو منہدم کرایا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس نے شہر کو اُسی حالت میں چھوڑ دیا۔ پنچال کے دار السلطنت کے باری کی طرف منتقل ہوجانے کی وجہ سے قنوج کی اہمیت اور آبادی میں بہت کچھ نقصان واقع ہوا ہوگا۔ اگرچہ بارھویں صدی عیسوی میں گرواڑ راجاؤں کے زیر حکومت اس نے کچھ تلافی مافات ضرور کرلی تھی۔ سنہ ۱۱۹۴ء (سنہ ۵۹۰ھ) میں شہاب الدین کی افواج نے جب قنوج اور اس کے ساتھ راجہ جے چند کی تمام ریاست کو اپنے زیر نگین کیا تو شہر کی عظمت وشان ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئی۔ اس کی آخری بربادی شیر شاہ کی قسمت میں لکھی تھی۔ اس نے سنہ ۱۵۴۰ء میں ہمایوں پر فتح پانے کی یادگار میں اسی کے قریب شیر سُور نام ایک نیا شہر بسایا۔ مسلمان مورخ اس بربادی کا ذکر لکھتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ اس بربادی کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اور خود بادشاہ کا فعل لوگوں کی نظر میں مقبول نہیں تھا[2]۔

[1] واٹرس جلد ۱ صفحہ ۳۴۴۔ بیل جلد ۱ صفحہ ۲۰۶۔
[2] ایلیٹ: "ہسٹری آف انڈیا" جلد ۴ صفحہ ۴۱۹۔ مورخ عباس نے اپنی کتاب تقریباً

سلطنت پنچال

قنوج نے اگرچہ اپنی زندگی کے زمانے میں دو مرتبہ یعنے ساتویں صدی عیسوی میں ہرش کے زیر حکومت اور نویں اور دسویں صدی میں مہر بھوج اور مہندر پال کی سلطنت کے عرصے میں شمالی ہند کے دار السلطنت ہونے کی عزت پائی لیکن در حقیقت وہ سلطنت پنچال کا صدر مقام تھا۔ مہابھارت کی حکایت کے مطابق شمالی پنچال مع اس کی دار السلطنت اہچھتر کے دروݨ کے حصے میں اور جنوبی پنچال مع اس کے صدر مقام کامپلیا کے دروپد کے ہاتھ آیا۔ اہچھتر یعنے ضلع بریلی کا موجودہ مقام رامنگر جب ہیون سانگ ساتویں صدی میں وہاں گیا ہے تو وہ اچھا خاصا بڑا شہر تھا۔ کامپلیا غالباً ضلع فرخ آباد کا مقام کمپل ہے۔ اس کی تاریخ کے متعلق بالکل کچھ معلوم نہیں[1]۔ لیکن یہ دونوں صدر مقام ہرش کے زمانے میں قنوج کی ترقی کی وجہ سے گمنام ہو گئے۔ اور اس کے زمانے کے بعد قنوج ہی پنچال کا بلا شرکت غیرے دار السلطنت قرار پا گیا تھا۔

ہرش کے بعد کا فتنہ و فساد۔

سنہ ۶۴۷ء میں ہرش کی موت کے بعد اس کی وسیع سلطنت میں فتنہ و فساد اور ابتری پھیل گئی سنہ ۶۵۰ء میں تبتیوں اور نیپالیوں کی مدد سے چینی سفیر کے ہاتھوں غاصب کے نیست و نابود ہونے پر پنچال کے علاقے پر کیا گذری اس کا حال بالکل ہم کو معلوم نہیں۔

آٹھویں صدی کے راجگان قنوج

ہرش کی موت کے بعد قدیم ترین راجہ جس کا نام معلوم ہے وہ یسوورمن تھا جس نے سنہ ۷۳۱ء[2] میں چین کو ایک

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ سنہ ۱۵۸۰ء میں اکبر کے عہد میں لکھی تھی۔ دیگر تفاصیل کے متعلق دیکھو:۔ وی اے سمتھ "دی ہسٹری آف دی سٹی آف قنوج" (جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۹۰۸ء صفحہ ۷۶۵-۷۹۳) میرا یہ کہنا غلط تھا کہ شہاب الدین نے شہر کو لوٹا تھا۔

[1] کننگھم:۔ آرکی آلوجیکل سروے رپورٹ جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۔

[2] ایم۔ اسٹین ترجمہ راج ترنگنی باب نہم فصل ۵ صفحہ ۱۳۴ حاشیہ بحوالۂ پوتھیئر۔

سفارت بھیجی اور اس کے نو یا دس برس بعد کشمیر کے مکتاپید للتادت کے ہاتھ شکست کھاکر دربدر ہو گیا[1]۔ سنسکرت ادبیات کی تاریخ میں لیسو ورمن کا نام اس وجہ سے روشن ہے کہ وہ مالتی مادھو کے مصنف بھو بھوماتی اور اس کے کم مشہور پراکرت کی زبان کے ایک مصنف واکپتراج کا مربی اور سرپرست تھا۔ اس کا جانشین غالباً وجرایدھ تھا۔ مگر اپنے پیشرو کی طرح اس کا بھی یہی حشر ہوا کہ کشمیر کے راجہ جیاپید کے ہاتھ شکست کھائی اور تخت و تاج سے دست بردار ہونا پڑا[2]۔ اس کے جانشین اندرایدھ کا بھی جو ۷۸۳ء میں برسر حکومت تھا بدقسمتی نے پیچھا نہ چھوڑا۔ اور ۸۱۰ء میں بنگال اور بہار کے راجہ دھرم پال نے اس کو تخت سے علیحدہ کر دیا۔ اس مشرقی صوبجات کے بادشاہ نے اگرچہ غالباً اطاعت اور خراج کا دعویٰ کیا ہوگا مگر پنچال کی سلطنت کو اس نے اپنے ہاتھ میں نہ رکھا۔ بلکہ اس کو چکرایدھ نامی ایک شخص کے جو غالباً مفتوح راجہ کا عزیز تھا سپرد کر دیا۔ یہ نیا راجہ گرد و نواح کے تمام راجاؤں کی رضامندی اور خوشی سے تخت نشین کیا گیا[3]۔ لیکن اس کی قسمت بھی اس کے پیشروؤں سے کچھ

---

[1] اسٹین ترجمہ راج ترنگنی باب ۴ صفحہ ۱۴۶-۱۳۶۔ لیوی اور چوینز "اٹنریرڈاؤ کنگ" (جرنل ایشیاٹک ۱۸۹۵ء صفحہ ۳۵۳)۔ ان کے نزدیک اس واقعے کی تاریخ ۷۳۶ء اور ۷۴۷ء کے بین بین ہے؛

[2] کنو اور لینیمین: "کروچیس رامنجری" ۳-۵ صفحہ ۲۶۶ "پنچال کے راجہ وجرایدھ کی دارالسلطنت قنوج کی طرف"۔ اسٹین کے ترجمہ راج ترنگنی باب ۴ صفحہ ۴۷۱ میں جیاپید راجہ کشمیر کے ہاتھوں قنوج کے ایک راجہ کی شکست اور تخت سے اتارے جانے کے واقعات درج ہیں۔ قنوج کا یہ راجہ یقیناً وجرایدھ ہوگا؛

[3] ۷۸۳ء۔ جین "ہری ونس" منقول از بمبئی گزیٹیر۔ (۱۸۹۶ء) جلد ۱ حصہ ۱ صفحہ ۱۹۷ حاشیہ۔ بھاگلپور کی تانبے کی لوح (انڈین انٹی کویری جلد ۱۵ صفحہ ۳۰۴۔ جلد ۲۰ صفحہ ۱۸۸)۔ کھالمپور کی تانبے کی لوح (ایپی گریفیا انڈکا جلد ۴ صفحہ ۲۵۲ حاشیہ ۳)؛

بہت اچھی نہ نکلی۔ سنہ ۸۱٦ء کے قریب راجپوتانہ کی سلطنت گرجر پرتہار کے اولوالعزم راجہ ناگ بھٹ (جس کا صدر مقام بھلمال تھا) کے ہاتھ سے اس کو شکست ہوئی اور اُسے بھی تخت و تاج سے دست بردار ہونا پڑا۔[۱]

ناگ بھٹ اور رام بھدر۔

اغلب یہ ہے کہ ناگ بھٹ نے اپنی سلطنت کا صدر مقام قنوج کو قرار دے لیا تھا۔ اور یہ تو یقینی ہے اس کے بعد قرنوں تک یہ شہر اس کے جانشینوں کا دارالسلطنت رہا۔ اور اس طرح وہ ایک مرتبہ پھر خاصے عرصے کے لئے شمالی ہند کا سب سے بڑا شہر بن گیا۔ ناگ بھٹ کے وقت میں بیرونی حملہ آوروں کی اولاد گرجر اور مقامی حکمرانوں کی اولاد یعنے دکن کے راشٹر کوٹ (راٹھور) کے درمیان متواتر جنگ جاری رہی اور جنوبی راجہ گوبند سوم کو اس بات کا دعویٰ ہے کہ اس نے نویں صدی کے اوائل میں اپنے شمالی حریف پر فتح پائی تھی۔[۲] ناگ بھٹ کے جانشین رام بھدر (یا رام دیو) کے متعلق جس نے تقریباً سنہ ۸۴۰-۸۲۵ء تک حکومت کی کوئی خاص بات معلوم نہیں۔

مہر بھوج۔

رام بھدر کا بیٹا اور جانشین مہر جو اپنے خطاب بھوج کے نام سے زیادہ مشہور ہے تقریباً آدھی صدی تک حکمراں رہا (تقریباً سنہ ۸۹۰-۸۴۰ء)۔ اور وہ بلاشک و شبہ ایک زبردست بادشاہ تھا جس کی ریاست کو بلا مبالغہ ایک سلطنت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

---

[۱] گوالیار کا کتبہ۔ نخر۔ ڈی کے گزشافٹ ڈی دیتشافٹ گاٹنجن سنہ ۱۹۰۵ء "ایپی گرافیکل نوٹس" نمبر ۱۔ آرکی آلوجیکل سروے۔ انیول رپورٹ سنہ ۱۹۰۳-۴ء صفحہ ۲۷۷۔ دیکھو ویٹرس "آن یون چانگ" جلد ۲ صفحہ ۲۵۰۔ ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر۔ آرکی آلوجیکل سروے۔ ویسٹرن انڈیا۔ پروگرس رپورٹ سنہ ۱۹۰۷-۸ء صفحہ ۴۱-۳٦۔ اور جے۔ ولسن:۔ "انڈین کاسٹ" (سنہ ۱۸۷۷ء) جلد ۱ صفحہ ۱۰۹۔

[۲] ایک غیر مطبوعہ کتبہ جو پروفیسر ڈی آر بھنڈارکر کے پاس ہے۔ ("گرجرس" صفحہ ۴۔ جرنل بمبئی برانچ ایشیاٹک سوسائٹی جلد ۲۰)۔

اس میں یقیناً پنجاب کے ماوراء ستلج کے اضلاع - راجپوتانہ کا بڑا حصہ - اور اگر تمام نہیں تو موجودہ صوبجات متحدہ آگرہ واودھ کا معتد بہ رقبہ اور گوالیار کا علاقہ شامل تھا - چونکہ بعد کے دو بادشاہوں کے متعلق یہ معلوم ہے کہ انتہائے مغرب میں شراستریا کا ٹھیاواڑ کا علاقہ ان کے زیر تصرف تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ گجرات اور مالوا یا اونتی کے علاقوں پر قابض تھے - اس لئے بہت اغلب ہے کہ یہ دور افتادہ علاقے راجہ بھوج کے بھی زیر نگین ہوں - مشرق میں اس کی سلطنت کا ڈانڈا بنگال و بہار کے راجہ دیوپال کی سلطنت سے ملتا تھا - چنانچہ اس کے علاقے میں اس نے کامیابی کے ساتھ فوج کشی بھی کی تھی - شمال مغرب میں غالباً دریائے ستلج اس کی سلطنت کی حد فاصل تھا - مغرب میں دریائے ہکرا یا وہندہ جو اب گم ہو گیا ہے اس کے اور اس کے دشمنوں یعنے سندھ کے مسلمان سرداروں کی سلطنتوں میں حائل تھا - جنوب مغرب میں اس کا زبردست راشترکوٹ حریف سے جو مسلمانوں کا حلیف تھا متواتر اُس کی افواج کو ہشیار اور مسلح رہنا پڑتا تھا اور جنوب کی طرف اس کی ہمسایہ سلطنت ججا کبھکتی یعنے موجودہ بندیل کھنڈ کی ترقی پذیر سلطنت تھی - جو غالباً اس کی باجگذار بھی تھی[1] - بھوج اپنے آپ کو وشنو کا اوتار فرض کرنے کا شائق تھا - اور اسی وجہ سے اس نے اپنا لقب "آدی وراہ" مقرر کیا تھا جو اس دیوتا کا ایک اوتار متصور ہوتا ہے - چنانچہ شمالی ہند میں خراب قسم کے نقرئی سکے جن پر یہ لقب منقوش ہے بکثرت پائے جاتے ہیں - اور ان کی اسی کثرت سے بھوج کے

---

[1] یہ تمام واقعات کیلہارن کی فہرست (ایپی گریفیا انڈکا جلد ۵ ضمیمہ) کے نمبر ۴۲ ۵۴ و ۵۴ و ۱۰۷ وغیرہ - ہندی دول کے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کے لئے دیکھو المسعودی منقول فی ایلیٹ "ہسٹری آف انڈیا" جلد اول صفحہ ۲۵-۲۳ - "بمبئی گزیٹر" (۱۸۹۶ء) جلد اول حصہ اول صفحات ۵۰۶ و ۵۱۱ و ۵۲۶ ؛

عرصۂ حکومت کی طوالت اور اس کے راج کی وسعت کا پتہ لگتا ہے[1]۔ بدقسمتی سے اس کے زمانے میں کوئی مگاس تھینز یا بان کے قسم کا شخص نہیں گذرا جو اس کے اندرونی انتظام سلطنت کا حال قلمبند کر جاتا۔ اس لئے بھوج کی سیاسیات کا اس کے عالیشان پیشروؤں کے نظام سلطنت سے مقابلہ کرنا ناممکن ہے؎

مہندر پال۔ بھوج کے بیٹے اور جانشین مہندر پال نے (مہندر ائیدھ) جو وسیع سلطنت اپنے باپ سے ورثے میں پائی تھی اس کو بلا کم و کاست محفوظ رکھا اور پنجاب اور دریائے سندھ کی وادی کے سوا بہار (یا مگدھ) کی حدود سے لے کر بحیرۂ عرب تک تمام شمالی ہند پر حکمرانی کرتا رہا۔ اس کے آٹھویں اور نویں سنہ جلوس کے کتبوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مگدھ بھی تھوڑی مدت کے لئے پرہار (پرتیہار) کی ریاست میں شامل تھا۔ اس کا استاد (گرو) کرپور منجری ناٹک اور دیگر کتب کا مشہور مصنف راجشیکھر تھا جو آخر میں مہندر پال کے چھوٹے بیٹے کے دربار میں بھی مقیم رہا[2]؎

بھوج دوم اور مہی پال۔ کم و بیش دو یا تین سال تک مہندر پال کا بڑا بیٹا بھوج دوم تخت نشین رہا۔ مگر وہ جلد مر گیا۔ اور اس کی وفات کے بعد اس کا چھوٹا بھائی مہی پال اس کا جانشین ہوا۔ (سنہ ۹۱۰ء[3]) سلطنت قنوج کے زوال و انحطاط کی ابتدا اسی کے زمانے سے ہوئی۔ سنہ ۹۱۶ء میں راشتر کوٹ قوم کے راجہ اندر سوم نے نئے سرے سے

---

[1] کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم جلد اول صفحہ ۲۴۱ و ۲۴۳؎

[2] کنو اور لینمین :- "کرپور منجری" صفحہ ۱۷۸۔ مگر ان کا یہ قول (صفحہ ۱۷۹) کہ جھودیا کہ راجہ مہندر پال گوڈگھوا۔ ڈبولی کی تانبے کی لوح کے کتبے میں اسی نام کے راجہ سے ممیز سمجھنا چاہئے، اور اب غلط ثابت ہو چکا ہے؎

[3] کتبہ نمبر ۴۸۵۔ کیلہارن کی فہرست؎

قنوج کو فتح کیا۔ اور اس سے پرہار خاندان کی طاقت کو سخت صدمہ پہنچا[1]۔ سرا شتر سنہ ۹۱۷ء[2] تک مہی پال ہی کے ماتحت تھا۔ اور غالباً اس سنہ کے بعد جنوبی بادشاہ کی کامیابی کی وجہ سے اور دور دست صوبوں کے ساتھ یہ بھی اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اندر سوم اس قابل نہ تھا کہ قنوج پر قابض رہ سکے اس لئے مہی پال نے چندیل قوم کے راجہ اور غالباً دیگر حلفا کی مدد سے اپنے دار السلطنت کو پھر حاصل کر لیا ہے[3]۔

دیوپال قنوج کی طاقت کے زوال اور ججا کبھکتی کی قوت کے عروج کا ثبوت اس واقعے سے ملتا ہے کہ راجہ دیوپال (تقریباً سنہ ۹۴۰-۹۵۵ء) کو بہ جبر وشنو کی ایک قیمتی مورت چندیل راجہ یسوورمن کے حوالے کرنی پڑی۔ جس نے اس کو ایک نہایت عالیشان اور خوبصورت مندر تعمیر کراکے کھجوراہو کے مقام پر نصب کرایا[4]۔ یسوورمن نے اپنی طاقت سے کالنجر کے مضبوط قلعے کو فتح کیا اور قبضہ کر کے مستحکم کر لیا تھا اور بلاشک وشبہ وہ قنوج سے بالکل خود مختار ہو گیا تھا۔ یسوورمن کے جانشین دھنگ کے وقت میں جمنا پنچال اور ججا کبھکتی کی ریاستوں کے مابین حد فاصل قرار دیا گیا[5]۔

وجیاپال۔ دیوپال کے بعد اس کا بھائی وجیاپال تخت پر بیٹھا (تقریباً سنہ ۹۵۵ء) اور اس کے زمانے میں خاندان کا قدیم مقبوضہ یعنے گوالیار کا علاقہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس کو کچھواہ (یعنے کچھیگھاٹ) قوم کے سردار وجرادرمن نے فتح کر لیا جس نے اس مقام میں اپنی

[1] کیمبے کی لوحیں (ایپی گریفیا انڈکا جلد ۷ صفحہ ۳۰ و ۴۳)۔
[2] کیلہارن کی فہرست میں کتبہ نمبر ۳۵۳۔
[3] ایپی گریفیا انڈکا جلد اول صفحہ ۱۲۱۔
[4] ایضاً جلد اول صفحہ ۱۳۴۔
[5] کیلہارن کی فہرست میں کتبہ نمبر ۱۴۷۔

ایک خاندان کی بنیاد ڈالی جو ۱۱۲۵ء تک اس قلعے پر قابض رہا۔ دسویں صدی کے تقریبًا درمیان میں مولراج کے گجرات میں انہلواڑہ کے مقام پر سولنکی (چلکیا) خاندان کی بنیاد ڈالنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اب قنوج کے راجہ کو مغربی ہند سے بھی کوئی سروکار نہ رہا تھا۔[1] گوالیار کا سردار سلطنت چندیل کا باجگذار ہو گیا۔ جو اپنے راجہ ڈھنگ کی ماتحتی میں (۹۵۰-۱۰۰۰ء) بظاہر اپنے حریف قنوج سے زیادہ قوی تھی۔

اسلامی حملے۔ اسی زمانے میں شمالی ہند کی راجپوت ریاستوں کے سیاسی معاملات مسلمان حملہ آوروں کی دخل اندازی کی وجہ سے پیچیدہ ہو گئے۔ ۷۱۲ء میں عربوں کی سندھ کی فتح کا کوئی اثر اندرون ملک کی سلطنتوں پر نہیں پڑا تھا۔ اور بہ ہیئت مجموعی عربوں نے اپنے جنوبی ہمسایوں یعنے راشٹر کوٹ کی زبردست سلطنت کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھے۔ اور راجپوتانہ اور قنوج کی گرجر ریاستوں پر ان کے تمام حملے اپنی حیثیت میں سرحدی چھاپوں سے زیادہ نہ تھے۔ لیکن اب صورت حالات بدل گئی اور اسلامی افواج زیادہ کثیر تعداد اور قوت کے ساتھ شمال مغربی دروں میں جن میں سے

---

[1] مولراج کے تین کتبے اگست ۹۷۴ء سے جنوری ۹۹۵ء تک کے موجود ہیں گجرات کی تواریخ کے بموجب وہ ۹۴۲ء سے ۹۹۷ء تک حکمراں رہا اس کو قنوج کے راجہ راجی کا بیٹا کہا جاتا ہے۔ اور راجی غالبًا قنوج کے بادشاہ مہی پال کا ایک خطاب تھا۔ جس نے ۹۱۰-۹۴۰ء تک حکومت کی ہے۔ اغلب یہ ہے کہ وہ مولراج کا نائب تھا اور موقع پاکر اس نے اطاعت کا جوا گردن سے اتار کر پھینک دیا اور خود مختار ہو گیا۔ دیکھو:۔ اپی گریفیا انڈکا جلد ۱ صفحہ ۷۶ و ۷۷۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۹ء صفحہ ۲۷۲-۲۶۹ - ۹۶۱ء کی تاریخ جو میں نے اس سے قبل انہلواڑہ کی سلطنت کی بنیاد کی بیان کی تھی بظاہر صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ مولراج کو ایک چوہان راجہ وگرہراج (ثانی) نے جو ۹۷۳ء میں زندہ تھا قتل کیا۔ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۱۳ء صفحہ ۲۶۶ و ۲۶۷ و ۲۶۹)۔

ہندوستان کے غنیم یکے بعد دیگرے گذرتے رہے ہیں ظاہر ہوئیں۔

سبکتگین اور جیپال۔

اس زمانے میں ایک عظیم الشان سلطنت جس میں دریائے سندھ کی وادی کا بالائی حصہ۔ اور سندھ کے شمال میں پنجاب کا بڑا علاقہ جو مغرب کی طرف کوہستان تک اور مشرق کی طرف دریائے ہکرا تک پھیلا ہوا تھا۔ شامل تھا۔ اس پر ایک راجہ جیپال نامی حکمراں تھا۔ جس کا صدر مقام بھٹنڈا تھا جو لاہور کے جنوب جنوب مشرق اور پٹیالہ کے مغرب میں واقع ہے۔ سبکتگین امیر غزنی نے ہندوستان پر سب سے پہلے ۹۸۶ء (۳۷۶ھ) میں یورش کی اس کے دو سال کے بعد جیپال نے امیر غزنی کے علاقے پر حملہ کرکے اس کا بدلہ لینا چاہا۔ مگر شکست کھائی اور مجبور ہوکر ایک صلحنامہ لکھنا پڑا جس کی رو سے کثیر مقدار روپیہ نقد۔ بہت سے ہاتھی اور دریائے سندھ کے مغرب میں چار قلعے اس کو حوالے کرنے پڑے۔ جیپال کے نقض عہدنامے کی وجہ سے سبکتگین نے اس کو سزا دینے کے لئے سرحد پر لوٹ مار مچائی اور لمغان (جلال آباد) پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بہت جلد بعد (تقریباً ۹۹۱ء) جیپال نے اپنے ملک و سلطنت کی حفاظت کے لئے آخری کوشش کی ہندی راجاؤں کا اتحاد جس میں چندیل کا راجہ گند۔ قنوج کا حکمراں راجہ راجیاپال اور دیگر راجہ شامل تھے قائم کیا۔ اس زبردست فوج کو جو اس طریقے سے جمع کی گئی تھی دریائے کُرّم کی وادی میں شکست فاش نصیب ہوئی۔ اور پشاور پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ نومبر ۱۰۰۱ء میں جیپال کو سلطان محمود کے ہاتھ سے پھر شکست ہوئی۔ اس بے عزتی کو وہ نہ برداشت کر سکا اور اس نے خودکشی کر لی۔ اس کا جانشین اس کا بیٹا انندپال ہوا[1]۔

[1] اس تمام بیان میں جہاں تک عام خیالات کی مخالفت کی گئی ہے وہ ریورٹی کی سند پر مبنی ہے:۔ "نوٹس آن افغانستان" صفحہ ۳۲۰۔ البیرونی ("انڈیا"، مترجمہ زخاؤ) جلد اول صفحہ ۱۳۵ لکھتا ہے کہ "شاہ" انندپال کے جو ہمارے زمانے میں

راجیا پال سلطان محمود۔

قنوج میں وجیا پال کی جگہ اس کا بیٹا راجیا پال جو بیرونی حملہ آور کے روکنے کی کوشش میں شریک ہوا تھا۔ تخت پر بیٹھا۔ چند سال بعد (۹۹۷ء) سبکتگین کا تخت و تاج ایک تھوڑے سے تنازعہ کے بعد اس کے بیٹے نامی و نامور سلطان محمود کے ہاتھ آیا۔ جس نے اپنی زندگی کا فرض قرار دے لیا کہ ہندوستان کے "کفار" پر یورشیں کی جائیں۔ اور ان کا مال و متاع لوٹ کر غزنی لے جایا جائے۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس نے ہندوستان پر بلے کم و کاست سترہ حملے کئے۔ اس کا دستور تھا کہ وہ اکتوبر میں اپنے دارالسلطنت سے روانہ ہوتا تھا۔ اور تین مہینے کے متواتر سفر کے بعد وہ ہندوستان کے سرسبز و شاداب ترین صوبے میں پہنچ جاتا تھا۔ ماہ جنوری ۱۰۱۹ء کے اوائل میں وہ قنوج کے سامنے نمودار ہوا۔ راجیا پال نے اپنے مستقر سلطنت کے بچاؤ کی کوئی بڑی کوشش نہ کی۔ اور ساتوں قلعے جو شہر کی حفاظت کے لئے تھے ایک ہی دن میں محمود کے ہاتھ آ گئے۔ فاتح سلطان نے مندروں کو منہدم کرایا مگر شہر کو اصلی حالت میں چھوڑ کر مال غنیمت سے لدا پھندا غزنی پلٹ گیا۔ وقت اور موقع کی مناسبت کے لحاظ سے راجیا پال نے بہترین شرائط حاصل کئے۔ اور اس کے بعد قنوج کو چھوڑ کر دریائے گنگا کے دوسری جانب باڑی کے مقام پر سکونت اختیار کی[۱]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ برسر حکومت تھا" ناگرو تھا جو اُگر بھُوتی نامی ایک نحوی گذرا ہے۔ اور اس کی کتاب بادشاہ نے کشمیر میں پنڈتوں کو انعام و اکرام دیکر مقبول عام کرائی تھی۔

[۱] راجیا پال کا نام جھوسی کے تانبے کی لوح ("انڈین انٹی کویری" جلد ۱۸ صفحہ ۳۴۔ کیلہارن کی فہرست نمبر ۶۰) اور دُوبکنڈ کے کتبے (ایپی گریفیا انڈکا جلد ۲ صفحہ ۲۳۵) میں ملتا ہے۔ اب تک اس کو غلطی سے عتبی کے مطابق "رائے جے پال" پڑھا

گنڈ اور محمود۔ ایسی بزدلی اور دون ہمتی سے راجیاپال کی اطاعت قبول کر لینا اس کے ہندوستانی ہم عصروں کو ناگوار گذرا۔ کیونکہ انھوں نے یہ احساس کیا کہ اس نے ان کے ساتھ دغا بازی کی ہے۔ چنانچہ اسی قصور کی سزا دہی کے لیئے چندیل کے راجہ گنڈ کا ولیعہد ودّیا دھر گوالیار کے باجگذار سردار کی افواج کو ہمراہ لے کر ۱۰۱۹ء میں سلطان محمود کی واپسی کے بعد ہی فوراً قنوج پر حملہ آور ہوا۔ اور راجیاپال کو قتل کیا۔ جس کے بعد اس کا بیٹا ترلوچن پال اس کی چھوٹی سی ریاست کا مالک ہوا۔ سلطان محمود کو جب راجہ کی (جس کو وہ اپنا باجگذار سمجھتا تھا) شکست وسزا کا حال معلوم ہوا تو اس کے غیظ وغضب کی کچھ انتہا نہ رہی۔ اور اسی سال (۴۱۰ھ) کے موسم خزاں میں وہ پھر ہندو راجاؤں سے انتقام لینے کی غرض سے روانہ ہوا۔ ۱۰۲۰ء کے اوائل میں اس نے برتہار کے نئے صدر مقام باری کو بلا دقت و مشکل فتح کیا۔ اور اس کے بعد وہ چندیل کے علاقے میں بڑھا۔ یہاں گنڈ نے بظاہر ایک مہیب فوج اس کے مقابلے کے لیئے تیار کی۔ مگر چندیل راجہ کا دل اندر ہی اندر بیٹھ گیا اور وہ بھی راجیاپال

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ جاتا رہا (ایلیٹ جلد ۲ صفحہ ۴۵)۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے۔ کہ بہت کچھ ابتری واقع ہو گئی ہے۔ ایلیٹ (ایضاً صفحہ ۲۵-۴۷ و ۴۶۱) نے بھٹنڈا کے خاندان کو اوہند کے شاہیہ خاندان میں ملا دیا ہے۔ اور اس طرح تمام بیان کو ناقابل فہم کر دیا ہے۔ جب اس نے اپنی کتاب لکھی ہے تو کتبات کا نام ونشان نہ تھا۔ اور اس کے بعد کے تمام مصنفین نے اس غلطی کو دور کیئے بغیر اسی کی پیروی کی ہے۔ ”طبقات اکبری“ کا بیان بھی ایلیٹ (جلد ۲ صفحہ ۴۶۰) میں موجود ہے۔ باری کی سکونت کا حال البیرونی اور رشید الدین نے لکھا ہے۔ اس موضوع پر میرے مضمون ”دی گرجراس آف راجپوتانہ اینڈ قنوج“ میں مفصل بحث ہے۔ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۹ء صفحہ ۲۸۱-۲۷۶) ئ

کی طرح بغیر لڑے بھڑے میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ اس کی چھاؤنی کا مال و متاع۔ اسلحہ اور ہاتھی سلطان کے ہاتھ آئے۔ اور اس نے بدستور سابق بہت سا مال غنیمت لے کر غزنی کی طرف مراجعت کی[1]۔

راجیا پال کے جانشین۔ ترلوچن پال کی نسبت سوائے اس کے اور کچھ معلوم نہیں کہ اس نے ۱۰۱۹ء کے اواخر یا ۱۰۲۰ء کے آغاز میں سلطان محمود کے دریائے جمنا کے عبور میں بے سود مزاحمت کی اور ۱۰۲۷ء میں الٰہ آباد کا ایک گاؤں کسی کو عطا کیا[2]۔ ممکن ہے کہ ایک راجہ یسرپال جس کا ذکر ۱۰۳۶ء کے ایک کتبے میں پایا جاتا ہے اس کا اس کے بعد ہی جانشین ہوا ہو[3]۔ ۱۰۹۴ء میں قنوج کی آخری فتح کے بعد بھی بعض گمنام راجہ جو غالباً مسلمانوں کے ماتحت تھے قنوج کے راجہ تسلیم کیئے جاتے رہے۔ ان میں چند سرداروں کے نام بھی محفوظ رہ گئے ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ جونپور کے قریب ظفر آباد کے مقام پر سکونت پذیر تھے۔ مگر یہ سردار گرجر۔ پرتہار کے شاہی خاندان سے نہ تھے جو بالکل ہی نیست و نابود ہو چکا تھا۔ ۱۰۹۰ء کے ذرا قبل قبیلہ گھرواڑ کا ایک راجہ چندر دیو نامی قنوج کو فتح کر کے اس پر قابض ہو گیا تھا۔ اور اسی راجہ نے یقیناً بنارس اور اجودھیا اور غالباً

---

[1] یہ تاریخ چندیل کے کتبوں سے حاصل ہوئی ہے (اپیگرافیا انڈکا جلد اول صفحہ ۲۱۹۔ جلد ۲ صفحہ ۲۳۵) اس کے ساتھ مسلمان مورخوں کے وہ بیانات بھی شامل کر دیئے گئے ہیں جو ایلیٹ (جلد ۲ صفحہ ۷۔ ۴۶۴) میں منقول ہیں۔ انگریزی مصنفین نے اکثر تاریخیں غلط بیان کی ہیں۔

[2] کیلہارن کی فہرست کا کتبہ نمبر ۶۰۔ کننگھم (کائنز آف میڈیول انڈیا صفحہ ۶۱) نے قنوج کے راجہ ترلوچن پال اور اوہند کے شاہیہ خاندان کے اسی نام کے آخری بادشاہ کو آپس میں ملا جلا دیا ہے۔

[3] کولبرک :۔ ایسیز جلد ۲ صفحہ ۲۴۶۔

دہلی کے علاقے کو زیر نگین کر لیا تھا[۱]۔ شہر دہلی تقریباً ایک صدی قبل سنہ ۹۹۳ء میں بسایا گیا تھا[۲]۔

قنوج کا گھرواڑ خاندان۔ گھرواڑ کا خاندان جو آخر میں راٹھور[۳] کے نام سے مشہور ہو گیا اور جس کی بنیاد چندر دیو نے ڈالی تھی سنہ ۱۰۹۴ء (سنہ ۱۰۹۰ء) تک میں شہاب الدین کی فتح تک قائم رہا۔ چندر دیو کا

۱؎ کیلہارن کی فہرست کا کتبہ نمبر ۷۵ - انڈین انٹی کویری جلد ۱۸ صفحہ ۱۳ - راجہ چندر دیو کے عطیئے کی تانبے کی لوح مورخہ سنہ ۱۰۹۰ء ضلع بنارس کے مقام چندراوتی میں پائی گئی اور آج کل لکھنؤ کے عجائب خانے میں محفوظ ہے (آرکی آلوجیکل سروے پراگریس رپورٹ نارتھ سرکل سنہ ۰۸-۱۹۰۷ء صفحہ ۲۱ و ۳۹)۔

۲؎ "نوٹس آن افغانستان" صفحہ ۳۲ - متوفی میجر ریورٹی نے مجھے بتلایا تھا کہ اس سنہ کے لیئے اس کی سند "زین الاخبار" مصنفہ سعید ابوالحق ہے جس نے اپنی کتاب محمود اور اس کے بیٹوں کے عہد حکومت میں اس سنہ کی تھوڑی مدت بعد ہی تصنیف کی تھی۔ اس کے بعد کا ایک اور مصنف شہر کے بسانے کی تاریخ سنہ ۴۲ بکرمی بتلاتا ہے۔ مگر یہ صریحاً غلط ہے۔ لیکن اگر اس سنہ کو ہرش کا قائم کردہ سنہ تسلیم کر لیا جائے تو یہ تاریخ سنہ ۱۰۴۵ء اور تقریباً آننگ پال کا زمانہ ہوتا ہے۔ فینتھالر سے یہ کہا گیا تھا کہ دہلی کو خاندان تمر کے ایک راجہ راسین نے سنہ ۳۰۷ھ = سنہ ۲۰-۹۱۹ء میں آباد کیا تھا۔ (جیاگریفی ڈہندوستان۔ فرانسیسی ترجمہ برلن سنہ ۱۷۹۱ء صفحہ ۱۲۵)۔ بعض کتبات اور عام نظموں میں دہلی کا نام یوگنی پور بیان کیا گیا ہے۔

۳؎ قنوج کے جس "راٹھور" خاندان کا ذکر بالعموم کتابوں میں پایا جاتا ہے محض قیاسی وہمی ہے۔ یہ راجہ جیسا کہ گوبند چندر کی تانبے کی لوح مورخہ سنہ ۱۱۰۴ء میں جو بساہی کے مقام پر پائی گئی صاف معلوم ہوتا ہے گھلڑوال یا گھرواڑ قبیلے سے تھے۔ (فہرست کیلہارن کا نمبر ۷۷۔ انڈین انٹی کویری جلد ۱۴ صفحہ ۱۰۳)۔ اور اس امر کو گوتم قبیلے کی روایات بھی تسلیم کرتی ہیں۔ (جے۔ اے۔ ایس۔ بی حصہ اول جلد ۵۶ (سنہ ۱۸۸۵ء) صفحہ ۱۶۰)۔ قنوج کے راجاؤں کو "راٹھور" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جودھپور کے "راٹھور"

پوتا گوبند چندر مدت دراز تک حکمراں رہا۔ اس کی حکومت کا زمانہ ۱۱۰۴ء–۱۱۵۵ء ہے۔ اس کے بے شمار اراضی کی عطیات اور سکّوں کے بکثرت پائے جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ایک مرتبہ پھر قنوج کی عظمت وشان قائم کرنے اور اپنی طاقت وقوت بہت کچھ بڑھانے میں کامیابی ہوگئی تھی۔[1]

گوبند چندر کا پوتا جیا چندر تھا جو ہندی اشعار اور شمالی ہند کی حکایات میں راجہ جے چند کے نام سے مشہور ہے۔ اور جس کی بیٹی کو اجمیر کا دلیر رائے پتھورا اٹھا کر لے گیا تھا۔

وہ اسلامی مورخین میں راجۂ بنارس کے نام سے مشہور تھا۔ اور غالباً یہ شہر ان کا دار السلطنت تھا۔ اس زمانے میں وہ ہندوستان کا سب سے بڑا بادشاہ مانا جاتا تھا۔ اور کہا یہ جاتا ہے کہ اس کی سلطنت چین کی سرحد سے لے کر مالوا تک اور سمندر سے لے کر لاہور سے دس روز کی مسافت تک پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن اب اس کی اس وسعت کو باور کرنا ذرا مشکل ہے۔ شہاب الدین کا اس سے مقابلہ دریائے جمنا کے کنارے اٹاوہ کے ضلع میں چنداور کے مقام پر ہوا۔ اور اس کی مہیب اور بے شمار فوج کو سخت خونریزی کے ساتھ شکست دی اور قتل کیا اس میں راجہ بھی شامل تھا وہ بنارس کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ جس کو اس نے لوٹا اور وہاں کا خزانہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ سرداروں کا دعویٰ ہے کہ وہ ایک لڑکے کے ذریعے سے جو قتل عام سے کسی طرح بچ نکلا تھا راجہ جے چند (جیا چندر) انڈین انٹی کویری جلد ۱۴ صفحہ ۱۰۱–۹۸) کی اولاد میں سے ہیں۔ اس قسم کی حکایات خاندانوں میں عام طور پر مشہور ہیں۔ مگر تاریخی حیثیت سے وہ قابل لحاظ نہیں۔ قنوج میں تمر خاندان کبھی حکمراں نہیں رہا۔

[1] اس خاندان کے عطا کیئے ہوئے تقریباً سات عطیات معلوم ہیں۔ اور ان میں سے اکثر گوبند چندر کے عہد حکومت کے ہیں۔ سکّوں کے لیئے دیکھو:۔ کیٹلاگ آف کائنز ان دی انڈین میوزیم جلد اول صفحہ ۲۵۷ و ۲۶۰۔

(۱۴۰۰) اونٹوں پر لاد کر لے گیا[1]۔ اس طرح قنوج کی خود مختار سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔ جب گھرواڑ خاندان کے راجہ معدوم اور نیست و نابود ہوگئے تو ان کی جگہ مہوبا کے چندیل قوم کے سرداروں نے لی۔ جو آٹھ قرنوں تک قنوج اور اس کے مضافات پر حکمراں رہے[2]؛

سامبھر اور اجمیر کے چوہان - دہلی۔ کتبات میں چوہان (چاہُمان) نسل کے راجپوت بادشاہوں کا جو راجپوتانے میں سامبھر (ساکمبھری) پر جس میں اجمیر کا علاقہ بھی شامل تھا حکمراں تھے ایک طولانی شجرۂ نسب درج ہے۔ ان میں سے صرف دو فرماں روا قابل ذکر ہیں۔ بارھویں صدی کے وسط میں وگرہ راجہ (ویسلدیو - یا بِیسلدیو) نے آبائی سلطنت کی وسعت میں بہت کچھ ترقی دی اور فرض کیا جاتا ہے کہ اس نے تمر خاندان کے ایک راجہ سے دہلی کو بھی فتح کیا۔ یہ سردار اس آننگپال کی اولاد میں سے تھا جس نے ایک صدی قبل وہ لال قلعہ تعمیر کرایا تھا۔ جہاں آج کل قطب مینار قائم ہے[3]۔ اور اس طرح اس شہر کو جو ۹۹۳ء میں آباد ہوا تھا مستقل کر دیا تھا۔ یورپ کے افراد دہلی کو ہندوستان کی بادشاہت کا مترادف سمجھنے کے اس قدر خوگر ہو گئے ہیں کہ ان کی سمجھ میں نہیں آسکتا کہ دہلی ہندوستان کے بڑے شہروں میں سب سے زیادہ جدید ہے۔ یہ سچ ہے کہ مبہم روایات نے دریائے جمنا کے کنارے اندرپت کے گاؤں کی اردگرد کی سرزمین کو قبل از تاریخ کے

---

[1] "کامل التواریخ" ایلیٹ جلد دوم صفحہ ۲۵۱؛

[2] جے۔ اے۔ ایس۔ بی حصہ اول جلد اول (۱۸۸۱ء) صفحہ ۴۸ و ۴۹؛

[3] شجرۂ نسب کے لئے دیکھو:- کیلھارن ایپی گریفیا انڈکا جلدہ "سپلمنٹ ٹو ناردرن لسٹ" صفحہ ۱۳ - جو اجمیر کو تقریباً ۱۱۰۰ء میں اجیادیو چوہان نے آباد کیا تھا۔ اس کے اور اس کی ملکہ سوما لہ دیوی کے سکّے پائے جاتے ہیں۔ (انڈین انٹی کویری ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۰۹)؛

اندر پرست کی شان و شوکت کا مرکز قرار دے کر چار چاند لگا دئے ہیں۔ اور یہ حکایات ممکن ہے کہ صحیح ہوں یا شائد نہ ہوں۔ لیکن بہر حال تاریخی حیثیت سے دہلی کا شہر گیارھویں صدی کے وسط میں آننگپال کے زمانے سے شروع ہوتا ہے۔ وہ مشہور و معروف لوہے کی لاٹھ جس پر چندر نام ایک راجہ کی مدح کندہ ہے اس کو تمر خاندان کے سردار نے اس کی اصلی جگہ سے جو غالباً متھرا تھی منتقل کر کے ۱۰۵۲ء میں ان مندروں کے ایک مجمع میں نصب کرایا تھا جن کے سامان تعمیر سے آخر میں مسلمانوں کی عالیشان مسجد بنائی گئی[1]۔

وِگرہ راجہ یا وِیسلدیو

وگرہ راجہ (چہارم) یا وِیسلدیو جس کا خاندان تمر سے دہلی کا فتح کرنا ذرا مشتبہ ہے۔ خاص طور پر ایک ممتاز آدمی تھا۔ چند سال ہوئے کہ اجمیر کی جامع مسجد کی مرمت و ترمیم کے موقع پر جلا کردہ سنگ مرمر کے چھ تختے پائے گئے ہیں جن پر سنسکرت اور پراکرت میں عبارتیں منقوش تھیں۔ زیادہ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ دو نامعلوم ناٹکوں کے بڑے حصے ہیں۔ ان میں سے ایک "للت وگرہ راجہ ناٹک" وگرہ راجہ کی مدح میں لکھا گیا تھا۔ اور دوسرا "ہرکلی ناٹک" خود راجہ کی تصنیف معلوم ہوتا ہے[2]۔

---

[1] خیالی آننگپال اول کے دہلی کی بنا کرنے کی روایت محض غلط ہے۔ یہاں کے قدیم ترین آثار سوائے منتقلہ لوہے کی لاٹھ کے گیارھویں صدی عیسوی کے ہیں (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۳) لال قلعہ (یا لال کوٹ) کے لئے دیکھو کننگھم۔ رپورٹس جلد اول صفحہ ۱۵۳۔ اندرپت کے لئے دیکھو کر سٹیفن :۔ آرکی آلوجی آف دہلی" (۱۸۷۶ء) صفحہ ۱۰۸۔ فرنشا :۔ "دہلی پاسٹ اینڈ پریزنٹ" (۱۹۰۲ء) صفحہ ۲۲۸۔ قنوج میں کوئی تمر خاندان نہ تھا۔ کننگھم کی تمام دلائل التعیین بجائے راجیاپال کے غلط طور پر رائے جیپال پڑھنے پر مبنی ہیں (رپورٹس جلد اول صفحہ ۱۵۰)۔

[2] کیلہارن :۔ "برجسٹک انڈشر شو سپیل ان النسفٹن زو اجمیر" (برلن ۱۹۰۱ء)۔

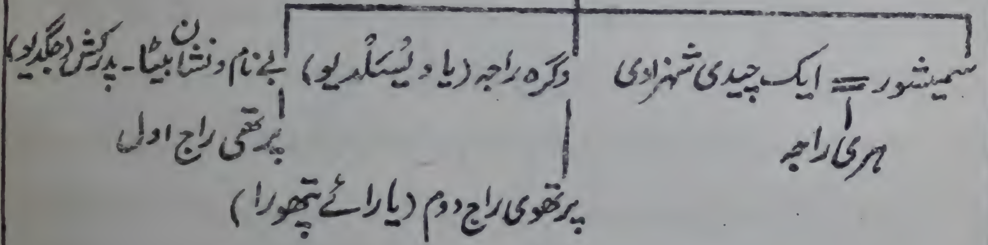
پرتھوی راج یا رائے پتھورا۔ اس عالم فاضل سپاہی کا بھتیجا سامبھر اور اجمیر کا بادشاہ پرتھوی راج یا پرتھی راج یا رائے پتھورا تھا جو اشعار اور حکایات میں ایک دلیر اور جانباز عاشق مزاج اور بہادر و جوانمرد سپاہی کی صفات سے مشہور ہے۔ جانباز عاشق ہونے کی شہرت اس کو قنوج کے گھر واڑ راجہ جے چند کی بیٹی کے بھگا لے جانے سے حاصل ہوئی۔ جو ۱۱۷۵ء کے قریب کا واقعہ ہے۔ سپاہی ہونے کی حیثیت سے وہ اول تو چندیل راجہ پرمال کی شکست اور ۱۱۸۲ء میں مہوبا کی فتح اور دوسرے اسلامی حملے کی مزاحمت کے سبب بجا طور پر مشہور ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رائے پتھورا کو شمالی ہند کا ہیرو صحیح معنوں میں قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور اس کے حسن و عشق اور جنگ و جدل کے افسانے اس وقت تک عوام کے اشعار اور گیتوں میں زبان زد خلائق ہیں[۱]۔

[۱] پرتھی راج کے متعلق مشہور ترین کتاب ایک ہندی رزمیہ نظم "چند راۓسا" یا "پرتھی راج راۓسا" ہے۔ جو آج کل بھی صوبجات متحدہ میں بہت زیادہ مقبول ہے۔ یہ نظم پرتھی راج کے ملک الشعراء چند بردائی کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس شاعر کی اولاد میں سے ایک شخص اس وقت تک جودھپور میں ان اراضی کی آمدنی پر اپنی زندگی بسر کر رہا ہے جو پرتھی راج نے اس کے جد اعلیٰ کو دی تھیں۔ اسی کے پاس ایک قلمی نسخہ ہے جس میں صرف (۵۰۰۰) اشعار ہیں۔ مگر اکبر کے وقت تک اس کی اولاد اس میں ایزاد کرتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اشعار کی تعداد (۱۲۵۰۰۰) تک پہنچ گئی۔ اصل کے ایک حصے کی نقلیں لی جا چکی ہیں اور امید کی جاتی ہے کہ وہ تمام کی تمام جلد شائع ہو سکے گی (جنرل اینڈ پروسیڈنگس اے۔ ایس۔ بی فروری ۱۹۱۱ء۔ اینول رپورٹ صفحہ ۳)۔ "راۓسا" کی سنین کی ظاہری غلطی کا ازالہ اس دریافت سے ہوتا ہے کہ مصنف نے بکرمی سمت کے اننددی قسم کو اختیار کیا ہے جو تقریباً ۳۳ء سے یعنی ۵۷-۵۸ ق م کے معمولی سنند بکرمی سمت سے نوے یا اکانوے برس بعد شروع ہوتا ہے۔ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۶ء صفحہ ۵۰۰) "انند" اور "سنند" کے اصطلاحات کا مطلب "بغیر"

ترائین یا تلاوری کی جنگ۔

شہاب الدین کے جو اس کے قبل ہی پنجاب کے ایک بڑے حصے کا مالک ہو چکا تھا ماتحت اسلامی افواج کا خوف شمالی ہند کے مخالف اور دشمن ریاستوں کے دل پر اس قدر غالب آیا کہ اپنے تمام قضیوں اور تنازعوں کو ایک مرتبہ برطرف

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔ اور "مع" نند ہے اور نند کا لفظ مترادف ہے (۹۰) یا (۹۱) کا۔ اصل میں یہ "نو نندوں" کے لحاظ سے (۹) کا مترادف ہے۔ اور سو (۱۰۰ - ۹ = ۹۱) تفریق (۹) (۹۱) ہوتے ہیں (گریرسن)۔ سنسکرت کی کتاب "پرتھوی راجہ وجیا" جو کشمیر میں بیوہلر نے دریافت کی تھی۔ تاریخ کی نظر سے مقدم الذکر کی نسبت زیادہ مستند ہے۔ سنہ ۱۱۷۸ - ۱۲۰۰ء کے درمیان غالباً ۱۱۹۱ء کے بعد لکھی گئی تھی۔ شجرۂ نسب کے متعلق اس کے بیانات کی تصدیق کتبوں سے بھی ہوتی ہے۔ اس کتاب کے مطابق پرتھوی راج کا صحیح شجرۂ نسب حسب ذیل ہے :۔



چند کا یہ بیان کہ رائے پتھورا دہلی کے بادشاہ آننگپال کا نواسا تھا غلط ہے۔ ہربلاس سردا نے "پرتھوی راج وجیا" کا نادر الوجود نسخہ مع اور قدیم حوالہ جات کے جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۹۱۳ء صفحہ ۲۵۹ - ۸۱ میں مفصل بیان کر دیا ہے۔ دگرہ راجہ کے متعلق اس بات کی صحت کہ اس نے دہلی کو فتح کیا تھا بہت مشتبہ ہے۔ (بیوہلر پروسیڈنگس اے۔ ایس۔ بی سنہ ۱۸۹۳ء صفحہ ۹۴) اور علو بجولی کے کتبے کے بائیسویں شعر سے اس کی تردید ہوتی معلوم ہوتی ہے۔ (جے۔ اے۔ ایس۔ بی حصہ اول جلد ۵۵ (سنہ ۱۸۸۶ء) صفحہ ۳۱) وغیرہ

رکھو کے اس غیر ملکی دشمن کی مخالفت کے لئے متحد اور کمر بستہ ہو گئے۔ شروع میں قسمت نے ہندوستانیوں کی یاوری کی۔ اور ۱۱۹۱ء (۵۸۷ھ) میں پرتھوی راج نے تھانیسر اور کرنال کے درمیان ترائین یا تلاوڑی کے مقام پر حملہ آور کو ایسی سخت شکست فاش دی کہ وہ دریائے سندھ کے اُس پار پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ اس کے ایک سال بعد ۱۱۹۲ء میں سلطان شہاب الدین ایک نئے اور تازہ دم لشکر کے ساتھ واپس آیا اور اسی پرانے مقام پر پرتھی راج کے ساتھ اس کا مقابلہ ہوا۔ پرتھی راج ایک مہیب اور زبردست فوج پر سپہ سالار تھا جس میں باجگذار راجاؤں کی فوجیں بھی شامل تھیں۔ مگر بارہ ہزار مسلمان سواروں کے حملے سے ہندوستانی افواج کو پھر وہی سبق ملا جو صدیوں پہلے سکندر اپنی فوجکشی کے زمانے میں ہندوستانیوں کو دے چکا تھا۔ اور یہ صریحاً ثابت ہو گیا۔ کہ ہندوستان کی غیر تربیت یافتہ فوج مرتب و منضبط سواروں کے لشکر کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ پرتھی راج اس جنگ میں گرفتار ہوا اور بیرحمی سے قتل کیا گیا۔ اس کے دار السلطنت اجمیر کے باشندے یا تو قتل ہوئے اور یا غلام بنا کر بیچ ڈالے گئے[1]۔

---

[1] ریورٹی:- ترجمہ طبقات ناصری صفحہ ۴۵۶ و ۴۵۹ و ۴۶۷ و ۴۶۸ و ۴۸۵ و ۴۸۶ اور ضمیمہ الف۔ بہت سی انگریزی کتابوں میں اس جنگ کی تاریخ بھی غلط لکھی ہے۔ اور میدان جنگ کا نام تراوڑی بھی غلط ہے۔ ۵۸۷ھ، ۵۸۸ھ، ۵۸۹ھ تقریباً ۹۳-۱۱۹۱ء کے برابر ہیں۔ جو ۲۹ جنوری ۱۱۹۱ء سے شروع ہو کر ۲۶ دسمبر ۱۱۹۳ء میں ختم ہوتے ہیں۔ ہندوؤں کی ایک یہ روایت کہ پرتھوی راج کو شہاب الدین اپنے ہمراہ غزنی لے گیا تھا۔ جہاں اس نے سلطان کو قتل کیا اور خود کام آیا بالکل غلط ہے۔ اصل یہ ہے کہ سلطان شہاب الدین کو ۶۰۲ھ (۱۲۰۶-۱۲۰۵ء) میں دلمیک کے مقام پر فرقۂ ملاحدہ کے ایک مخبوط الحواس شخص نے قتل کیا تھا۔ قتل کی اصل جگہ مسٹر جی۔ پی۔ ٹیٹ کی دیکھی ہوئی ہے۔ اور اب اس کو

ہندوستان کی فتح۔

سنہ ۱۱۹۳ء و سنہ ۱۱۹۴ء میں دہلی اور قنوج دونوں فتح ہوگئے۔ اور مقدم الذکر سنہ میں ہندو مذہب کا سب سے مقدس مقام بنارس بھی فاتحین کے ہاتھ آیا۔ اور اب ان لوگوں کو برہمنوں کی سرزمین میں اسلام کے بول بالا ہونے کا یقین ہوگیا۔ سنہ ۱۱۹۶ء میں گوالیار کی حوالگی۔ سنہ ۱۱۹۷ء میں گجرات کے دارالسلطنت انہلواڑہ کی فتح اور سنہ ۱۲۰۳ء میں کالنجر کی اطاعت قبول کرنے سے تمام شمالی ہند کی فتح مکمل ہوگئی۔ اور سنہ ۱۲۰۶ء (سنہ ۶۰۲ھ) میں جب شہاب الدین فوت ہوا ہے تو:-

"تمام ہندوستان خاص (سوائے مالوا اور اُس کے مضافات کے) کم و بیش اس کے ہاتھ میں تھا۔ سندھ اور بنگال یا تو بالکل فتح ہو چکے تھے اور یا ان کی فتح نہایت تیزی سے جاری تھی۔ گجرات پر سوائے دارالسلطنت انہلواڑہ (نہروال) کے قبضے کے اس کو کسی طرح کا قابو نہ تھا۔ ہندوستان کا بڑا حصہ بلا واسطہ اس کے افسروں کے ہاتھ میں تھا۔ اور باقی علاقہ زیردست یا کم از کم باجگذار راجاؤں کے ماتحت تھا۔ ریگستان اور کچھ کوہستانی علاقہ محض غفلت کی وجہ سے خود مختار باقی رہ گیا تھا[۱]۔"

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- پنجاب کے ضلع جہلم میں دھمیاک کا مقام قرار دیا گیا ہے (جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ سنہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۶۸)۔

[۱] الیفنسٹن:- "ہسٹری آف انڈیا" طبع پنجم صفحہ ۳۲۸۔ شہاب الدین مختلف ناموں اور لقبوں سے مشہور ہے۔ وہ محمد ابن سام۔ محمد غوری یا معز الدین کہلاتا ہے۔ اسی طرح اس کا بڑا بھائی۔ اور شریک حکومت جس کا نام بھی محمد تھا

قوم گھرواڑ کا نقل مکان

مسلمانوں کے ہاتھوں قنوج کی فتح کا ایک بڑا اہم نتیجہ یہ نکلا کہ قوم گھرواڑ کثیر تعداد میں راجپوتانہ کے ریگستانی علاقۂ مارواڑ میں نقل مکان کر گئی - جہاں مقیم ہونے کے بعد وہ راٹھور کے نام سے مشہور ہو گئے - یہ ریاست جو آج کل اپنے صدر مقام جودھپور کے نام سے مشہور ہے راجپوتانے کی ریاستوں میں سب سے زیادہ اہم خیال کی جاتی ہے[۱] - اسلامی افواج کے دباؤ کی وجہ سے راجپوتی قبائل کا اس طرح نقل مکان کرنا زمانۂ موجودہ میں ان کی تقسیم آبادی کو سمجھانے کے لئے ایک بڑی حد تک کافی و دافی ہے ؛

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- شمس الدین اور غیاث الدنیا والدین دونوں ناموں سے مشہور ہے (ریورٹی - جے - اے - ایس - بی - جلد ۴۵ حصۂ اول صفحہ ۳۲۸) - اس مضمون سے اس نظام سنین کی صحت کی پوری تصدیق ہوتی ہے جو اس کتاب میں اختیار کیا گیا ہے - راجہ جے چند دریائے جمنا کے قریب ضلع اٹاوہ میں چنداور کے مقام پر شکست کھا کر مارا گیا تھا - اور مسٹر بنرجی نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ اس بات کی کوئی شہادت موجود نہیں کہ اس موقع پر قنوج کو لوٹا گیا تھا - اسلامی فوج اس کے بعد بنارس چلی گئی - لیکن قنوج کا علاقہ مع شہر کے ضرور مسلمانوں کے ہاتھ میں آگیا ہوگا - اغلب یہ ہے کہ فوج قنوج میں داخل نہیں ہوئی - کیونکہ یہ شہر گنگا کے کنارے پر واقع تھا - مگر ۱۲۲۶ء کے قریب یہ شہر یقیناً التمش نے فتح کیا تھا (جرنل اینڈ پروسیڈنگس اے - ایس - بی ۱۹۱۱ء صفحہ ۶۱، ۶۵، و ۷۶۹) - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۹۴ء میں قنوج اس قدر غیر اہم مقام متصور کیا گیا تھا کہ فاتحین نے اس کو اپنے عقب میں چھوڑنے کو کسی طرح خطرناک محسوس نہیں کیا ؛

[۱] "امپیریل گزیٹیر" جلد ۱۴ صفحہ ۱۸۳ - اصل راٹھور مارواڑ میں بالی کے مقام پر دسویں صدی میں ہی آباد ہو گئے تھے - (ایضاً جلد ۶ صفحہ ۲۸۷) ؛

و

جیجا کبھکتی کے چندیل۔ اور چیدی کے کلچری

جیجا کبھکتی اور چیدی۔ دریائے جمنا اور دریائے نربدا کے درمیانی صوبے کا نام جو آج کل بندیلکھنڈ کہلاتا ہے اور جس کا کچھ حصہ صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ میں شامل ہے۔ قدیم زمانے میں جیجا کبھکتی تھا۔[1] اس کے اور زیادہ جنوب کا وسیع علاقہ جو آج کل صوبجات متوسط میں شامل ہے۔ تقریباً چیدی کی قدیم سلطنت کے برابر ہے۔ زمانۂ وسطیٰ کی تاریخ میں یہ دونوں خاندان یعنے جیجا کبھکتی کے چندیل اور چیدی کے کلچری جن میں بعض اوقات شادی بیاہ کے ذریعے تعلقات پیدا ہو جاتے تھے۔ اور جو عموماً بھی دوستی یا دشمنی کے لحاظ سے ایک دوسرے سے اکثر وابستہ رہتے تھے بہت مشہور و معروف ہیں۔ گیارھویں صدی کے آغاز سے چیدی کا علاقہ دو سلطنتوں میں منقسم تھا۔ ایک تو مغربی چیدی یا ڈاہال جس کا صدر مقام جبل پور کے قریب ترپور اور دوسرے مشرقی چیدی یا جھاکوسل جس کا دارالسلطنت رتن پور تھا۔

چندیل کے پیشرو۔ دیگر چند خاندانوں کی طرح چندیل سب سے بعد نویں صدی عیسوی میں صفحۂ تاریخ پر نمودار ہوتے ہیں۔ اَنتر چندیل ۸۳۱ء کے قریب ایک پرہار سردار کو مغلوب کر کے

---

[1] یعنے صوبۂ جیجاک۔ جیجاک یا جیجا کا نام کتبوں میں مذکور ہے (امپیریل گزیٹیر انڈیا جلد اول صفحہ ۱۸) ۔ اس نام کا مقابلہ ترابھکتی اور ترہوت سے کرو۔ حکمراں قوم کا نام ہندی میں چندیل اور سنسکرت میں چنڈیلا ہے۔

جیجا کبھکتی کے جنوبی حصے کا مالک ہو گیا۔ بھنپال کے اپنے ہم نفوں کی طرح یہ پرہار قبیلہ بھی یقیناً ان گرجر یا گوجر اقوام سے متعلق ہوگا جو چھٹی صدی عیسوی میں ہندوستان میں داخل ہوا تھا۔ قبیلۂ پرہار کا دارالسلطنت نوگاؤں اور چھتر پور کے درمیان موسہلنیا کے مقام پر تھا۔ پرہار کے بیشتر گھرواڑ قبیلے کے لوگ تھے۔ جن کے بعض افراد نے قنوج میں وہ خاندان قائم کیا جس کو غلطی سے راٹھور کہا جاتا ہے۔

قوم چندیل کے مناور اور جھیلیں راجگان چندیل عمارات تعمیر کرانے کے بڑے شوقین تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی سلطنت کے بڑے بڑے شہروں جیسے مہوبا۔ کالنجر اور کھجراہو میں عالیشان مندر اور پہاڑوں کے درمیان میں زبردست بند باندھ کر خوبصورت جھیلیں بنائیں۔ اس قسم کے بند باندھنے اور جھیلیں بنانے میں چندیل نے دراصل گھرواڑ کی نقل کی تھی۔ کیونکہ بندیلکھنڈ کی بعض نہایت خوبصورت جھیلوں کو موخرالذکر قوم کی طرف ہی منسوب کیا جاتا ہے۔

یسوورمن۔ قوم چندیل نے جو دراصل ہندو مذہب و تہذیب کا اثر لیے ہوئے گونڈ تھے اور جن کا قریبی تعلق اسی قسم کی ایک اور اصل باشندوں کی قوم بھر سے تھا پہلے پہل چھتر پور کے قریب ایک چھوٹے سے علاقے پر قبضہ حاصل کیا۔ اور پھر رفتہ رفتہ شمال کی طرف پھیلتے گئے یہاں تک کہ دریائے جمنا ان کا اور سلطنت قنوج کا حد فاصل قرار پایا۔ ممکن ہے کہ وہ شروع شروع میں راجہ پنچپال کے زبردست اور طاقتور راجاؤں بھوج اور مہندرپال کے باجگذار ہوں۔ لیکن بہرحال یہ یقینی ہے کہ دسویں صدی عیسوی کے نصف اول میں

لہ جے۔ اے۔ ایس۔ بی ۱۸۸۱ء حصۂ اول صفحہ ۶ؔ

یہ لوگ بالکل خود مختار ہو گئے تھے۔ ہرش چندیل نے غالباً دوسرے متحدین کی مدد سے مہی پال کو دوبارہ قنوج کا تخت جہاں سے اندر سوم راشٹر کوٹ نے اسے ۹۱۶ء میں نکال باہر کیا تھا دلوا دیا۔ ہرش کے بیٹے اور جانشین نے کالنجر کے قلعے کو فتح کر کے اپنی قوت میں بہت کچھ اضافہ کیا۔ چنانچہ وہ اس قدر طاقتور ہو گیا تھا کہ اس نے مہی پال کے جانشین دیو پال کو وشنو کی ایک مورت جس کو وہ کھجراہو کے اپنے تعمیر کیے ہوئے مندر میں نصب کرنا چاہتا تھا حوالے کرنے پر مجبور کیا۔

دھنگ۔ ۹۵۰-۹۹۹ء

یسو ورمن کا بیٹا راجہ دھنگ (۹۵۰-۹۹۹ء) جس نے سو برس سے کچھ زیادہ کی عمر پائی۔ اس خاندان کا سب سے زیادہ مشہور بادشاہ تھا۔ کھجراہو کے بعض سب سے عالیشان مندر اسی کی فیاضی اور سخاوت کی وجہ سے معرض وجود میں آئے۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے وقت میں سیاسی معاملات میں پوری پوری شرکت کی۔ ۹۸۹ء یا ۹۹۰ء میں وہ اس اتحاد میں شریک تھا جو پنجاب کے راجہ جیپال نے سبکتگین کی مزاحمت کے لیے قائم کیا تھا۔ اور اجمیر اور قنوج کے راجاؤں کے ہمرکاب اس شکست میں بھی ان کا ہاتھ بٹایا جو ان اتحادیوں کو بنّو اور غزنی کے درمیان وادی کُرّم (کرمہ) میں یا اس کے قریب کہیں نصیب ہوئی[1]۔

گند ۹۹۹-۱۰۲۵ء

جب محمود غزنوی نے تمام ہندوستان کے ملک کو اپنی فوج کے پیروں سے روندڈالنے کی خواہش ظاہر کی تو دھنگ کا بیٹا گند (۹۹۹-۱۰۲۵ء) اس اتحاد میں شریک ہوا جو ۱۰۰۸-۹ء (۳۹۹ھ) میں جیپال کے بیٹے انند پال نے ہندو راجاؤں میں قائم کیا۔ مگر یہ اتحاد بھی پہلی مرتبہ کی طرح حملہ آور کی

[1] ریورٹی "نوٹس آن افغانستان" صفحہ ۳۲۰۔

مزاحمت میں کامیاب نہ ہوا۔ اس کے دس سال بعد جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے گنڈ کے بیٹے نے قنوج پر حملہ کر کے وہاں کے راجہ راجیاپال کو جس نے مسلمانوں کے ساتھ بشرائط صلح کر لی تھی قتل کر دیا۔ لیکن ۱۰۲۳ء (۴۱۳ھ) کے اوائل میں اُسے خود مجبوراً کالنجر کا قلعہ محمود غزنوی کے حوالے کر دینا پڑا۔[۱] مگر بہرحال محمود نے اندرون ملک کے اپنی دوسری فتوحات کی طرح اس قلعے کو بھی اپنے ہاتھ میں نہ رکھا؛

گانگیا دیو اور کرن دیو کلچری
۱۰۱۵-۱۰۷۰ء

چیدی کا گانگیا دیو کلچری بھی (تقریباً ۱۰۱۵-۱۰۴۰ء) جو گنڈ اور اس کے جانشینوں کا ہمعصر تھا ایک لائق اور اولوالعزم راجہ گذرا ہے۔ اس نے اپنی زندگی کا مقصد اعلیٰ یہ قرار دے لیا تھا کہ شمالی ہند میں اپنے آپ کو سب سے زیادہ زبردست طاقت بنا لے۔ چنانچہ اس کام میں وہ ایک حد تک کامیاب بھی ہوا۔ ۱۰۱۹ء[۲] میں اس کی حکومت ترہت کے دوردست علاقے میں تسلیم کی گئی۔ اس کے بعد اس کے بیٹے کرن دیو نے (تقریباً ۱۰۴۰-۱۰۷۰ء) باپ کا شروع کیا ہوا کام اپنے ہاتھ میں لیا اور اس کو ترقی دی۔ چنانچہ ۱۰۶۰ء میں اس نے گجرات کے راجہ بھیم سے مل کر مالوا کے عالم و فاضل راجہ بھوج کو شکست دی۔ اس کے قبل ۱۰۳۵ء کے قریب وہ مگدھ کے پال خاندان کے راجہ پر حملہ آور ہو چکا تھا؛

---

[۱] طبقات ناصری۔ ایلیٹ جلد ۲ صفحہ ۴۶۷۔ اس کتاب میں ۱۰۲۱ء کو غلطی سے ۴۱۳ھ کے برابر قرار دیدیا ہے؛

[۲] بنڈل: "ہسٹری آف نیپال" (جے۔ اے۔ ایس۔ بی ۱۹۰۳ء حصہ اول صفحہ ۱۸ طبع ثانی)۔ ایم۔ سلوین لیوی نے بنڈل کی تشریح کو رد کیا ہے (نیپال جلد ۲ صفحہ ۲۰۲ حاشیہ) مگر تردید کے وجوہ قابل تسلیم نہیں۔ دیکھو آر۔ ڈی۔ بینرجی کا مضمون "دی پالاز آف بنگال" (میمائرس اے۔ ایس۔ بی ۱۹۱۳ء)؛

کیرتی ورمن چندیل
سنہ ۱۰۴۹-۱۱۰۰ء

اس کے چند سال بعد کرن دیو کو دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کا سبق ان پے در پے شکستوں سے حاصل ہوا۔ جو اس نے چند غنیم بادشاہوں کے ہاتھ سے کھائیں۔ ان میں ایک شکست جو اس نے کیرتی ورمن چندیل (سنہ ۱۰۴۹-۱۱۰۰ء) کے ہاتھ سے جس نے اپنے خاندان کی سلطنت کو بہت کچھ وسعت دے دی تھی کھائی زیادہ قابل توجہ ہے۔ چندیل قوم کے نادر الوجود سکوں کے قدیم نمونے اسی بادشاہ کے مضروبہ سکوں میں پائے جاتے ہیں جن کو اس نے چیدی کے راجہ کانگیا دیو کے سکوں کی نقل میں مضروب و رائج کیا تھا۔ ادبیات کی تاریخ میں کیرتی ورمن کا نام ایک عجیب و غریب تمثیلی ناٹک "پربودھ چندرودیا" ("طلوع قمر عقل") کی سرپرستی کی وجہ سے مشہور ہے۔ یہ ناٹک سنہ ۱۰۶۵ء میں یا اس کے قریب اس کے دربار میں دکھلایا گیا۔ اور اس میں نہایت ہوشیاری سے ناٹک کی صورت میں ویدانت کے فلسفے کو بیان کیا گیا ہے[1]۔

پرمال
سنہ ۱۱۶۵-۱۲۰۳ء

قوم چندیل کا آخری راجہ جس نے تاریخ کی حیثیت سے کوئی کارنمایاں کیا وہ پرمودی یا پرمال (سنہ ۱۱۶۵-۱۲۰۳ء) تھا۔ اس کا عہد حکومت سنہ ۱۱۸۲ء میں پرتھوی راج چوہان سے شکست کھانے اور سنہ ۱۲۰۳ء (سنہ ۵۹۹ھ) میں قطب الدین ایبک کے ہاتھوں فتح کالنجر کی وجہ سے مشہور ہے[2]۔ شمالی ہند کی مقبول عام رزمیہ نظم "چند رائیسا" چندیل اور چوہان اقوام کی جنگوں سے بھری پڑی ہے۔

---

[1] اس ناٹک کا مفصل ملخص ایم۔ سلوین لیوی نے دیا ہے ("تھیٹر انڈین" صفحہ ۲۲۹-۲۳۵)۔

[2] تاج المآثر کے متن کتاب میں ایک اور تاریخ سنہ ۵۹۷ھ (سنہ ۱۲۰۰-۱۲۰۱ء) بھی درج ہے (ریورٹی ترجمۂ طبقات۔ ضمیمہ ث (ڈی))۔

سنہ ۱۲۰۳ء (موسم بہار) کالنجر کی حوالگی

پرمال کی موت اور کالنجر کی فتح کا جو حال اس کے ہمعصر مسلمان مورخ نے لکھا وہ یہاں مثالاً نقل کیا جاتا ہے تاکہ اس طریق عمل کا صحیح پتہ لگ سکے جس سے کہ ہندوؤں کی سلطنتیں مسلمان فاتحین کے ہاتھوں میں آتی گئیں :-

"کالنجر کا راجہ، پرمار مردود" میدان جنگ میں نہایت تھوڑی سی مزاحمت کرنے کے بعد قلعے میں پناہ گزین ہوا۔ اور آخر میں اپنے آپ کو حوالے کرکے "طوق غلامی" اپنی گردن میں ڈال لیا۔ اور وفاداری کے وعدے پر اس کے وہی اعزازات و مراتب قائم رکھے گئے جو محمود سبکتگین نے اس کے آباء و اجداد کو عطا کئے تھے۔ اس کے علاوہ اس نے خراج اور ہاتھی بھی دینے کا وعدہ کیا۔ مگر ایفائے وعدہ کے قبل ہی وہ اپنی موت سے مر گیا۔ اُس کے بعد اج دیو نام اس کا دیوان اپنے آپ کو حوالہ کرنے کے لئے اس قدر مستعد نہ تھا جس قدر کہ اس کا آقا تھا۔ چنانچہ اس نے اس وقت تک اپنے غنیم کو سخت تکلیف دی جب تک کہ خشک سالی کی وجہ سے قلعے کے تمام چشمے اور تالاب نہ سوکھ گئے۔ بروز دوشنبہ ۲۰ رجب المرجب کو محصور فوج سخت کمزوری اور بدحواسی کی حالت میں قلعے سے باہر نکلی اور بمجبوری اپنے وطن کو خالی کر دیا ..... اور کالنجر کا قلعہ جو دنیا میں اپنی مضبوطی کے لئے سد سکندر کی طرح مشہور ہے فتح ہو گیا۔ مندروں کی جگہ مسجدیں تعمیر ہوئیں۔

تسبیح خوانوں اور موذنوں کی آواز آسمان تک پہنچنے لگی۔ اور بت پرستی کا نام و نشان تک مٹ گیا۔۔۔ پچاس ہزار آدمیوں نے طوق غلامی پہنا۔ اور تمام میدان ہندوؤں کی وجہ سے تیرہ و تار ہو گیا۔ ہاتھی اور مویشی۔ اور کثیر التعداد اسلحہ بھی فاتحین کے ہاتھ آئے؛

اس واقعے کے بعد عنان فتح و نصرت مہوبا کی طرف پھیری گئی اور کالنجر کی حکومت پر ہزبرالدین حسن ارنل مقرر کیا گیا۔ اور جب اس نواح کے نظم و نسق سے پوری تسلی ہو گئی تو وہ بداؤن کی طرف چلا گیا جو ام البلاد ہندوستان کی سرزمین کے زبردست شہروں میں شمار ہوتا ہے[1]؛

چندیل کا آخری راجہ

قوم چندیل کے راجہ بندھیلکھنڈ میں محض مقامی سرداروں کی حیثیت سے سولھویں صدی تک برابر قائم رہے۔ مگر ان کے حالات عام طور پر دلچسپی نہیں رکھتے[2] چندیل کی قوم بھی

---

[1] تاج المآثر۔ جس کا ملخص ایلیٹ جلد ۲ صفحہ ۲۳۱ میں درج ہے۔ ریورٹی ترجمہ طبقات صفحہ ۵۲۳۔ فاضل مترجم جو بالعموم صحت کا سختی سے پابند ہے۔ یہاں پر ایک سخت غلطی کا مرتکب ہوا ہے۔ چنانچہ اس نے پرمار کو جو ایک شخص کا نام ہے "پرمارہ" قوم کا نام قرار دے لیا ہے۔ کالنجر ضلع باندا میں واقع ہے:۔ شمالی عرض بلد ۲۵° - ۱ مشرقی طول بلد ۸۰° - ۲۹۔ مہوبا ہمیر پور کے ضلعے میں ہے:۔ شمالی عرض بلد ۲۵° - ۸ ۱ مشرقی طول بلد ۷۹° - ۵۳؛

[2] اس موضوع پر میرے مضمون "دی ہسٹری اینڈ کائنج آف دی چندیل (چندیلا) ڈائنسٹی آف بندھیلکھنڈ (جیجاکبھکتی) فرام اے۔ ڈی ۸۳۱-۱۲۰۳ء" (انڈین انٹی کویری ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۱۴-۱۴۸)۔ پرمردی کا کتبہ اس مضمون کے شائع ہونے کے بعد دریافت ہوا تھا (ایپی گرافیا انڈکا جلد ۱۰ صفحہ ۴۴)؛

تتر بتر ہو گئی۔ اور موجودہ زمانے میں ان کا سب سے بڑا اور قابل ذکر نمائندہ بنگال میں منگھیر کے قریب گدھور کا راجہ ہے۔

قوم کلچری کا آخری راجہ چیدی کے کلچری یا ہیہیا راجاؤں کا ذکر آخری مرتبہ سنہ ۱۱۸۱ع کے ایک کتبے میں ملتا ہے۔ مگر ان کے معدوم ہو جانے کے اصل حالات بالکل معلوم نہیں۔ مگر یہ باور کرنے کے وجوہ ہیں کہ ریوا کے بھگیل قبیلے کے لوگوں نے ان کی جگہ لی تھی۔ صوبجات متحدہ کے مشرقی ضلع بلیا کے ہائبنس راجپوتوں کو صوبہ متوسط کے راجگان رتن پور کی اولاد میں سے ہونے کا دعویٰ ہے۔ اور غالباً وہ قدیم ہیہیا نسل کی کسی شاخ کی اولاد ہیں۔ چیدی کے راجہ جو بعد کے زمانے میں ہوئے وہ ایک سنہ کو استعمال کرتے ہیں جس کا سلسلہ سنہ عیسوی کے ۲۴۸-۹ء کے برابر ہوتا ہے۔ یہ سنہ جو تریکوٹک بھی کہلاتا ہے مغربی ہند میں ایجاد ہوا۔ چنانچہ اس کا استعمال پانچویں صدی تک میں پایا جاتا ہے۔[1] مگر راجگان چیدی کے اس سنہ کو اختیار کرنے کے اسباب معلوم نہیں۔

---

[1] قوم کلچری کی تاریخ کے لئے دیکھو کننگھم:۔ رپورٹس جلد ۹ و ۱۰ و ۲۱۔ اور کتبات جو ایپی گریفیا انڈکا میں درج ہیں۔ سنہ کے لئے دیکھو فلیٹ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۹۰۵ع صفحہ ۵۶۶)۔ اور کیلہارن (ایپی گریفیا انڈکا جلد ۹ صفحہ ۱۲۹)۔ ہائبنس راجپوتوں کے لئے دیکھو کرک:۔ "ایتھنوگریفی کل ہینڈبک" (الٰہ آباد سنہ ۱۸۹۸ع) صفحہ ۱۵۶ "دی ٹرائبس اینڈ کاسٹس آف نارتھ ویسٹ پراونسز اینڈ اودھ" جلد ۲ صفحہ ۴۹۳۔

ز

مالوا کے پرمار (پنوارہ)

۶۸۲۰ء۔ مالوا کا پرمار خاندان

مالوا کا علاقہ دریائے نربدا کے شمال کی وہ سرزمین ہے جو قدیم زمانے میں اونتی یا سلطنت اُجین کے نام سے مشہور تھی۔ یہاں کا خاندان پرمار اس وجہ سے قابل ذکر و توجہ ہے کہ وہ بعد کے سنسکرت ادبیات کی تاریخ میں بہت سے مشہور و معروف مصنفین کے ناموں کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس خاندان کی بنیاد نویں صدی کے اوائل میں ایک سردار اپندر یا کرشن راج نے رکھی تھی۔ اور تقریباً چار سو برس تک یہ خاندان برابر قائم رہا۔ یہ یاد ہوگا کہ اس کے قیام کا زمانہ وہی وقت ہے جب کہ مختلف علاقوں میں نئے نئے خاندان قائم ہوتے دکھلائی دیتے ہیں۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اپندر کوہ آبو کے قریبی اضلاع چندراوتی یا اچل گڑھ سے جہاں اس کی قوم مدتوں سے آباد تھی آیا تھا۔

۹۷۴-۹۵ء۔ راجہ منج

اس خاندان کا ساتواں راجہ منج جو اپنے علم و فضل اور فصاحت و بلاغت کے لئے مشہور ہے شاعروں کا نہ صرف مربی اور سرپرست تھا بلکہ خود بھی جیسا کہ منتخبات ادبیات سے جس میں بہت سے ایسے مضامین شامل ہیں جو اس کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں ثابت ہوتا ہے۔ ایک مشہور و معروف شاعر تھا۔ مشہور مصنف دھنجیا اور اس کا بھائی دھنک ان مشاہیر میں شامل تھے جو اس کے دربار میں حاضر رہا کرتے تھے۔ مگر بہرحال وہ اپنا تمام وقت علم و فضل کی سرپرستی اور تحصیل میں ہی صرف نہ کرتا تھا۔ بلکہ اس کی زندگی کا بڑا حصہ اسلئے

قرب و نواح سے جنگ و جدل میں گذرتا تھا۔ اس نے چھ مرتبہ چپاؤکیا خاندان کے راجہ تیل دوم کو شکست دی۔ مگر ساتویں مرتبہ وہ ناکامیاب رہا۔ اور منج نے جو تیل کی شمالی سرحد یعنے دریائے گوداوری کو عبور کر چکا تھا شکست کھائی۔ گرفتار ہوا اور ۹۹۵ء کو اس کی گردن ماری گئی۔[۱]

راجہ بھوج ۱۰۱۸-۱۰۶۰ء

منج کا بھتیجا مشہور و معروف راجہ بھوج تقریباً ۱۰۱۸ء میں مالوا کے دارالسلطنت دھارا میں تخت پر بیٹھا۔ اور چالیس برس تک شادکامی اور کامرانی سے حکومت کی اپنے چچا کی طرح اس نے ملکی اور فوجی دونوں قوانین میں پوری دستگاہ حاصل کی۔ اگرچہ آج کل نواح کی سلطنتوں اور ایک دفعہ محمود غزنوی کی افواج کے ساتھ اس کی لڑائی کے حالات بالکل فراموش ہو گئے ہیں۔ لیکن علم و فضل کے مربی اور خود ایک خوش سلیقہ مصنف کی حیثیت سے اس کا نام اب تک مشہور و مقبول ہے۔ اور اس کی شہرت اب بھی ہندوؤں میں بہترین بادشاہ ہونے کی حیثیت زبان زد عام و خاص ہے۔ علم ہیئت۔ فن تعمیر۔ علم عروض اور دیگر علوم و فنون کی اکثر کتابیں اس کے نام سے منسوب ہیں۔ اور اس میں شک بھی نہیں کہ

---

[۱] منج کے نام بہت مختلف ہیں:۔ واکپتی (اول)۔ اُتپل راج۔ اموگھورش۔ پرتھوی ولبھ۔ اور سری ولبھ۔ وہ ۹۷۴ء میں تخت پر بیٹھا۔ اور بیس برس بعد اس کی موت ۹۹۴-۹۹۷ء کے درمیان واقع ہوئی (بیوہلر۔ ایپی گریفیا انڈکا جلد اول صفحہ ۸-۲۲۲ و ۲۹۷ و ۳۰۲۔ فلیٹ:۔ "ڈائنسٹیز آف کنیریز ڈسٹرکٹس" طبع دوم صفحہ ۴۳۲۔ منقول فی بمبئی گزیٹیر ۱۸۹۶ء جلد اول حصہ دوم۔ بھنڈارکر:۔ ارلی ہسٹری آف دی دکن" ایضاً صفحہ ۲۱۴)۔ یہ حملے تعداد میں صرف چھ تھے نہ کہ سولہ جیسا کہ بیوہلر نے غلطی سے فرض کر لیا ہے (ہیگ:۔ ڈسٹروپ صفحہ ۲ مقدمہ حاشیہ ۴۔ کولمبیا یونیورسٹی پریس ۱۹۱۲ء)۔

سمدرگپت کی طرح ایک غیر معمولی لیاقت اور قابلیت کا بادشاہ تھا۔ دھارا نگری اس جگہ جہاں کسی زمانے میں بھوج کا سنسکرت کا مدرسہ تھا اور جو غالباً ایک علم کی دیوی سرسوتی کے نام کے ایک مندر میں منعقد ہوتا تھا وہاں آج کل ایک مسجد بنی ہوئی ہے[1]۔

بھوجپور کی جھیل

بھوجپور کی عالیشان اور خوبصورت جھیل بھوپال کے جنوب مشرق میں واقع تھی۔ اس کا رقبہ ڈھائی سو مربع میل تھا۔ اور وہ پہاڑیوں کے درمیان ایک عظیم الشان بند باندھ کر تیار کی گئی تھی۔ یہی جھیل اس کی سب سے بڑی قابل قدر یادگار تھی۔ اور اس کے میر عمارت کی ہنرمندی اور دستگاہ پر دلالت کرتی تھی۔ پندرھویں صدی تک یہ صحیح و سالم قائم رہی۔ اس کے بعد ایک مسلمان بادشاہ کے حکم سے بند کو توڑ کر اس کو پانی سے خالی کر دیا گیا۔ چنانچہ اس کے میدان میں اب نہایت زرخیز کھیت ہیں۔ اور اس کے درمیان سے ہو کر انڈین مڈلینڈ ریلوے گذرتی ہے[2]۔

آخری زمانے میں مالوا کی تاریخ۔

سنہ ۱۰۶۰ء کے قریب اس لائق و فائق راجہ کو گجرات اور چیدی کے متحدہ حملوں کے مقابلے میں شکست ہوئی۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کے خاندان کی

---

[1] آرکیالوجیکل سروے اینول رپورٹ سنہ ۱۹۰۳-۴ء صفحہ ۲۴۴-۲۳۸۔ جو کتابیں بھوج کے نام پر منسوب کیجاتی ہیں۔ ان کی سب سے زیادہ مفصل اور مکمل فہرست پو فرکٹ کی "کیٹلاگس کیٹلوگرم" جلد ا صفحہ ۴۱۸ و جلد ۲ صفحہ ۹۵ میں پائی جاتی ہے۔ بھوج کے سنین اور اس کے پیشرو سندھراج کے تاریخی حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۰۷ صفحہ ۱۷۰-۲ اس کے دو کتبے دریافت ہوئے ہیں:۔ اول کی تاریخ سنہ ۱۰۱۹ء اور دوسرے کی سنہ ۱۰۲۰ء (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۰۱)۔

[2] ملکم :۔ سنٹرل انڈیا جلد اول صفحہ ۲۵ کننگھم۔ انڈین انٹی کویری جلد ۱۷ صفحہ ۵۲-۳۵۰ مع جھیل کے نقشے کے۔

عظمت بھی رخصت ہوگئی۔ تیرھویں صدی کے آغاز تک اس کا خاندان محض مقامی سرداروں کی حیثیت سے باقی رہا۔ جب کہ قبیلۂ تمر کے سرداروں نے اس کی جگہ لے لی۔ اور ان کے بعد چوہان راجاؤں کی باری آئی۔[1] ۱۵۶۹ء میں اکبر نے اس خاندان کا قلع قمع کیا اور مالوے کو اپنی سلطنت کے ساتھ ملحق کر لیا؛

ح

بہار و بنگال کے خاندانہائے پال و سین

۶۵۰ء بنگال کی تاریخ ناپید ہے

ہرش نے اپنے انتہائے عروج کے زمانے میں بنگال پر حاکم اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے تھوڑی بہت نگرانی مشرق میں دور دست سلطنت کامروپ یا آسام تک قائم رکھی تھی۔ اور مغربی اور وسطی بنگال پر تو کامل طور سے اس کے احکام و فرامین شاہی نافذ تھے۔ اس کی موت کے بعد اس میں شک نہیں کہ مقامی راجہ خود مختار ہو گئے تھے۔ مگر ارجن اور ونگ۔ ہیون۔ تسے کی عجیب و غریب حکایت کے سوا جس کا ذکر تیرھویں باب میں ہو چکا ہے تقریباً ایک صدی تک بنگال کی تاریخ بالکل ناپید ہے۔ بنگال کی مقامی روایات کے مطابق وہاں کے سب سے زیادہ مشہور و معروف خاندان قنوج کے پانچ برہمنوں اور پانچ کائستھوں کی اولاد سے ہیں جن کو ایک بادشاہ آدِسُور نامی وہاں سے ملک میں صحیح

[1] ملکم سنٹرل انڈیا جلد اول صفحہ ۲۶؛

ہندو عقائد کی تبلیغ کے لئے لایا تھا۔ کیونکہ بدھ مذہب کے زور و شور کے زمانے میں یہ عقائد بالکل فراموش ہو گئے تھے۔ مگر اس بادشاہ کا کوئی مستند حال اب تک دریافت نہیں ہوا۔ مگر بہرحال آدِسُور کے وجود میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ وہ غالباً ایک مقامی راجہ تھا اور گور اور اس کے گرد و نواح کے علاقے پر حکمراں تھا۔ اندازاً ۷۰۰ء یا اس سے ذرا قبل کے زمانے کا اس کو تصور کر لیا جا سکتا ہے[۱]۔

تقریباً ۷۴۰ء–۸۳۰ء خاندان پال کا عروج۔

آٹھویں صدی کے آغاز (۷۳۰-۷۴۰ء) میں جب کہ بنگال فتنہ و فساد کی وجہ سے پامال ہو رہا تھا ایک سردار گوپال نامی راجہ منتخب ہوا۔ اپنی زندگی کے اواخر میں اس نے اپنی سلطنت کو مغربی طرف مگدھ یا جنوبی بہار تک وسیع کیا۔ اور کہا جاتا ہے کہ پنتالیس برس تک

---

[۱] "اس وقت تک آدِسُور کا کوئی قابل اعتبار حال دریافت نہیں ہوا۔ برہمنی حسب و نسب کے قدیم ترین مصنف جن کی کتابیں ہم تک پہنچی ہیں ہری مسر اور ایرو مسر۔ آدسور کو پال راجاؤں سے قبل کا بتلاتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ قنوج سے پانچ برہمنوں کے آنے کے بعد سلطنت گور پال خاندان کے قبضے میں آگئی تھی۔" (لو سی۔ بٹویل۔ جے۔ اے۔ ایس۔ بی حصۂ اول جلد ۶۳ (۱۸۹۴ء) صفحہ ۴۱)

"جنوبی رادھ (یعنے ضلع بردوان) کا راجہ آدِسُور بنگال کے اس خاندان سور کے متعلق معلوم ہوتا ہے جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ قنوج سے پانچ برہمنوں کو لائے تھے۔ یہ کہ ان کو پال خاندان نے سلطنت کے ایک بڑے حصے سے بے دخل کر دیا تھا بنگال کے شجرۂ نسب سے معلوم ہوتا ہے" رنسور ان بادشاہوں میں سے تھا جنھوں نے مہی پال کو کانچی کے راجہ راجندر کے حملے کے روکنے میں مدد دی تھی (ایچ۔ پی۔ شاستری: میمائرس اے۔ ایس۔ بی۔ جلد ۳ نمبر ۱۔ (۱۹۱۰ء) صفحہ ۱۰) آدسور کے محل کا موقعہ گور کے کھنڈروں کے شمال میں لکھنوتی کی فصیل کے برابر بیان کیا جاتا ہے۔ (ای۔ انڈ۔ جلد ۳ صفحہ ۷۲)

حکمراں رہا۔ اس نے راجپوتانے کے گرجر راجہ وتسراج کے ہاتھوں شکست بھی کھائی[1]۔ وہ بدھ مذہب کا ایک دیندار پیرو تھا۔ اور اُوندپوریا اتنتپور یعنی موجودہ شہر بہار میں جو ایک زمانے میں پال خاندان کے آخری بادشاہوں کا دارالسلطنت بھی بننے والا تھا ایک عظیم الشان خانقاہ تعمیر کرائی تھی۔ اور کیونکہ بانیٔ خاندان اور اس کے جانشینوں کے ناموں میں پال کا جزو شامل تھا اس لیئے آسانی کے لیئے عام طور پر اس خاندان کو "خاندان پال" ہی کہا جاتا ہے؛

سنہ ۶۸۰ء دھرم پال

اس خاندان کا دوسرا راجہ دھرم پال تھا۔ اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے چونسٹھ برس حکومت کی تھی۔ مگر بہرحال اس کی حکومت کا زمانہ کم از کم اڑتیس برس ضرور رہا تھا۔ تبت کے مورخ تارناتھ نے صریحاً لکھا ہے کہ اس کی سلطنت شمال میں خلیج بنگالہ سے لے کر دہلی اور جالندھر تک اور جنوب میں کوہستان بندھیاچل تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور تارناتھ کے اس بیان کی تصدیق اس واقعے سے ہوتی ہے کہ دھرم پال نے پنچال کے راجہ اندرایدھ یا اندرراجہ کو جس کا دارالسلطنت قنوج تھا شکست دے کر تخت سے اُتار دیا اور اس کی جگہ شمالی ہند کے دول کی رضامندی سے جن میں بھوج متسیا۔ مدرا۔ کرو۔ یدو۔ یون۔ اونتی۔ گندھار اور کیر کے راجہ شامل تھے چکرایدھ کو تخت پر بٹھا دیا۔ یہ واقعہ سنہ ۸۰۰ء یعنے دھرم پال کے بتیسویں سنہ جلوس کے قبل (جیسا کہ اس کے عطیات کے کتبوں سے پایا جاتا ہے)[2] میں ہوا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ پوندرودھن کے صوبے کے

---

[1] راشترکوٹ کے عطیات (انڈین انٹی کویری جلد ۱۱ صفحہ ۱۳۶-۱۶۰۔ جلد ۱۲ صفحہ ۱۶۴۔ ایپی گریفیا انڈکا جلد ۶ صفحہ ۲۴۲)۔ مسٹر آر۔ ڈی۔ بنرجی گوپال کی تخت نشینی کو چالیس یا پچاس برس قبل کا واقعہ بتلاتے ہیں۔ مگر مجھے ان کے بیان کی صحت میں کلام ہے؛

[2] بھاگل پور کی تانبے کی لوح (انڈین انٹی کویری جلد ۱۵ صفحہ ۳۰۴۔ جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۸)۔

چار گاؤں کے عطیے کا فرمان پاٹلی پتر سے نافذ ہوا تھا[۵۱]۔ ساتویں صدی عیسوی میں جب ہیون سانگ اس شاہی دارالسلطنت میں آیا ہے تو اس نے اشوک کی تمام عمارات کو برباد و خستہ حالت میں پایا تھا۔ شہر میں کم و بیش ایک ہزار متنفس آباد تھے۔ جو پرانے موقع کے محض شمالی حصے میں دریائے گنگا کے کنارے ایک جگہ بستے تھے[۵۲]۔ بظاہر جب سنہ ۸۱۰ء میں دھرم پال وہاں سکونت پذیر تھا تو شہر نے اپنی گم شدہ عظمت کو ایک حد تک پھر حاصل کر لیا تھا۔ بکرم سیل کی مشہور و معروف خانقاہ جس میں بیان کیا جاتا ہے کہ (۱۰۷) مندر اور (۶) مدرسے تھے دھرم پال ہی نے تعمیر کرائی تھی۔ یہ دریائے گنگا کے دہنے کنارے پر تعمیر کی گئی تھی۔ مگر اس کے اصلی اور صحیح موقع کا پتہ نہیں لگا[۵۳]۔

دیوپال۔ نویں صدی۔

خاندان کا تیسرا راجہ دیوپال بنگال کے قدیم ترین برہمنی سنابون کے خیال کے موافق خاندان پال کا سب سے زبردست اور طاقتور بادشاہ تھا[۵۴]۔ اس کے سپہ سالار لاؤسین نے آسام اور کلنگ کو فتح کیا تھا۔ اس کے عطیے کا ایک فرمان جس پر اس کی تینتیسویں[۳۳] سنہ جلوس کی تاریخ ہے مدگگر یا منگھیر سے نافذ کیا گیا تھا[۵۵]۔ اپنے خاندان کے دوسرے راجاؤں کی طرح اس کو بدھ مذہب سے ایک لگاؤ اور محبت تھی۔ چنانچہ اس کی نسبت مشہور ہے کہ اس نے "کفار" کے مقابلے میں جہاد کر کے ان کے چالیس قلعے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ کھالیمور کی تانبے کی لوح (ایپی گریفیا انڈکا جلد ۴ صفحہ ۲۵۲)۔

[۵۱] جیا سکندھاوار سے محض چھاؤنی مراد نہیں ہوتی (ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر)۔

[۵۲] واٹرس جلد ۲ صفحہ ۸۷ و ۸۸۔ بیل جلد ۲ صفحہ ۸۲ و ۸۶۔

[۵۳] ممکن ہے کہ اس کا موقعہ ضلع بھاگلپور میں پتھر گھاٹ کے مقام پر ہو (جرنل اینڈ پروسیڈنگس اے۔ ایس۔ بی سنہ ۱۹۰۹ صفحہ ۱۳)۔

[۵۴] جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ جلد ۶۳۔ حصۂ اول (سنہ ۱۸۹۴ صفحہ ۴۱)۔

[۵۵] انڈین انٹی کویری جلد ۲۱ صفحہ ۲۵۴۔

برباد کئے تھے۔ روایتاً اس نے اڑتالیس برس حکومت کی تھی[1]۔

دسویں صدی کے آخری حصے میں کامبوج نامی پہاڑی قوم کے یورش کرنے کی وجہ سے خاندان پال کی سلطنت میں رخنہ واقع ہوا۔ کیونکہ انھوں نے اپنے سرداروں میں سے ایک کو بادشاہ بنا لیا۔ اس کی حکومت کی یادگار دیناج پور کا ایک ستونی کتبہ ہے جو بظاہر سنہ ۹۶۶ء میں نصب کیا گیا تھا[2]۔

مہی پال اوّل تقریباً سنہ ۹۷۸-۱۰۳۰ء

قوم کامبوج کو خاندان پال کے نویں بادشاہ مہی پال اول نے جو سنہ ۱۰۲۶ء میں حکمراں تھا نکال باہر کیا۔ اس کے متعلق یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ اس نے سنہ ۹۷۸ء یا سنہ ۹۸۰ء میں اپنی آبائی سلطنت کو نئے سرے سے حاصل کیا۔ اس کی حکومت کی مدت (۵۲) برس قرار دی جاتی ہے اور اس میں کچھ بہت زیادہ غلطی بھی نہیں معلوم ہوتی کیونکہ کتبوں کی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ (۴۸) برس تک حکمراں رہا[3]۔ خاندان پال کے تمام راجاؤں میں

---

[1] شیفنر:- تارناتھ صفحہ ۱۴-۲۰۸۔ تارناتھ لکھتا ہے کہ دیوپال نے ورندر یعنے ضلع مالدا وغیرہ کو فتح کیا تھا۔ مگر اس کا ماننا ذرا مشکل ہے کیونکہ یہ علاقہ اس سے قبل بھی پال خاندان کے زیر تصرف ہوگا۔

[2] "دیناج پور پلر انسکرپشن" (جے۔ اینڈ پروسیڈنگس اے۔ ایس بی سنہ ۱۹۱۱ء صفحہ ۶۱۵)۔ اس پر سنہ ۸۸۸ کی تاریخ ہے اور اگر اس کو سکہ سن سمجھ لیا جائے تو وہ سنہ ۹۶۶ء کے برابر ہے۔

[3] سارناتھ کا کتبہ مورخہ سنہ ۱۰۸۳ (ڈی۔ اے) انڈین انٹی کویری جلد ۱۴ صفحہ ۱۴۰۔ شمالی بہار یا ترہوت کے ضلع مظفر پور میں کانسی کی چند مورتیں پائی گئی ہیں جن کے کتبات مہی پال کے اڑتالیسویں سال کے ہیں (ہارنل۔ انڈین انٹی کویری جلد ۱۴ (سنہ ۱۸۸۵ء) صفحہ ۱۶۵ حاشیہ ۱۷۔ پروسیڈنگس اے۔ ایس۔ بی۔ سنہ ۱۸۹۱ء صفحہ ۹ کے اختلافات قرأت محض قیاسی ہیں۔ کننگھم نے آرکی آلوجیکل سروے رپورٹ جلد ۳ صفحہ ۱۲۳ میں صحیح تاریخ بیان کی ہے۔

یہی راجہ سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اور اس کے نام کے گیت چند سال قبل تک بنگال کے بہت سے حصوں میں گائے جاتے تھے اور اب بھی اڑیسہ اور کوچ بہار کے دور دست حصوں میں سنائی دیتے ہیں۔ ۱۰۲۳ء میں کانچی کے چول راجہ راجندر نے اس پر حملہ کیا تھا۔ اسی کے عہد حکومت میں بدھ مذہب تبت میں جہاں وہ ایک صدی پہلے پہلے لنگدرم کے مذہبی تعصب کی وجہ سے ناپید ہو گیا تھا دوبارہ زندہ ہوا۔ مگدھ کے پنڈت دھرم پال اور دوسرے بزرگوں نے ۱۰۱۳ء میں شاہ تبت کی دعوت کو قبول کیا۔ اور وہاں جاکر گوتم بدھ کے مذہب کی دوبارہ عزت و توقیر قائم کی۔ اس کے بعد ایک اور تبلیغی مشن ۱۰۴۰ء میں مہی پال کے جانشین نیا پال کے عہد حکومت میں بھیجا گیا۔ اس مشن کا سرگروہ مگدھ کی خانقاہ بکرمسیل کا ایک رکن اتش تھا۔ اس نے تبت میں اپنے پیشروؤں کے کام کو جاری رکھا اور تبت میں بدھ مذہب کو مستحکم طور پر قائم کر دیا۔[1]

قبیلۂ کیورت کی بغاوت۔ نیا پال کے بیٹے وگرہ پال سوم نے جس نے چیدی کے راجہ کرن کو شکست دی تھی اور خود تقریباً ۱۰۸۰ء میں فوت ہوا۔ تین بیٹے مہی پال دوم۔ سورپال دوم اور رام پال چھوڑے۔ جب مہی پال تخت پر بیٹھا تو اس نے اپنے بھائیوں کو قید کر دیا۔ اور جبر و تشدد سے سلطنت کرنی شروع کی۔ اس کی اس تعدی اور ظلم کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغاوت پھیل گئی جس کا سرغنہ جیسی کیورت قوم

[1] سرت چندر داس (ج۔ اے۔ ایس۔ بی جلد اول حصۂ اول صفحہ ۲۳۶ و ۲۴۷)۔ تارناتھ کہتا ہے کہ مہی پال کی موت کی تاریخ اندازاً تبت کے ایک بادشاہ کھرِ رال کے سنہ وفات کے برابر ہے۔ مگر اس موخرالذکر بادشاہ کا نام فہرستوں میں نہیں ملتا (شیفنر صفحہ ۲۲۵)۔ نظام سنین کے لئے دیکھو جے۔ اے۔ ایس۔ بی جلد ۶۹ حصۂ اول (۱۹۰۱ء) صفحہ ۱۹۲)۔

(یعنے کیوت ذات) کا سردار دلویا - یا دیوک تھا - یہ قوم اس زمانے میں شمالی بنگال میں بڑے زوروں پر تھی - انجام کار باغیوں نے مہی پال دوم کو قتل کیا اور اس کے ملک پر قبضہ کر لیا - دیوک کے بعد اس کا کام اس کے بھتیجے بھیم نے اپنے ہاتھ میں لیا - اور ورندر کا بادشاہ ہو گیا - رام پال کسی طرح قید خانے سے بھاگ نکلا - اور اپنی سلطنت کے دوبارہ حاصل کرنے کے لئے مدد مانگنے کے واسطے ہندوستان کے اکثر ملکوں میں آوارہ پھرتا رہا - آخر کار سخت جدوجہد کے بعد اس نے ایک جری فوج جس میں راشٹر کوٹ جن سے اس کا سسرالی رشتہ تھا اور دوسرے راجاؤں کی افواج شامل تھیں جمع کر لی - جنگ میں بھیم نے شکست کھائی - اور رام پال نے اپنے آبائی تخت و تاج کو پھر حاصل کر لیا[1]

رام پال کی حکومت سنہ ۱۰۸۴ - ۱۱۳۰ء

رام پال کے متعلق تارناتھ کا بیان ہے کہ وہ ایک تیز فہم اور زیرک آدمی تھا - اور اس کی طاقت و قوت وسیع تھی - کیورت قوم کے غاصب کو شکست دینے کے بعد اس نے متھلا یعنے شمالی بہار جس میں موجودہ اضلاع چمپارن و دربھنگہ شامل تھے فتح کیا - اور یہ بھی بالکل یقینی ہے کہ کامروپ یا آسام کا علاقہ بھی اس کی سلطنت میں شامل تھا - کیونکہ اس کے بیٹے کمار پال نے اس ملک کی سلطنت مع تمام شاہی اختیارات کے ایک بہادر وزیر ودیا دیو نامی کے سپرد کر دی تھی - بدھ مذہب اگرچہ اس زمانے میں ہندوستان میں زوال پذیر تھا لیکن رام پال کی سلطنت میں وہ زور و شور پر تھا - اور مگدھ کے

---

[1] بھیم کے قتل اور متھلا کی فتح کے حالات ودیا دیو کی کمولی کے عطیے میں مذکور ہیں - (اپی گریفیا انڈکا جلد ۲ صفحہ ۳۵۵) - اور تفصیلات ایک متحد العصر تاریخی نظم "رام چرت" سے حاصل ہوتی ہیں جس کا مصنف سندھیاکر نندی ہے - اور جو نیپال میں پائی گئی تھی - وہ میمائرس اے - ایس - بی جلد ۳ نمبر ۱ (سنہ ۱۹۱۰ء) میں شائع ہوئی ہے[؟]

علاقے کی خانقاہیں ہزارہا بھکشوؤں سے بھری پڑی تھیں۔ تارناتھ اور بنگال کے بعض مورخین رام پال کو اس خاندان کا آخری یا کم از کم ایسا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں جس کی طاقت ذرا بھی وسیع تھی۔ لیکن کتبات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس خاندان کے پانچ راجہ اور گذرے تھے[1]۔

آخری راجگان پال

۱۱۷۵ء میں گوبند پال حکمراں تھا۔ اور ملکی روایات کے مطابق اسلامی فتوحات کے وقت یعنی ۱۱۹۷ء میں اندردیمن (پال) مگدھ کا راجہ تھا۔ اور اس کے تعمیر کردہ قلعے اب تک

---

[1] جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ حصۂ اول جلد ۶۳ (۱۸۹۴ء) صفحہ ۴۶ جلد ۴۱ (۱۸۸۲ء) صفحہ ۱۶۔ شیفنر ترجمۂ تارناتھ صفحہ ۲۵۰۔ اس خاندان کے نظام سنین کو نہایت مستحکم طور پر مصنف کے مضمون ''دی پال ڈائنسٹی آف بنگال'' (انڈین انٹی کویری ۱۹۰۹ء صفحہ ۲۴۳-۲۳۳) میں بتیس کتبات کی بنا پر قائم کر دیا گیا ہے۔ اس مضمون کے معرض تحریر میں آنے کے بعد جو سب سے زیادہ اہم کتبہ شائع ہوا ہے وہ دیناج پور کا ستونی کتبہ ہے جس کا حوالہ اوپر بھی دیا گیا ہے۔ راج شاہی کی ورندر ریسرچ سوسائٹی بنگال کی قدیم تاریخ پر بہت کچھ توجہ مبذول کر رہی ہے۔ اس کے آنریری سکریٹری نے بنگالی زبان میں پال اور سین خاندانوں سے متعلق ایک کتاب شائع کی ہے۔ اسی طرح اس کے ناظم (ڈائرکٹر) بابو اکشیا کمار مترا بی۔ ایل نے اسی زبان میں کتبات کی ایک جلد بھی شائع کی ہے۔ مگر مینے یہ کتابیں نہیں دیکھیں۔ سوسائٹی نے میرے پاس تین انگریزی کتابیں بھیجی ہیں جن میں سے دو کے نام ''دی سٹونز آف ورندر'' اور ایک کا نام ''گائڈ بک'' ہے۔ جس میں آثار قدیمہ کی اس نمائش کا حال ہے جو راج شاہی میں ۱۹۱۲ء میں منعقد ہوئی تھی۔ ان کتابوں سے میں نے استفادہ کیا ہے۔ مسٹر آر ڈی۔ بنرجی نے مجھ کو اپنے پال خاندان کے مضمون کا پروف جو میمائرس اے ایس بی ۱۹۱۳ء میں شائع ہونے والا ہے بھیجا ہے۔ مہندر پال کے تین کتبے جیسا کہ میرا اور دوسروں کا پہلے خیال تھا پال خاندان کے اس نام کے

منگھیر کے ضلع میں دکھلائی دیتے ہیں[1]۔

خاندان پال کی اہمیت۔

ہندوستان کے تمام شاہی خاندانوں میں خاندان پال نہایت عجیب وغریب خاندان ہونے کی حیثیت سے قابل یادگار ہے۔ خاندان اندھر کے سوا اور کوئی شاہی خاندان ساڑھے چار سو برس تک قائم نہیں رہا۔ دھرم پال اور دیوپال نے بنگال کو ہندوستان کی زبردست ترین سلطنت بنا دیا۔ اور اگرچہ بعد کے راجاؤں کی نہ تو سلطنت ہی کچھ زیادہ وسیع تھی اور نہ ان کا اثر کچھ ایسا زیادہ تھا لیکن پھر بھی ان کی سلطنت چھوٹی نہیں تھی۔ دسویں صدی کے آخری حصے میں کامبوج کے غصب اور گیارھویں میں کیورت قوم کی بغاوت نے خاندان پال کی عظمت وحکومت میں سخت رخنہ ڈالا تھا۔ اور اصل میں یہی دو واقعات تھے جنھوں نے راجگان سین کے لئے راستہ صاف کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مگدھ یا جنوبی بہار اور شمالی بہار میں منگھیر کا علاقہ شروع سے آخر تک سوائے تھوڑے سے وقفے کے برابر راجگان پال کے قبضے میں رہا۔ مگر حکومت کی آخری صدی میں سین خاندان نے ان کو تقریباً تمام بنگال سے بے دخل کر دیا تھا۔ مقامی تاریخ کی تفصیلات ابھی تک قابل غور رہی ہیں[2]۔

علم وفن کی ترقی

دھرم پال اور دیوپال کا عہد حکومت جو ۷۸۰ء سے ۸۹۲ء تک ایک صدی سے کچھ زیادہ مدت تھی علوم وفنون کی ترقی وتہذیب کا زمانہ تھا۔ اس زمانے میں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ راجہ کے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ دراصل گرجر پرہار کے اسی نام کے راجہ کے ہیں۔

[1] بوچینن:۔ ایسٹرن انڈیا جلد ۲ صفحہ ۲۳۔ ولنگھم رپورٹ جلد ۳ صفحہ ۱۳۵ و ۱۵۹ و ۱۶۲۔

[2] گرجر پرتہار قوم کے مہندرپال راجہ قنوج (تقریباً ۸۵۰ء) نے تھوڑی مدت کے لئے مگدھ پر قبضہ کر لیا تھا۔

دو نقاشوں دھیمان اور بتپالو (وتپال) نے مصوری سنگ تراشی اور کانسی کی چیزیں ڈھالنے میں بڑا نام پیدا کیا تھا۔ اور ان کے زمانے کی کچھ نایاب یادگاریں اب بھی موجود بتلائی جاتی ہیں[ﻟﮧ] خاندان پال کے زمانے کی کوئی عمارت صحیح وسالم باقی نہیں رہی۔ لیکن ان کی سلطنت کے وسطی اضلاع اور خاص کر دیناج پور کے تالابوں کے آثار اور کھنڈروں سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ مفاد عام کے کاموں کی طرف اس سلطنت کی خاص توجہ تھی۔

بدھ مذہب کی سرپرستی۔ بلا استثنا سب کے سب راجگان پال بدھ مذہب کے جوشیلے پیرو تھے۔ اور علماء و فضلاء اور بے شمار خانقاہوں کو انعام واکرام سے مالا مال کر دینے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ دھرم پال جو یقیناً ایک غیر معمولی قابلیت کا شخص تھا۔ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ایک جوشیلا مصلح مذہب تھا۔ گیارھویں صدی میں اس کے جانشین جو تنتر کی شکل کے بدھ مذہب کے پیرو تھے اکثر علماء کی خدمت سے مستفید ہوئے تھے۔ جن میں ایک اتش تھا جس کا ذکر تبت کی تبلیغی مشن کے ضمن میں اس سے قبل ہو چکا ہے[ﺳﮧ]۔

خاندان سین کی ابتدا۔ کیورت کی بغاوت کے قریب (تقریباً ۱۰۸۰ء) یا اس سے چند سال قبل کلنگ نے طاقتور راجہ چوڑ گنگا

لہ "ہسٹری آف فائن آرٹ ان انڈیا اینڈ سیلون" صفحہ ۳۰۵-۷۔ ورندر ریسرچ سوسائٹی ان دونوں مصوروں کے مطالعے کی کوشش کر رہی ہے۔

سہ دیکھو مسٹر این۔ این باسو کی کتاب "ماڈرن بدھ ازم اینڈ اٹس فالوورس ان اڑیسہ" پر مہا مہو پادھیا ہرپرشاد شاستری کا عالمانہ مقدمہ (کلکتہ ۱۹۱۱ء) جس کا ایک حصہ دراصل "آرکی آلوجیکل سروے آف میور بھنج" جلد اول سے نقل کیا گیا ہے۔

(سنہ جلوس ۱۰۷۶ء) نے اپنی سلطنت کو اڑیسہ کے انتہائے شمال تک وسعت دی)۔ یا تو سامنت دیو نامی ایک سردار نے جو دکن سے آیا تھا اور چور گنگا کے فوجی افسروں میں شامل تھا۔ اور یا سامنت دیو کے بیٹے ہمنت سین نے کاسی پوریا کسیاری کے علاقے میں جو آجکل میور بھنج کی ریاست میں شامل ہے ایک چھوٹی سی ریاست کی بنیاد ڈالی۔ مگر ان دونوں سرداروں میں سے بظاہر کسی کو کچھ بڑی قوت حاصل نہیں ہوئی ؛

وجیا سین (تقریباً ۱۱۱۹-۵۸ء)

لیکن سامنت دیو کے پوتے وجیا سین نے یقیناً بارھویں صدی عیسوی کے آغاز (۱۱۱۹ء) میں خود مختار بادشاہ کی حیثیت اختیار کرلی تھی۔ اور صوبۂ بنگال کا بڑا حصہ خاندان پال سے فتح کرلیا تھا۔ اس طرح اس نے مستحکم طور پر خاندان سین کی بنیاد رکھ دی۔ اس کے علاوہ اور دل کے ساتھ بھی اس نے کامیابی سے لڑائیاں لڑیں۔ اور کم و بیش چالیس برس تک حکومت کی۔ کلنگ کے راجہ چور گنگا کے ساتھ جس نے اکہتر برس تک اس ملک پر حکومت کی اس کے تعلقات ہمیشہ دوستانہ رہے ؛

بلال سین (تقریباً ۱۱۵۸-۷۰ء)

وہ سلطنت جو وجیا سین نے حاصل کی تھی تقریباً ۱۱۵۸ء میں اس کے مشہور زمانہ بیٹے ولال سین کے ہاتھ آئی جو بنگال کی روایات میں بلال سین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی کی بابت مشہور ہے کہ اس نے بنگال میں سب سے پہلے ذات کے قواعد و ضوابط کو رواج دیا۔ اور برہمنوں۔ ویدوں۔ اور کائستھوں میں "کلِس" کا طریقہ جاری کیا۔ بعض بیانات کے مطابق اس نے گوریا لکھنوتی کو آباد کیا۔ مگر یہ باور کرنے کے وجوہ موجود ہیں کہ یہ شہر اس کے قبل زمانے سے موجود تھا۔ ضلع ڈھاکہ میں بکرم پور کے قریب رامپال کے مقام پر اس کے محل کے نشان و آثار اب تک دکھائے جاتے ہیں[1]۔

[1] جے۔اے۔ایس۔بی۔ حصۂ اول جلد ۴۷ (۱۸۷۸ء) صفحہ ۴۰۰۔ امپیریل گزیٹیر

خاندان سین کے تمام راجہ برہمنی ہندو تھے۔ اور اس وجہ سے ان کو بدھ مذہب کے پیرو خاندان پال کے اراکین سے خاص سبب نفرت کا تھا۔ اور ذات پات کے رواج میں بھی خاص دلچسپی تھی۔ بلال سین کا ہندو مت تنتر کی قسم کا تھا۔ برہمن نسّابوں کا بیان ہے۔ اس نے مذہبی داعیوں کو جن میں سب کے سب برہمن تھے۔ مگدھ۔ بھوٹان۔ چٹا کانگ۔ اراکان۔ اڑلیسہ اور نیپال روانہ کیا تھا[1]۔

لچھمن سین (تقریباً ۱۱۷۰-۱۲۰۰ء) غالباً ۱۱۷۰ء کے قریب بلال سین کا جانشین اس کا بیٹا لچھمن سین ہوا۔ جس کو مسلمان مورخین نے "رائے لکھمنیا" لکھا ہے۔

بہار کی اسلامی فتح بارھویں صدی کے آخر میں بہار اور بنگال سے پال اور سین خاندان دونوں مسلمانوں کے حملوں کی رو میں بہ گئے۔ کیونکہ ۱۱۹۷ء یا اس کے قریب قطب الدین ایبک کے سپہ سالار محمد ابن بختیار نے بہار پر حملہ کر کے اس کو فتح کیا۔ اور اس کے ایک یا دو سال بعد نودیہ (ندیہ) پر بھی اچانک یورش کر دی۔ افواج اسلام کے سپہ سالار نے جس کا نام اس کے قبل بھی اس کی فوجی حملوں کی وجہ سے یہاں کے باشندوں کے لئے ہیبت ناک ہو رہا تھا نہایت دلیری سے صدر مقام پر بھی قبضہ کر لیا۔ ۱۲۴۳ء میں ان واقعات کے تقریباً معاصر مورخ کو اس فوج کے ایک بقیۃ السیف سے ملنے کا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- مضمون رامپال۔ مہامہوپادھیا ہر پرشاد کے بیان کے مطابق بلال سین "نے کیورت کی مدد سے شمالی بنگال کو فتح کیا۔ اور انھیں پوتر ذات بنانے کی جدوجہد کی" (مقدمہ صفحہ ۱۵۔ یہ کتاب ماڈرن بدھ ازم اینڈ اِٹس فالوورس ان اُڑلیسہ مصنفہ این۔ این۔ باسو)۔ اسی مصنف کا مضمون پروسیڈنگس اے۔ ایس۔ بی ۱۹۰۲ء صفحہ ۲-۷ ملاحظہ ہو۔

[1] آرکی آلوجیکل سروے آف میور بھنج جلد اول صفحہ ۴۶ حاشیہ۔

اتفاق ہوا اور اس نے اسے بتلایا کہ بہار کے قلعے پر صرف دو سو آدمیوں سے حملہ کیا گیا تھا۔ انھوں نے دلیری سے چور دروازے پر دھاوا کیا اور اس کے ذریعے سے قلعے پر قابض ہو گئے۔ بے حد مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اور "سر منڈے برہمنوں" یعنے بدھ مذہب کے بھکشوؤں کا اس کثرت سے قتل عام کیا گیا کہ جب فاتح سپہ سالار کو اس بات کی ضرورت ہوئی کہ کتب خانے کی کتابوں کے موضوع سے اُس کو مطلع کیا جائے تو کوئی ایسا شخص میسر نہ آسکا جو یہ خدمت انجام دیتا۔ کہا جاتا ہے کہ "آخر میں معلوم ہوا کہ وہ تمام شہر اور قلعہ ایک مدرسہ تھا۔ اور ہندی زبان میں کالج کو بہار کہتے ہیں[1]"

بدھ مذہب کا خاتمہ

اس سفاکانہ عمل اور اسی قسم کی اور بیرحمی اور ظلم و تعدی کے کاموں نے بدھ مذہب کی کمر اس کے خاص وطن اور "پاک زمین" ہی میں توڑ دی۔ اس میں شک نہیں کہ چند لوگ اگرچہ بالکل مایوسی کی حالت میں تھے اور چند سال تک ان قدیم مذہبی پاک مقامات کے گرد منڈلاتے رہے۔ اور آج کل بھی اس مذہب کے دھندلے سے نشان بعض نامعلوم اور گمنام مذہبی فرقوں میں پائے جاتے ہیں۔ جو کسی زمانے میں اسی علاقے میں پھیلا ہوا تھا۔ لیکن کوہستان ہمالیہ کے جنوب میں شمالی ہند کے علاقے میں بدھ مذہب کا آخری مرکز صرف ایک مسلمان سپہ سالار کی تلوار کے نذر ہوا۔ اور اس کے بعد پھر کبھی اس مذہب کو مرکزی حیثیت حاصل نہیں ہوئی[2]۔ بہت سے بھکشو جو اس طوفان میں کسی نہ کسی طرح سے

---

[1] ریورٹی ترجمہ طبقات اکبری صفحہ ۵۵۲۔

[2] دیکھو ایچ۔ پی شاستری کے مضامین:۔ "بدھ ازم ان بنگال سنس دی محمڈن کانکوئسٹ" اور "شری دھرم منگل: اے دسٹنٹ ایکوآف للتوستر" (جے۔ اے۔ ایس۔ بی جلد ۶۴۔ حصہ اول ۱۸۹۵ء صفحہ ۶۸-۵۵)۔ اور این۔ این باسو کی کتاب "ماڈرن بدھ ازم" جس کا حوالہ پہلے بھی دیا جا چکا ہے۔

زندہ بچ رہے نیپال تبت یا جنوبی ہند کی طرف بھاگ گئے ان پناہ گزین علماء کے اس طرح تبت میں آجانے سے پھٹن لامائے اعظم کو جسے کبلائی خاں نے مقرر کیا تھا اس بات کا موقع ملا کہ سنسکرت کی زبان سے تراجم کے ذریعے تبتی زبان کو مالا مال کردے۔ چنانچہ تیرھویں صدی کے آخر میں ان تمام تراجم کو تنگیور کے دائرۃ المعارف میں شامل کردیا گیا۔ اور ہندی پنڈتوں اور تبتی علماء کی مشترکہ محنت کو چھپائی کے ذریعے سے جس کا علم ساتویں صدی عیسوی کے دوران میں چین سے تبت میں آچکا تھا محفوظ رکھا گیا[1]؎

۱۱۹۹ء خاندان سین کا خاتمہ

خاندان سین کا خاتمہ بھی اُسی قدر یا شاید اس سے بھی زیادہ آسانی سے کردیا گیا جس طرح کہ بہار کو فتح کیا گیا تھا۔ اس زمانے میں مشرقی بنگال کا راجہ لچھمن سین تھا۔ جس کو مسلمان مصنف نے لکھا ہے کہ وہ بہت بوڑھا تھا اور اس کے متعلق[2] (اگرچہ غلط طور پر) یہ مشہور تھا کہ وہ اسی سال تک حکمراں رہا تھا۔ اس کی پیدائش کے وقت جن خوارق عادات کا ظہور میں آنا بیان کیا جاتا ہے ان کی تصدیق راجہ غیر معمولی لیاقت و قابلیت سے ہوتی ہے۔ چنانچہ مسلمان مورخوں نے لکھا ہے کہ ہندوستان کے تمام راجہ اور رائے اس کی عزت کرتے تھے اور تمام ملک میں اس کی حیثیت وہی تھی جو مسلمانوں میں خلیفہ کی۔ معتبر اشخاص کا بیان

---

[1] جرنل اینڈ پروسیڈنگس آف اے۔ ایس۔ بی فروری سنہ ۱۹۱۱ء اڈریس صفحہ ۳۳ ہم ڈ

[2] لچھمن سین خواہ اس نے سنہ ۱۱۹۹ء تک اسی برس تک حکومت کی ہو یا نہ کی ہو مگر یہ ممکن ہے کہ ضعیف ہوگیا ہو۔ اور ممکن ہے کہ جب وجیا سین کی طولانی حکومت کے بعد اس کا باپ بلال سین تخت پر بیٹھا ہو تو وہ بھی کمسن نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ لچھمن سین سن بلوغ کو پہنچنے سے پہلے تخت پر نہیں بیٹھا؎

تھا کہ کبھی اس نے کسی سے ناانصافی نہیں کی اور جود و سخا کے لئے اس کا نام ضرب المثل ہو گیا تھا؛

اس کا دار السلطنت نوٗدیہ

یہ قابل احترام راجہ نوٗدیہ کے مقام پر اپنا دربار منعقد کیا کرتا تھا۔ جو دریائے گنگا کے جنوبی علاقے میں شمال کی طرف موجودہ کلکتہ سے ساٹھ میل شمال کی جانب دریائے بھاگیرتی کے کنارے پر آباد تھا۔ انگریزی علاقے میں اس نام کا ایک ضلع ندیا اب بھی موجود ہے۔ اور ایک مدرسے کے لئے مشہور ہے جو قدیم اسلوب پر قائم کیا گیا ہے؛

نوٗدیہ کی فتح ۱۱۹۹ء

غالباً ۱۱۹۹ء میں محمد ابن بختیار کے بہار فتح کرنے کے تھوڑی سی مدت کے بعد اسی سپہ سالار نے ایک فوج بنگال کی فتح کے لئے تیار کی۔ اپنی فوج سے کچھ آگے وہ چند سوار لے کر بڑھا چلا گیا اور اچانک صرف اٹھارہ سواروں کی ہمراہی میں نوٗدیہ کے سامنے پہنچا۔ اور دڑانہ شہر میں داخل ہو گیا۔ لوگوں نے یہ سمجھکر کہ وہ گھوڑوں کا تاجر ہے اس کی مزاحمت نہ کی۔ رائے (راجہ) کے محل کے دروازے پر پہنچ کر اس نے اپنی تلوار کھینچی اور اچانک محل کے نوکروں پر حملہ آور ہوا۔ راجہ جو اس وقت کھانا کھانے میں مشغول تھا اس واقعے سے بالکل مبہوت ہو کر رہ گیا اور (گھبراہٹ میں) ننگے پاؤں ہی محل کے پچھلے حصے کی طرف بھاگا۔ اور اس کا تمام خزانہ۔ بیویاں اور خواصیں۔ نوکر اور عورتیں حملہ آور کے ہاتھ آئیں۔ بے شمار ہاتھی بھی ملے۔ اور مسلمانوں کو اس قدر مال غنیمت حاصل ہوا کہ جس کا شمار ناممکن ہے۔ جب اس (یعنی محمد) کی فوج پیچھے سے پہنچی تو تمام شہر کو قابو میں کر لیا گیا۔ اور اس نے

اسی کو اپنا صدر مقام مقرر کیا"

اسلامی دار السلطنت لکھنوتی

اسی مصنف کے قول کے مطابق رائے لچھمن سین وہاں سے بھاگ کر ضلع ڈھاکہ کے بکرمپور میں پناہ گزیں ہوا اور وہیں مر گیا[1]۔ فاتح سپہ سالار نے بھی نودیہ کو برباد کر دیا اور ہندوؤں کے قدیم شہر لکھنوتی یا گور کو اپنا مستقر قرار دیا۔ سلطنت کے تمام حصوں میں اس نے اور اس کے افسروں نے مسجد۔ مدرسے اور اسلامی خانقاہیں قائم کیں اور ان کے لیئے اوقاف مقرر کیئے۔ اور مال غنیمت کا بڑا حصہ قطب الدین ایبک کے پاس روانہ کر دیا گیا؛

بنگال اور بہار کی آخری ہندو سلطنتوں کا خاتمہ نہایت بے عزتی اور بے حرمتی کی صورت میں ہوا۔ کیونکہ یہ یقینی ہے کہ اگر ان میں ذرا بھی ست ہوتا تو یہ اس طرح بغیر مزاحمت کے اپنے آپ کو فنا نہ ہونے دیتیں[2]۔ یہ بھی بالکل صریح ہے کہ لچھمن سین کا انتظام مملکت ازحد ابتر حالت میں ہوگا کہ ایک بڑی زبردست فوج بغیر اطلاع اور مزاحمت کے تمام بنگال کے علاقے سے گذر گئی۔ اور اٹھارہ سواروں کی مختصر سی جماعت نے اس کے محل پر قابو حاصل کر لیا؛

علم ادب

مگر خاندان سین کے آخری بادشاہ کا نظم ونسق سلطنت

---

[1] ریورٹی: "ترجمہ طبقات ناصری" صفحہ ۵۵۷۔ ایلیٹ۔ ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۰۹ جلد دوم؛

[2] خاندان سین ایک مقامی خاندان کی حیثیت سے اور چار نسلوں تک مسلمانوں کے ماتحت قائم رہے۔ اس خاندان کی تاریخی اسناد پر ضمیمہ ص میں مفصل بحث کی گئی ہے۔ مگر نظام سنین اب تک پورے طور پر معین نہیں ہوا۔ اور اس میں سب سے بڑی مشکل بلال سین کے عہد حکومت کی طوالت کا معین کرنا ہے۔ اور باقی چھوٹے چھوٹے خاندانوں کے متعلق جن کا ذکر اس کتاب میں نہیں آیا دیکھو ڈف کی "دی کرانالوجی آف اینشنٹ انڈیا" کانسٹیبل ۱۸۹۹ء؛

خواہ کیسا ہی ابتر اور کمزور حالت میں کیوں نہ ہو۔ لیکن ذاتی خوبیوں اور سنسکرت علم ادب کے مربی و سرپرست ہونے کے لحاظ سے ہر طرح تعریف و توصیف کا مستحق ہے۔ کالیداس کے مشہور و معروف ناٹک "میگھدوت" کی تقلید میں لچھمن سین کے ملک الشعراء دھیوئی یا دھوئیک نے ایک ناٹک لکھا اور وہ اب شائع بھی ہو چکا ہے۔ "گیتا گوبند" کا مشہور مصنف جیادیو بھی بظاہر اسی راجہ کے عہد میں گذرا ہے۔ اور اس کے علاوہ خود راجہ بھی شاعر تھا۔ اسی طرح اس کا باپ بلال سین بھی مصنف تھا ؎

ط

راجپوت قبائل

قبائل کا ظاہری غلبہ علم نسل انسانی کے متعلق اپنے خیالات و آراء کا اظہار۔ یا وہمی زاویوں پتلی اور موٹی ناکوں۔ لمبے یا چپٹے سروں۔ ذات پات کے اسرار وغیرہ پر بحث کرنا اس کتاب کے مقاصد میں شامل نہیں۔ اور یہاں سرسری طور پر بھی ان کا ذکر نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اس باب کے ان حصوں کے مطالعے سے جن میں بہت سے راجپوت قبیلوں کا ذکر کیا گیا ہے ایک ہوشیار ناظر کتاب کے

---

[1] دیکھو رسلے اور گیٹ کی "سنسس آف انڈیا" ۱۹۰۱ء جلد اول۔ روز "سنسس رپورٹ فار دی پنجاب ۱۹۰۱ء"۔ اور مردم شماری کی دوسری رپورٹیں۔ ایبٹسن کی آؤٹ لائنز آف پنجاب ایتھنوگریفی۔ اور بیڈن پاول کا مضمون "نوٹس ...... آن دی راجپوت کلینز" جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۹۹ء صفحہ ۶۳۔ ۵۳۴ ؎

دل میں متعدد ایسے شکوک و سوالات پیدا ہو جاتے ہیں جن کا کسی نہ کسی طرح جواب دینا نہایت ضروری ہے۔ مثلاً یہ کہ یہ راجپوت۔ پرہار۔ پوار۔ چندیل وغیرہ کون تھے۔ اور کیا وجہ ہے کہ ہرش کی موت اور مسلمانوں کے حملے کے درمیانی صدیوں میں ان لوگوں کے وجود اور معاملات سے ملک میں اس قدر ہیجان و اضطراب واقع ہو جاتا ہے۔ زمانۂ وسطیٰ اور زمانۂ قدیم میں تفریق کے وقت ان ہی راجپوتی قبائل کا شمالی ہند میں غلبہ سب سے زیادہ نمایاں امر ہے جس پر سب سے پہلے ہماری نظر پڑتی ہے۔ اور ہمارا دماغ اس غلبے کی اصلیت و حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ مشہور بات ہے کہ سوال کا جواب دینے سے ان کا پوچھنا زیادہ آسان ہے۔ اور مسئلہ زیر بحث میں واقعات اس قدر پیچیدہ۔ اور ان کے متعلق ہماری معلومات اس قدر محدود ہیں۔ کہ مختصراً اس کو حل کر دینا ناممکن ہے۔ لیکن پھر بھی اس موضوع پر اتنا بیان کر دینا کہ جس سے ناظر کتاب کو تمام شاہی خاندانوں کی اصلیت کے سمجھنے میں کامیابی ہو بیکار محض نہ ہوگا۔

کشتری آٹھویں اور نویں صدی عیسوی کے دوران میں شمالی ہند کے سیاسی تماشہ گاہ پر راجپوت قبائل کا یک بیک نمودار ہونے کا واقعہ در اصل محض ایک دھوکا ہے۔ اصل یہ ہے کہ ہندوستان کے قدیم راجاؤں کی ذات یا قوم کے متعلق کسی قسم کی معلومات حاصل نہیں ہوئے۔ چنانچہ کسی شخص کو یہ معلوم نہیں کہ اشوک یا سمدر گپت کے خاندان ہندوؤں کے معاشرتی اصول کے مطابق کس درجے اور مرتبے کے تھے۔ اور اس کے علاوہ یہ بھی معلوم نہیں کہ جن زبردست بادشاہوں کے نام ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں وہ کہاں تک محض معمولی جانباز اشخاص یا کسی بڑی قوم کے سردار تھے۔ بعد کے زمانے میں تمام راجپوت اپنے آپ کو کشتری خیال کرتے تھے[1]۔ یہ کشتری قوم

[1] یعنے چاورن کا نظریہ۔ برہمن۔ کشتری۔ ویش اور شودر۔ برہمن خود اسی قدر

"مکالمات بدھ" کی تصنیف کے زمانے میں بھی ہندوؤں کی سوسائٹی کا ایک جزو اعظم سمجھی جاتی تھی - اور یہ لوگ اپنے آپ کو بزعم خود برہمنوں سے برتر تصور کرتے تھے[1] - اور غالباً واقعہ یہ ہے کہ نہایت قدیم زمانے سے کشتریوں کے حکمراں قبائل جو ہر صورت میں زمانۂ مابعد کے راجپوتوں کے مماثل تھے - ملک میں موجود تھے - اور زمانۂ وسطیٰ کی طرح اس وقت بھی مختلف سلطنتیں قائم کر رہے تھے - لیکن ان کے تاریخی حالات تمامتر ضائع ہو گئے ہیں - اور صرف چند ایسے خاندانوں کے حالات باقی بچ گئے ہیں جو غیر معمولی طور پر نمایاں اور روشن تھے اور اس طرح یہ خاندان صفحۂ تاریخ پر منضبط ہو گئے ہیں - اور دوسرے بالکل فراموش ہو گئے ہیں - میرا خیال ہے کہ کشتری کا لفظ ہمیشہ مبہم معنوں میں استعمال ہوتا تھا اور اس سے مراد ایسے حکمراں خاندان لیئے جاتے تھے جو ذات کے برہمن نہ ہوں - ممکن ہے کہ بعض اوقات راجہ ذات کا برہمن ہو لیکن بادشاہی دربار میں برہمن کی اصلی جگہ وزارت تھی نہ کہ تخت و تاج[2] بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ چندرا گپتا موریا کشتری سمجھا جاتا تھا اور اس کا وزیر

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- مخلوط النسل معلوم ہوتے ہیں جتنا کہ راجپوت تھے - ویشوں کی قوم کا تعین یقینی طور پر نہیں کیا جا سکتا - اور شودر شمالی ہند میں تقریباً بالکل نابید ہیں - لفظ ورن کے صحیح معنوں کے لیئے (یعنے "ذاتوں کا ایک گروہ" نہ کہ "ذات") دیکھو کیتکر کی قابل قدر کتاب "ہسٹری آف کاسٹ ان انڈیا" بالخصوص جلد ۱ (۱۹۰۹ء) صفحہ ۷۷ - اس کی دوسری جلد ۱۹۱۱ء میں طبع و شائع ہوئی ؛

[1] رہس ڈیوڈس :- "ڈائلاگس آف بدھا" (۱۸۹۹ء) صفحہ ۵۹ و ۱۱۹ - جے - آر - اے - ایس (۱۸۹۴ء) صفحہ ۳۴۲ ؛

[2] ہیون سانگ نے چند برہمن راجاؤں کا ذکر کیا ہے مثلاً اجین - جھجھوتی اور مہیسور پور کے راجہ (بیل جلد ۲ صفحہ ۲۷۰ و ۲۷۱) - براہمکشتر کے لفظ کے معنوں کے لیئے دیکھو ضمیمہ ص ؛

چانکیا یا کوتلیا یقیناً برہمن تھا"۔

اس روایت میں خلل اندازی۔ زمانۂ قدیم اور زمانۂ وسطیٰ میں حقیقی فرق یہی ہے کہ مقدم الذکر کے متعلق روایات میں خلل پڑ گیا ہے۔ اور موخر الذکر کی تمام حکایات و روایات اب تک زندہ ہیں۔ خاندانہائے موریا و گپت اس قدیم زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ کہ صرف کتابوں۔ کتبوں اور سکوں سے ان کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ ورنہ مدت ہوئی کہ وہ صفحۂ ہستی سے مٹ چکے ہیں۔ اس کے برخلاف وہ قبائل جن کے خاندان زمانۂ وسطیٰ سے قائم ہوئے اب تک زندہ اور موجود اور بسا اوقات موجودہ آبادی کا جزو اعظم شمار ہوتے ہیں"۔

"سیتھی" عنصر۔ ٹاڈ اور دیگر پرانے مصنفین نے مدت ہوئی اس بات کو سمجھ لیا تھا کہ راجپوت قبائل ایک بڑی حد تک بیرونی یا ان کے خیالات کے مطابق سیتھی نسل کے ہیں۔ زمانۂ حال کی مزید مکمل تحقیق نے ان کے خیالات کی اور زیادہ تائید کی ہے۔ اور اب کم و بیش صحت کے ساتھ چند بڑے قبائل میں بیرونی خون کی آمیزش کا پتہ لگ سکتا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ اس کا اندازہ بھی ہو سکتا ہے کہ راجپوت اور ان قبائل میں جو ان سے کم درجے کے تصور کیے جاتے ہیں۔ کیا نسلی تعلق ہے"۔

سک اور یو۔چی زمانۂ تاریخ میں نقل وطن کرنے کی قدیم ترین مثال قوم سک کی دوسری صدی قبل مسیح میں ملتی ہے۔ اس کے بعد پہلی صدی عیسوی میں دوسری مثال یو۔چی یا کشان قوم کے نقل وطن کی ہے۔ اور اغلب یہ ہے کہ موجودہ راجپوت قبائل میں کوئی بھی قبیلہ ایسا نہیں کہ جو اپنے شجرۂ نسب کو اس قدر قدیم زمانے تک مرتب کر سکے۔ مجھے اس میں کسی قسم کا شک نہیں کہ جب سک اور کشان اقوام کے حکمران خاندانوں نے ہندوؤں کی تہذیب اور مذہب کو

قبول کرلیا تو ان کو ہندوؤں کی کشتریوں کی ذات میں بلا تامل شامل کرلیا گیا مگر بہرحال یہ واقعہ محض قیاس کی بنا پر سمجھا جا سکتا ہے اس کا ثبوت ناممکن ہے۔

ہُن مذکورۂ بالا دو مثالوں کے بعد نقل وطن کا تیسرا واقعہ جس کا ذکر تاریخ میں ہے۔ وہ پانچویں صدی کے اواخر اور چھٹی صدی کے آغاز میں بیرونی وحشی اقوام کی ہندوستان پر یورش ہے۔ ایسی علامتیں ضرور موجود ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی عیسوی میں بھی وسط ایشیا سے نقل وطن کرنے کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ لیکن اگر ایسا ہوا ہے تو اس کے نشان بالکل مٹ گئے ہیں۔ اور جہاں تک حقیقی علم کی بنا پر کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ نویں اور دسویں صدی عیسوی یعنے مسلمانوں کے حملے سے قبل یہی تین بیرونی اقوام زبردست پیمانے پر ترک وطن کرکے ہندوستان میں داخل ہوئیں۔ چنانچہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ پہلی اور دوسری تو سک اور یو۔چی اقوام تھیں اور تیسری ہُن۔ یا اسفید ہن تھے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ سک۔ یوچی اور ہن محض ایسے نام ہیں جن سے ان گروہوں کی کثرت کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ ورنہ ان میں بہت سے اور عناصر بھی شامل تھے۔ مقدم الذکر دونوں قوموں کی اولاد ہونے کا احساس مدت ہوئی کہ بالکل فراموش ہو چکا ہے۔ کابل کے خاندان ترکی شاہیہ کے بادشاہوں کو جنھیں نویں صدی عیسوی میں ہندو شاہیہ خاندان نے نکال باہر کیا تھا۔ قوم کشان کے زبردست بادشاہ کنشک کی اولاد ہونے پر فخر تھا۔ مگر ان کے بعد کے زمانے میں سب سے کسی اور خاندان کے متعلق اس بات کا علم نہیں کہ یو۔چی کی قرابت اور عزیزداری پر فخر و مباہات کرتے ہوں۔

ہُونوں کے حملے کا اثر ملکی روایتوں میں جو خلل واقع ہوتا ہے اس کی بڑی وجہ تیسری وحشی قوم کی ہندوستان پر یورش ہے جس کو ہون کہا جاتا ہے۔ ہُن کی یورشوں کا جو قلیل حال عام ادبی روایات میں

پایا جاتا ہے اس پر علم نسل انسانی - علم آثار قدیمہ - اور سکوں کے ذریعے سے اس قدر روشنی ڈالی جاسکتی ہے کہ لامحالہ طالب علم کے دل و دماغ پر یہ اثر پڑے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہُن قوم نے ہندوؤں کے آئین و قوانین اور رسم و رواج پر اس سے کہیں زیادہ اثر کیا تھا جتنا کہ پران اور دوسری ادبی کتابیں ظاہر کرتی ہیں - بالعموم ہندو مصنفین "وحشی" اقوام کی یورشوں کے بیان سے احتراز کرتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر ان میں آپس میں "خاموشی کے لئے ایک سازش" ہو جاتی ہے - مثلاً وہ سکندر اعظم کے حملے باوجود کا کبھی اشارۃً بھی ذکر نہیں کرتے - اور اسی طرح گجرات کے مورخین کی کتابوں میں محمود غزنوی کے سومنات لوٹنے کا حال نہیں پایا جاتا - اگر اس قتل و غارت کا تفصیلی حال مسلمان مورخ نہ بیان کر دیتے تو ہندوستان کے علم ادب یا کتبات میں اس کا پتہ ملنا بالکل ناممکن تھا - اس لئے یہ امر کچھ زیادہ تعجب خیز اور حیرت انگیز نہیں کہ ہُن قوم کی یورشوں کے طوفان کا ذکر ہندوؤں کے بیانات میں بہت کم ملتا ہے - اور اس کی اصلی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لئے ہم کو ماہرین علم آثار قدیمہ کی محنتوں اور مشقتوں پر دار و مدار کرنا پڑتا ہے - مگر اس جگہ اس پیچیدہ شہادت کا تفصیل کے ساتھ ذکر کرنا بالکل ناممکن ہے - اور ناظرین کتاب سے اس بات کی التجا کرنی پڑتی ہے کہ وہ اس امر کو تسلیم کر لیں کہ پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی کے دوران میں ہُن اور دوسری متعلقہ وحشی اقوام کے حملے نے شمالی ہند میں ہندوؤں کی معاشرت کو جڑ بنیاد سے ہلا دیا - روایتوں کے سلسلے میں رخنہ ڈالا - اور ذات پات اور حکمران خاندان دونوں امروں میں نیا انتظام ضروری ہو گیا - اس کے علاوہ ہن ہرش کے کارناموں کی وجہ سے جب کہ وہ پینتیس ۳۵ برس تک ہندوستان میں ایک ایسی طاقت کے قائم کرنے میں کامیاب ہوا جس نے کہ تمام مخالف عناصر کو

لہ بمبئی گزیٹر جلد اول حصۂ اول (۱۸۹۶ء) صفحہ ۱۶۴ حاشیہ ۵ ۔

ایک جگہ لاکر جمع کر دیا۔ اور تمام اقوام و مذاہب اس کی زبردست سلطنت کے دائرے میں آگئے ہن کے حملوں کے قیامت خیز اثر بہت کچھ تاریکی میں پڑ گئے[1]۔ مگر جب اس کی زبردست شخصیت کا اثر معدوم ہو گیا تو یہ تمام عناصر ایک مرتبہ پھر بروئے کار آئے اور فتنہ و فساد کے ایک غیر معلوم زمانے کے بعد نئے سرے سے سلطنتوں کی وہ تقسیم ہوئی جس کا ذکر اس باب میں کیا گیا ہے ؛

گرجر۔ بظاہر یہ بالکل مسلم ثبوت ہے کہ ہن قبائل یا جرگوں نے راجپوتانہ اور پنجاب میں اپنی مستقل بستیاں قائم کی تھیں۔ ہن کے بعد ان تمام لوگوں میں سب سے زیادہ غالب عنصر گرجر کا تھا۔ جن کا نام اب بھی شمال مغربی ہندوستان میں گوجر کے لفظ میں باقی ہے جہاں اس کا اطلاق ایک کثیر التعداد اور منتشر قوم پر کیا جاتا ہے۔ گوجر جو ابتدائے حال میں گلہ بانی کا پیشہ کرتے تھے آج کل ہندوستان کی تقریباً ہر ایک ذات کی طرح زراعت پیشہ ہو گئے ہیں۔ جاٹ یا جٹ جو ان سے کہیں زیادہ کھیتی باڑی کے کام کو سرانجام دیتے ہیں بالعموم گوجروں کے ہم نسب تصور کئے جاتے ہیں۔ اگرچہ ان دونوں کے باہمی تعلق کو ظاہر کرنا ناممکن ہے۔ جاٹ یا گوجر کوئی بھی راجپوت یا کشتری نہیں سمجھے جاتے مگر پھر بھی پنجاب کے جٹ راجپوت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں[2]؛

گرجروں کی سلطنتیں زمانۂ وسطیٰ کے آغاز میں گرجر سلطنتوں کا زور اور اہمیت کا حال زمانۂ حال ہی میں معلوم ہوا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ

---

[1] ہرش کی حکومت سنہ ۶۰۶ء میں شروع ہوئی۔ مگر اس کی زبردست سلطنت کا آغاز سنہ ۶۱۲ء سے ہوتا ہے اور یہ طاقت اپنے فنا ہونے یعنے سنہ ۶۴۸ء تک برابر قائم رہی ؛

[2] یہ قوم صوبجات متحدہ میں جاٹ اور پنجاب میں جٹ کہلاتی ہے پنجاب سنسس رپورٹ سنہ ۱۹۰۱ء صفحہ ۲۲۳ و ۲۶۳ ؛

بھڑوچ کے مقام پر ایک مختصر سی گرجر ریاست ہو اور راجپوتانے میں اس سے بڑی سلطنت تھی کے نام سے ماہرین آثار قدیمہ برسوں پہلے واقف تھے۔ مگر نویں۔ دسویں اور گیارھویں صدی عیسوی میں بھوج اور قنوج کے دوسرے زبردست راجاؤں کا گرجر قوم سے ہونا حال ہی میں تسلیم کیا گیا ہے۔ کتبوں کی تاریخوں کے پڑھنے میں چند غلطیاں واقع ہو جانے کی وجہ سے اس خاندان کی اصلی تاریخ بالکل تاریکی میں جا پڑی تھی۔ اور چند سال قبل ہی یہ تمام غلطیاں دور کی گئی ہیں۔ اب یہ ثبوت بالکل مسلم ہے کہ بھوج (تقریباً سنہ ۸۴۰ تا ۸۹۰ء)۔ اس کے پیشرو اور جانشین گرجر قبیلے یا ذات کے پرتہار (پرہار) فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پرہار راجپوتوں کا مشہور و معروف قبیلہ گرجر یا گوجروں کی ایک شاخ تھا۔[1]

اگنی کل کے قبائل

"چند رائیسا" اور بعد کے زمانے کی اور کتابوں میں عام روایت موجود ہے جس کی بنا پر راجپوتوں کے چاروں قبیلوں یعنی پوار (پرمار)۔ پرہار (پرتہار) چوہان (چاہمان) اور سولنکی یا چولکیا کو اگنی کل کہا گیا ہے۔ جن کا آغاز جنوبی راجپوتانے میں کوہ آبو کے قربان گاہ کے اگنی کنڈ سے ہوتا ہے۔ اس افسانے کا مقصد اس تاریخی حقیقت کو منکشف کرنا معلوم ہوتا ہے کہ مذکورۂ بالا چاروں قبائل کا

[1] بھدر یا فسٹیو ہسٹے۔ ایم۔ ٹی۔ جیکسن (بمبئی گزیٹر جلد اول حصہ اول (سنہ ۱۸۹۶ء) خصوصاً صفحہ ۲۶۷)۔ ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر "گرجرس" (جے۔ بمبئی برانچ آر۔ اے۔ ایس جلد ۲۰) "ایپی گرافیکل نوٹس" (ایضاً جلد ۲۱) اور پروفیسر کیلہارن "ایپی گرافیکل نوٹس" نمبر ۷ دیو ہی گوالیار انسکرپشن آف مہر بھوج" کا کام ہے۔ اس اہم کتبے کو ہیرا نند نے بھی بعد تصحیح "آرکی آلوجیکل سروے آف انڈیا اینول رپورٹ سنہ ۱۹۰۳-۴" میں شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر ہارنل نے اس دریافت پر اپنی مختصر سی ہسٹری آف انڈیا اور جے۔ آر۔ اے۔ ایس (سنہ ۱۹۰۳ء) کے مضامین میں بہت زور دیا ہے۔

ایک دوسرے سے تعلق ہے اور یہ کہ وہ تمام کے تمام پہلے پہل جنوبی راجپوتانہ میں ظاہر ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ جیسا کہ مسٹر کرک نے بالکل صحیح لکھا ہے "اس سے آگ کے ذریعہ سے پوتر کرنے کی رسم کا پتا چلتا ہے جو جنوبی راجپوتانہ میں ادا کی گئی۔ اور جس کی وجہ سے یہ بیرونی اقوام ہندوؤں کی ذات اور معاشرت میں داخل ہونے کے قابل ہو گئیں"

پرتہار۔ اس امر سے کہ ان چار قبیلوں میں سے ایک یعنی پرہار یقیناً گرجر قوم سے تھا اس بات کے فرض کر لینے کے لئے بہت بڑی وجہ پیدا کر دیتا ہے کہ باقی تین کا سلسلہ بھی گرجر یا اسی قسم کی کسی اور بیرونی قوم سے ملتا ہوگا۔ چنانچہ اس طریقے سے راجپوتوں کے بعض مشہور ترین قبائل کی ابتداء کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ گرجروں کی نسبت یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ وہ سفید ہنون کے ساتھ یا ان کے تھوڑی ہی مدت کے بعد ہندوستان میں ظاہر ہوئے۔ اور راجپوتانہ میں بکثرت بس گئے۔ لیکن کوئی شہادت ایسی موجود نہیں جس سے یہ پتا چل سکے کہ وہ ایشیا کے کس حصے سے آئے۔ ان کا تعلق کس قوم سے تھا۔ پوار قبیلے کے صدر مقام کوہ آبو کے قریب چندراوتی اور اچل گڑھ تھے۔ اور ساتویں صدی عیسوی میں پرہار اپنے صدر مقام بھنمال سے جو شمال مغرب کی سمت کوہ آبو سے پچاس میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ راجپوتانہ کے ایک بڑے حصے پر متصرف و قابض تھے۔ سنہ ۸۰۰ء کے قریب گرجروں کے علاقے کے بادشاہ ناگ بھٹ نے دریائے گنگا کے کنارے کے شہر قنوج کو فتح کیا۔ اور اپنا دارالسلطنت وہیں منتقل کر لیا۔ اور اس طرح اس نے قنوج کے اس طولانی خاندان کی بنیاد ڈالی جو ۱۰۱۹ء میں محمود غزنوی کے شہر کو فتح کرنے تک وہاں

---

[1] "راجپوت اینڈ مرہٹہ" جرنل رائل انتھروپالوجیکل انسٹیٹیوٹ سنہ ۱۹۱۱ء صفحہ ۴۲

حکمران رہا۔ اس بات کا علم کہ قنوج کے وہ راجہ جو ۸۴۰ء اور ۱۰۱۸ء کے درمیان وہاں حکمراں تھے اور جن میں سے چند نے تمام شمالی ہند میں حکومت اعلیٰ حاصل کر لینے میں بھی کامیابی حاصل کر لی تھی۔ پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی کے ہندوستان میں آئی ہوئی بیرونی "وحشی" اقوام کی اولاد اور باوجود راجپوت ہونے کے دعوے کے موجودہ گوجروں کے بھائی بند تھے۔ ہندوستان قدیم کی تاریخی معلومات میں ایک قابل قدر اضافہ سمجھا جا سکتا ہے جو گزشتہ برسوں میں حاصل ہوا۔ اگرچہ دوسرے راجپوت قبیلوں کی تاریخ ابھی تک اس تفصیل سے معلوم نہیں ہوئی۔ مگر پھر بھی یہ فرض کر لینے کے خاصے وجوہ پیدا ہو گئے ہیں کہ ان قبائل کی ابتدا بھی اسی طرح ہوئی ہو گی۔ حقیقت میں معلوم یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی بیرونی قوم ہندو مذہب اور طرز معاشرت اختیار کر لیتی تھی تو اس کے حکمراں خاندان کشتری یا راجپوت تسلیم کر لئے جاتے تھے اور ادنیٰ طبقے کے لوگ بتدریج اپنی قومی خصوصیات کو بالکل فراموش کر دیتے تھے اور ان کو ہندوؤں کی ایسی ذاتوں میں شامل کر لیا جاتا تھا جو ادنیٰ طبقے کی ہوں "

جنوبی قبائل کی دیسی ابتدا

جنوبی ملک کے بعض زبردست قبائل کی ابتدا اس سے بالکل مختلف ہے۔ اور بظاہر یہ لوگ نام نہاد کے اصلی باشندوں گونڈ۔ بھر۔ کول وغیرہ کی اولاد ہیں۔ جن کو سر ہربرٹ رسلے نے "دراوڑ"[1] کے عجیب وغریب اور نامناسب نام کے تحت میں لاکر جمع کر دیا ہے۔ چندیل اور گونڈ میں جو آگے چل کر بھر سے

[1] "دراوڑ" سے مطلب وہ شخص لیا جاتا ہے جو "دراودیا تامل علاقے کا رہنے والا ہو"۔ اس نام کا اطلاق بالکل مناسب طور پر انتہائے جنوب کی سرزمین۔ آبادی یا زبان میں کیا جاتا ہے۔ مگر اس کو شمالی اور متوسط ہند کی نام نہاد کی غیر آریا اقوام گونڈ۔ بھر۔ کول۔ وغیرہ پر چسپاں کرنا بالکل نامناسب ہے۔ "دراوِڑ" کے متعلق کہا جاتا ہے کہ سنسکرت میں "تامل" کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ اور زبان کے لحاظ سے بقیہ

مل جاتے ہیں گہرے تعلقات کی شہادت موجود ہے۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ چندیل درحقیقت وہ گونڈیا بھر تھے جنھوں نے ہندی تہذیب اور مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اور جب وہ طاقتور ہو گئے اور حکمرانی کرنے لگے جس کے لئے کشتری خاص کر مناسب سمجھے جاتے تھے تو وہ بھی کشتری یا راجپوت شمار ہونے لگے۔ اسی طرح گھروار کا تعلق بھی بھر کے ساتھ تھا۔ اور بندیل اور شمال کے راٹھوران ہی گھروار کی شاخیں ہیں۔ دکن کے زبردست قبیلے راشترکوت کا نام جس کی تاریخ آیندہ باب میں بیان کی جائے گی علم اللسان کے مطابق راٹھور ہی کی ایک دوسری صورت ہے۔ مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے دکن کے راشترکوت اور شمال کے راٹھور میں کسی قسم کے تعلقات یا قرابت کی کوئی شہادت دستیاب نہیں ہوتی۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقدم الذکر کی ابتداء دکن کے اصلی باشندوں کی کسی نہ کسی اصلی قوم سے ہوئی تھی۔ بعینہ اسی طرح جس طرح چندیل ان گونڈ سے ممیز ہو گئے جو آج کل کی ریاست چھترپور کے علاقہ میں مقیم تھے[1]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- اس کے معنی شیریں کے ہیں (انڈین انٹی کویری ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۲۹)۔

[1] چندیلوں کی ابتدا کے لئے دیکھو میرا مضمون جے۔ اے۔ ایس۔ بی جلد ۴۶ حصہ اول (۱۸۷۷ء صفحہ ۲۳۳) اور میرا رسالہ "دی ہسٹری اینڈ کائنیج آف دی چندیل ڈائنسٹی آف بندیلکھنڈ (جیجاکبھکتی) فرام ۸۳۱-۱۲۰۳ء" (انڈین انٹی کویری ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۴۸-۱۱۴)۔ گھروار کے لئے دیکھو بیمز اور ایلیٹ "ریسز آف دی نارتھ ویسٹرن پراونسیز" اور شمال کی تمام دیگر اقوام کے لئے دیکھو مسٹر کرک کی کتاب چار جلدوں میں: "ٹرائیبس اینڈ کاسٹس آف این۔ ڈبلیو۔ پی"۔ راشترکوت کے متعلق مختلف خیالات کے لئے دیکھو بمبئی گزیٹر جلد اول حصہ اول (۱۸۹۶ء) صفحہ ۱۳۴-۱۱۹۔ ایضاً حصہ دوم صفحہ ۱۷۸ و ۳۸۴۔

شمالی اور جنوبی قبائل میں جنگ و جدل

زمانۂ وسطیٰ کے متواتر محاربے اس بات کو سمجھ لینے کے بعد کہ وہ شمال کی بیرونی اقوام کی اولاد اور جنوب کے اصلی باشندوں کے درمیان ایک کشمکش تھی زیادہ قابل فہم اور دلچسپ ہوجاتے ہیں۔ یہ یقینی ہے کہ طرفین میں نظام ہمیشہ قائم نہیں رہتا تھا۔ اور لبسا اوقات وہ دول جو فطرتی طور پر ایک دوسرے سے دست و گریبان رہتی تھیں آپس میں دوستانہ تعلقات بھی قائم کرلیتی تھیں یا سب کے سب چند روز کے لئے مسلمانوں کے مقابلے میں مجتمع ہوجاتے تھے۔ مگر پھر بھی میرا خیال ہے کہ یہ کہنا بہ ہیئت مجموعی صحیح ہوگا کہ وہ قبائل جو اصلی باشندوں سے ترقی پاکر راجپوت ہوگئے تھے بیرونی اقوام کی اولاد کے بنے ہوئے راجپوتوں کے جانی دشمن رہتے تھے۔ شمالی ہند کے ان قبائل میں سے جنھوں نے اس کشمکش میں شرکت کی چوہان۔ پریہار۔ بکر۔ اور پوار زیادہ ممتاز ہیں۔ اس کے برخلاف جنوب میں یہ شرکت کرنے والے چندیل۔ کلچری یا ہیہیا۔ گھروار۔ اور راشٹر کوٹ تھے۔ سولنکی یا چولکیا کی ابتدا ابھی متنازعہ فیہ ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ اودھ کے علاقہ سے آئے تھے۔ اور اغلب یہ ہے کہ وہ دوسرے تینوں قبیلوں کی طرح جن کے ساتھ اگنی کے قصے میں ان کا نام بھی لیا جاتا ہے دراصل بیرونی اقوام کی اولاد ہی میں سے تھے[1]؎

خلاصہ۔ اس تمام مذکورۂ بالا بحث میں خاص خاص باتیں جن کو یاد رکھنا چاہیئے یہ ہیں کہ کشتری یا راجپوتوں کی ذاتیں حقیقی طور پر نو آبادکار ہیں۔ جن میں وہ قبیلے شامل ہیں۔ جنھوں نے ہندوؤں کی رسم و رواج کو اختیار کرنے کے بعد حکومت کے کام کو اپنے

---

[1] بمبئی گزیٹر جلد اول حصہ اول (۱۸۹۶ء) صفحہ ۲۵۴ وغیرہ۔ مخالف بیان کے لئے دیکھو اوجھا بسے ہسٹری آف دی سولنکیز (ہندی میں) صفحہ ۱۴۔۱۲۔

ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اسی وجہ سے انتہا درجہ کی مختلف اقوام کے لوگ اس زمانے میں اور اب بھی راجپوتوں میں شامل کر دیئے گئے۔ اور موجودہ زمانے کے اکثر زبردست راجپوت قبائل دراصل یا تو پانچویں یا چھٹی صدی عیسوی کی آئی ہوئی بیرونی اقوام کی اور یا گونڈ اور بھر جیسے اصلی باشندوں کی اولاد ہیں۔ مجھے اس بات کا خوف ہے کہ ہندوستان کے بہت سے ان شریف خاندانوں کو یہ ثبوت ناگوار گذرے گا جو فطرتی طور پر برہمنوں کے بنائے ہوئے ان نسب ناموں کو ترجیح دیتے ہیں۔ جن میں چاند۔ سورج۔ یا اگنی کل کو ان کے آباء و اجداد تصور کیا گیا ہو۔ مگر اس کے باوجود مجھے یقین ہے کہ میرا بیان بہر نوع صحت پر مبنی ہے۔ اگرچہ یہ ضروری ہے کہ شہادت کی نوعیت کے لحاظ سے اس کو سمجھانا یا مختصراً بیان کرنا ناممکن ہے۔ حاشیۂ ذیل میں جو حوالے دیئے گئے ہیں اس سے متفحص طالب العلم کو اس مضمون کے آگے مطالعہ میں مدد ملے گی۔[لہ]

لہ دوسرے حوالے حسب ذیل ہیں:۔ ڈی اے سمتھ "دی گرجرس آف راجپوتانہ اینڈ قنوج" (جے آر اے ایس ۱۹۰۹ء جنوری واپریل)۔ "وائٹ ہن کائن فرام دی پنجاب" (ایضاً جنوری ۱۹۰۷ء)۔ "وائٹ ہن کائن آف ویا گھرا کھا" (ایضاً اکتوبر ۱۹۰۷ء)۔ "دی آؤٹ لائیرس آف راجستھان" (انڈین انٹی کویری ۱۹۱۱ء)۔ اور ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر۔ "دی گرجرس" (جے۔ بمبئی برانچ۔ آر۔ اے۔ ایس جلد ۲۱)۔ اسی مصنف کا مضمون "گہلاٹس" (جرنل اینڈ پروسیڈنگس اے۔ ایس۔ بی۔ (نیو سیریز) جلد ۵ ۱۹۰۹ء) بہت قابل قدر ہے۔ انھوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ میواڑ یا اودے پور کے رانا جو ہمیشہ راجپوتانے کے راجاؤں کے سردار تسلیم کیئے جاتے رہے ہیں۔ دراصل ناگر برہمنوں کی اولاد ہیں۔ اور ان کے آباد اجداد بادشاہ ہو جانے کے بعد برہمکشتری مشہور ہو گئے۔ اور ولبھی کے راجاؤں کے ساتھ جو ہُن۔ گرجر قوم سے تھے ان کا بہت گہرا تعلق تھا بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ۔

ضمیمۂ ض

خاندان سین کی ابتدا اور اس کا نظام سنین

موضوع کی دلچسپی

میری کتاب کے ناظرین نے بنگال کی قدیم تاریخ میں جو غیر معمولی دلچسپی لی ہے اس کی بنا پر مجھے ضروری معلوم ہوا کہ خاندان سین کے متعلق متن کتاب کے بیانات کی تصدیق کے لئے کافی جگہ نکالوں اور ان پر بحث کروں۔ کیونکہ یہ ایک بڑی حد تک اس کتاب کی طبع دوم کے بیانات سے مختلف ہیں۔ اور اس وقت بہت کچھ مواد مجھے ایسا حاصل ہو گیا ہے جو گذشتہ مرتبہ دستیاب نہ ہوا تھا۔

خاندان سین کی جانشینی۔

سین خاندان میں علی الاتصال باپ کے بعد بیٹا اس کا جانشین ہوتا رہا۔ ان کے نام اور جانشینی کی ترتیب بلاشک وشبہ کتبوں کے بیانات سے ثابت ہو گئی ہے۔ اور وہ یہ ہے:۔ (۱) سامنتسین۔ (۲) ہمنت سین۔ (۳) وجیا سین (۴) ولال سین (بلال سین)۔ (۵) لچھمن سین۔ (۶) وسوروپ سین۔ نمبر (۱) و (۲) اڑیسہ میں محض مقامی سرداروں کی حیثیت رکھتے تھے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ مسٹر جیکسن کینیڈی کا فاضلانہ مضمون "میڈیول ہسٹری آف انڈیا ہندو پیریڈ سنہ ۶۵۰-۱۲۰۰ء" (امپیریل گزیٹر سنہ ۱۹۰۸ جلد ۲ باب ۸) احتیاط سے پڑھنا چاہئے اس میں ایسے واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ اکثر جگہ صحت طلب ہیں۔ اور اس کے نظری خیالات پر ردوقدح کی جا سکتی ہے۔ مسٹر کینیڈی نے گرجروں کی طاقت کا اندازہ کم لگایا ہے۔ مگر اس مضمون کے ساتھ جو فہرست کتب لگا دی گئی ہے وہ مفید ہو سکتی ہے۔

اور نمبر (۶) مشرقی بنگال میں نہایت کمزور حکمراں تھا۔ ہندوستان کی عام تاریخ میں نمبر (۳)، (۴) (۵) ہی قابل ذکر ہیں۔ کیونکہ انھوں نے وسیع علاقوں پر حکومت کی تھی۔ اور ملک کے زبردست دول میں ان کا شمار ہوتا تھا؛

معاملات جو متنازعہ فیہ نہیں۔

آج کل کوئی شخص یہ خیال نہیں کرتا کہ اس خاندان میں دو لچھمن سین تھے یا وہ لچھمن سین جس کا ذکر کتبوں میں آتا ہے۔ اس رائے لکھمنیا سے جدا ہے جس کو محمد بختیار نے طبقات ناصری کے بیان کے مطابق نودیہ (ندیا) سے نکال دیا تھا۔ مینے طبقات کے رائے اور کتبات کے لچھمن سین کو ایک ہی فرض کر لیا ہے۔ ایک اور معاملہ جس کا پروفیسر کیلہارن متوفی کی مشقتوں نے فیصلہ اور بعد کی تحقیقات نے تصدیق کر دی ہے وہ اس سنہ کا آغاز ہے جو لچھمن سین کے نام سے مشہور ہے۔ اس سنہ کا پہلا دن ۷۔ اکتوبر ۱۱۱۹ء ہے اور اس کا پہلا سال ۱۱۱۹-۱۱۲۰ء تک شمار ہوتا ہے۔ ایک اور امر جس کو صحیح مان لیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ محمد بختیار نے ۵۸۹ھ میں جو تقریباً ۱۱۹۳ء کے برابر ہے مسلمانوں کے دہلی کو فتح کرنے کے بعد اور شمال مشرقی سرحد پر جس کو طبقات کے مصنف نے تبت لکھا ہے حملہ کرنے سے قبل جو ۶۰۱ھ (اگست ۱۲۰۴ء تا اگست ۱۲۰۵ء) میں ہوا لچھمن سین کو نودیہ سے بے دخل کر دیا تھا؛

نودیہ کے فتح کی متنازعہ فیہ تاریخ

مگر نودیہ پر یورش کی صحیح تاریخ کے متعلق بہت کچھ اختلاف رائے ہے۔ کیونکہ یہ تاریخ طبقات میں جو تفصیلات کے لئے ہماری ایک ہی سند ہے مذکور نہیں۔ یہاں یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ کتاب ۶۵۸ھ میں تکمیل کو پہنچی۔ اور یہ سنہ سنہ عیسوی کے تقریباً ۱۲۶۰ء کے برابر ہوتا ہے۔ مصنف کتاب جو منہاج سراج کے نام سے مشہور ہے صاف طور پر لکھتا ہے کہ ۶۴۱ھ (جون ۱۲۴۳ء سے جون ۱۲۴۴ء) میں اس نے محمد بختیار کے

بہار کے شہر پر یورش کا حال دو ایسے سپاہیوں سے سنا تھا جو اس حملے میں خود شامل تھے (مترجمہ ریورٹی صفحہ ۵۵۲)۔ چنانچہ اس وجہ سے اس واقعہ کے متعلق اس کا تمام بیان تقریباً معاصرانہ حیثیت رکھتا ہے۔ مگر نودیہ کی یورش کے متعلق وہ اتنا زیادہ خبردار نہیں معلوم ہوتا ہے۔

طبقات ناصری کا بیان۔

نہایت مختصر صورت میں مورخ کا بیان حسب ذیل ہے۔ بختیار کا بیٹا محمدؔ جو ترکوں کے خلج قبیلے سے تعلق رکھتا تھا ۵۸۹ھ میں قطب الدین ایبک سے ملازمت حاصل کرنے میں ناکامیاب رہا۔ ایک مدت گذرنے کے بعد جو غالباً ذرا طولانی تھی اس نے تھوڑی بہت فوجی قوت پیدا کر لی۔ اور مرزا پور کے علاقہ میں ایک جاگیر بھی اس کو حاصل ہو گئی "اسی جاگیر سے وہ منیر (مونگھیر) اور بہار میں چھاپے مارا کرتا تھا" یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اس نے "معتد بہ ذرائع۔ گھوڑے۔ اسلحہ اور آدمی جمع کر لیئے"۔ اس کے علاوہ مصنف کہتا ہے کہ "اس نے اس حصۂ ملک میں برابر قتل و غارت کا بازار گرم رکھا" یہاں تک کہ بالآخر اس نے بہار کے قلعہ بند شہر پر حملہ کرنے کے لیئے ایک مہم تیار کی۔ چنانچہ جیسا کہ متن کتاب میں بیان کیا گیا۔ اس نے شہر کو فتح کیا اور اپنے آقا قطب الدین ایبک کے سامنے جو غالباً اس وقت ہندیلکھنڈ میں مہوبہ کے مقام پر مقیم تھا بے شمار مال غنیمت پیش کیا۔ وہ عزت و احترام جو محمدؔ ابن بختیار کے ساتھ روا رکھا گیا لوگوں کے لیئے باعث حسد ہوا۔ جو اس وقت تک زائل نہ ہوا جب تک کہ اس نے ایک مست ہاتھی کو شکست نہ دی۔ اس واقعہ کے بعد وہ بہار کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسی اثنا میں نودیہ کے باشندے خوف زدہ اور اپنے بادشاہ رائے لکھمنیا یا لچھمن سین کو چھوڑ کر فرار ہو گئے"۔ اس کے دوسرے سال بعد محمد بختیار نے ایک فوج تیار کی۔ بہار پر حملہ آور ہوا۔ اور اچانک نودیہ کے شہر کے سامنے نمودار ہوا" (جیسا کہ متن کتاب میں ذکر ہو چکا ہے)[1]۔

[1] مذکورۂ بالا بیان کے لکھے جانے کے بعد مسٹر ایس۔ کمار نے اپنی یہ رائے شائع کی ہے کہ

صحیح تاریخ تقریباً ۵۹۵ھ ہے۔

چنانچہ اب تمام شہادت پر دوبارہ غور کرنے کے بعد میں بلاک مین سے اس امر میں متفق ہوں کہ نودیہ پر حملہ کی تاریخ ۵۹۰ھ (جو ریورٹی کے خیال کے مطابق ہے) نہیں ہو سکتی۔ محمد بختیار کے مذکورۂ بالا کارنامے ۵۸۹ھ میں دہلی کی فتح کے چند سال بعد وقوع میں آئے ہوں گے۔ اس کے برخلاف منہاج سراج لکھتا ہے (ریورٹی صفحہ ۵۶۰) کہ "چند سال گذرنے کے بعد محمد نے "تبت" پر حملہ کے لئے فوجی مہم تیار کی۔ یہ جانکاہ اور مصیبت انگیز مہم ۶۰۲ھ (اگست ۱۲۰۶ء سے اگست ۱۲۰۵ء) میں واقع ہوئی۔ اس لئے نودیہ کی فتح ۵۸۹ھ کے چند سال بعد اور ۶۰۲ھ کے "چند سال" قبل یعنی ۵۹۵ھ میں یا اس کے قریب واقع ہوئی تھی (نومبر ۱۱۹۸ء سے اکتوبر ۱۱۹۹ء)۔

رائے لکھمنیا کی اسّی برس کی مفروضہ سلطنت

مگر منہاج سراج کی بیان کردہ حکایت کی مدد سے ہم سنہ کا تعین اور زیادہ صحت کے ساتھ کر سکتے ہیں۔ اس کو یہ معلوم ہوا تھا کہ رائے لکھمنیا اپنی پیدائش کے بعد سے اسّی برس تک حکمران رہا۔ مگر یہ بیان جس کی تصدیق ایک حکایت سے بھی ہوتی ہے قرین قیاس نہیں۔ ہندوستان کی تاریخ میں سب سے طولانی زمانۂ حکومت اڑیسہ کے راجہ چور گنگا (۱۰۷۶-۱۱۴۷ء) کا ہے۔ اور جہاں تک مجھے معلوم ہے دنیا کے کسی ملک کی تاریخ میں اسّی برس کے عہد حکومت کی مثال نہیں مل سکتی۔ ریورٹی اس اسّی برس کے عہد حکومت کی تصدیق منشی شیام پرشاد کے ایک بیان سے کرتا ہے جو میجر فرینکلن کے مصنفہ حالات گور میں مذکور ہے کہ لچھمن سین نے اسّی قمری سال (۵۱۰-۵۹۰ھ) حکومت کی تھی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- طبقات کی شہادت کو بالکل نظر انداز کر دینا چاہئے۔ ان کا خیال ہے کہ لچھمن سین ۱۱۱۹ء میں تخت پر بیٹھا اور مسلمانوں کی یورش سے ایک زمانہ قبل مر گیا۔ مگر میرے نزدیک یہ خیال درست نہیں (انڈین انٹی کویری ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۸۸)۔

مگر یہ معلوم نہیں کہ منشی صاحب کے اس بیان کی سند کیا ہے۔ اس بات کی ایک اور دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ محمد نے سنہ ۶۰۲ھ میں وفات پائی تھی اور بعض مورخین کے بیان کے مطابق اس نے بارہ برس لکھنوتی یا گور میں حکومت کی تھی۔ سنہ ۶۰۲ھ میں سے اگر بارہ برس تفریق کر دیئے جائیں تو سنہ ۵۹۰ھ رہ جاتا ہے۔ مگر جیسا کہ بابو منموہن چکرورتی نے کہا ہے کہ ممکن ہے کہ محمد کا عہد حکومت نودیہ کی فتح کے پہلے سے شمار کیا جاتا ہو۔ بہرحال نئے سرے سے تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد میں بلاک مین سے اسّی برس کے عہد حکومت اور سنہ ۵۹۰ء میں نودیہ پر حملے کی تردید میں متفق ہوں۔

نودیہ پر لچھمن سین کے سنہ ۸۰ میں حملہ ہوا۔

لیکن میں اب پروفیسر کیلہارن کی اس رائے کو قبول کرتا ہوں جو اس نے مدت ہوئی ظاہر کی تھی (انڈین انٹی کویری جلد ۱۹ سنہ ۱۸۹۰ صفحہ ۷) کہ اسّی سالہ عہد حکومت کی حکایت ایک غلط فہمی پر مبنی ہے۔ کیونکہ درحقیقت نودیہ پر لچھمن سین کے سنہ ۸۰ میں حملہ کیا گیا تھا۔ اور اس سنہ میں تاریخوں کا شمار بالعموم گذشتہ سالوں اور بعض مرتبہ سنہ حال کی بنا پر ہوا کرتا تھا۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ سنہ متنازعہ فیہ "گذشتہ" سال تھا تو سنہ ۸۰ مساوی ہوگا سنہ ۱۱۱۹ء+۸۰=سنہ ۱۲۰۰-۱۱۹۹ء (اکتوبر سے اکتوبر تک)۔ اور اگر سنہ "حال" تسلیم کیا جائے تو وہ سنہ ۱۱۹۸-۹۹ء (نومبر سے اکتوبر تک) ہوگا۔ غالباً یہ واقعہ سنہ ۱۲۰۰-۱۱۹۹ء کے موسم سرما یعنی سنہ ۱۱۹۹ء کے اواخر اور سنہ ۵۹۶ھ کے شروع میں ظہور پذیر ہوا تھا۔ اور ہم کو یقین کر لینا چاہیئے کہ وہ سنہ ۵۹۵ھ یا سنہ ۵۹۶ھ میں نہ کہ سنہ ۵۹۰ھ میں جیسا کہ پہلے میرا خیال تھا۔ واقع ہوا ہوگا۔

واقعہ جس کی بنا پر یہ سنہ شروع کیا گیا۔

نظام سنین کو اس قدر قائم کر لینے کے بعد ہم کو اس امر پر غور کرنا چاہیئے۔ کہ وہ کونسا واقعہ تھا جس کی وجہ سے ۷ اکتوبر سنہ ۱۱۱۹ء میں نودیہ پر حملہ کے تقریباً اسّی برس قبل

لچھمن سین کا سنہ شروع کیا گیا۔ بابو منموہن چکراورتی کا خیال ہے کہ سنہ کا آغاز اس خاندان کے سب سے پہلے راجہ جس کا نام تاریخ میں آتا ہے۔ سامنت سین کی تخت نشینی سے ہوا۔ مگر یہ شخص اس زمانے میں ایک گمنام مقامی سردار تھا اور یہ امر قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا کہ اس کی تخت نشینی ایک نئے سنہ کا مبدأ قرار دیا گیا ہو لیکن ممکن ہے کہ لچھمن سین نے اپنے سنہ کا آغاز اپنے باپ بلال سین (وُلاّل سین) کی تخت نشینی سے کیا ہو۔ مگر یہ خیال جس کے مسٹر این۔ این۔ باسو مؤید ہیں بلال سین کی تاریخ کی قطعی شہادت (اور وجیا سین کی تاریخ میں جو تصادم واقع ہوتے ہیں جن کا ذکر ابھی کیا جائے گا) کی بنا پر رد ہو جاتا ہے۔ تیسرا خیال جس کو میں خود بھی کم و بیش صحیح ماننے کے لئے تیار ہوں یہ ہے کہ اس سنہ کا آغاز خاندان کے پہلے خود مختار راجہ وجیا سین کی تخت نشینی اور تاجپوشی سے ہوتا ہے۔ مگر بہرحال یہ ممکن ہے کہ اس کا شمار جیسا کہ تارناتھ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے اس کے باپ ہمنت سین کے زمانے سے شروع ہوا ہو؛

اسی کا ہم مثل واقعہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اس سنہ کا آغاز وجیا سین کی تخت نشینی سے ہوا تھا تو یہ واقعہ شاہان گپت کے واقعہ سے بالکل مشابہ ظاہر ہو گا۔ سنہ ۳۱۹-۲۰ء کا سنہ گپت بھی چندر گپت اول کی تخت نشینی (یا تاجپوشی) ہی سے شروع ہوتا ہے۔ کیونکہ اس خاندان کا سب سے پہلا بڑا اور خود مختار بادشاہ یہی تھا۔ اور اس وجہ سے نہ تو اس سنہ کا آغاز چندر گپت کے دادا گپت کے زمانے سے جو محض ایک مقامی سردار تھا یا اس کے بیٹے گھٹوتکچ کے عہد حکومت سے ہوتا ہے؛

مذکورۂ بالا امور کو فرض کر لینے کے بعد خاندان سین کا تمام نظام سنین

---

[1] مسٹر آر۔ ڈی۔ بنرجی کو مسٹر ایس کمار سے اتفاق ہے اور ان کا خیال ہے کہ یہ سنہ لچھمن سین ہی کی تخت نشینی سے شروع ہوا تھا۔ اور یہ کہ وہ محمد بختیار کے حملے سے ایک مدت قبل مر چکا تھا؛

قابل فہم اور واقعات اور سنین کے لحاظ سے اپنی اصلی جگہ پر قائم ہو جاتا ہے ادبیات میں بلال سین یا ولال سین کے متعلق ہم کو دو سنہ یعنے سنہ ۱۱۶۸-۱۱۶۹ء اور سنہ ۱۱۷۰-۷۱ء (سک سنہ ۱۰۹۰ و سنہ ۱۰۹۱) ملتے ہیں[1]۔

وجیا سین کے متعلق تین سنہ ہم کو دستیاب ہوتے ہیں۔ اس کو "چور گنگا کا دوست" بیان کیا گیا ہے۔ یہ چور گنگا نہایت غیر معمولی طور پر سنہ ۱۰۷۶-۱۱۴۷ء تک اکہتر برس حکمراں رہا۔ اور میرے نظام سنین کے مطابق جس کی ایک حد تک تائید بھی ہوتی ہے اس کی حکومت کا آخری حصہ وجیا سین کے اٹھائیس عہد حکومت کے برابر ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد دو باقی ماندہ سنہ ذرا مبہم اور نامکمل ہیں۔ ایک کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ وجیا سین نے چار بادشاہوں یعنے نانیا۔ ویر۔ راگھو۔ اور وردھن کو قید کیا۔ اسی کتبے میں یہ بھی لکھا ہے کہ "اس نے نہایت دلیری سے گوڑ کے سردار پر حملہ کیا۔ کامروپ کے راجہ کو مغلوب کیا اور کلنگ کے بادشاہ کو شکست دی"۔ مگر مشکل یہ ہے اس تمام کتبے میں بادشاہوں اور ان کے ملکوں کی ترتیب بیان نہیں ہوئی۔ لیکن پھر بھی ہم کو تقریباً یہ یقین کر لینا چاہئے کہ راگھو سے یہاں کلنگ کے اس نام کا راجہ مراد ہے جو تقریباً سنہ ۱۱۵۶-۱۱۷۰ء (سک سنہ ۱۰۷۸-۹۲) میں وہاں حکمراں تھا۔ اور اغلب یہ ہے کہ نانیا سے ترہوت کا راجہ نانیا دیو مراد ہو جس نے سنہ ۱۰۹۷ء میں سمرون کی بنیاد ڈالی اور بالآخر نیپال کی وادی میں کرناٹک خاندان کا بانی ہوا۔ مگر ویرا اور وردھن کی شخصیت کو میں بالکل صحیح طور پر نہیں بتا سکتا۔ ان میں سے ایک یقیناً کامروپ یا آسام کا راجہ ہو گا۔ آسام کی ایک مقامی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سک سنہ ۱۱۱۱ (سنہ ۱۱۸۹ء) میں ویر پال ایک شخص گذرا ہے جس کا بیٹا ایک زبردست بادشاہ ہو گیا تھا۔ اور اس کے علاوہ ایک بے تاریخ کی تانبے کی لوح میں

---

[1] مسٹر آر۔ ڈی۔ بینرجی ان تاریخوں کو بھی رد کرتے ہیں۔

کامروپ کے ایک راجہ کا نام ویربا ہو لکھا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ ویر سے کامروپ کا راجہ ہی مراد ہو؟

گور (گوڈ یا گورا) پر وجیا سین کو غالباً شروع حکومت میں فتح حاصل ہوئی تھی۔ ممکن ہے کہ اس نے یہ فتح رامپال یا اس کے بیٹے کمارپال پر پائی ہو۔ اور اغلب یہ ہے کہ موخرالذکر ہی اس کا دشمن تھا جس کو اس نے شکست دی تھی۔ وردھن کا نام کسی تذکرے میں میری نظر سے نہیں گذرا مگر ممکن ہے کہ اس سے پال خاندان ہی کا راجہ مراد ہو۔ کیونکہ اس کا بھی امکان ہے کہ طویل عہد حکومت کے بعد رام پال کی موت نے پال خاندان کی حکومت و سلطنت کو کمزور کر دیا ہو[1]

شاہان سین کے خاندان کی ابتداء دکن سے ہوئی۔

اس مضمون کو میں خاندان سین کی ابتداء اور عروج کے حال پر ختم کرتا ہوں۔ ان کے آباؤاجداد جنوب یعنے دکن سے آئے تھے۔ اور وہ کرنات کشتری یا برہم کشتری کے نام سے پکارے جاتے ہیں موخرالذکر لفظ کے معنے پروفیسر کیلہارن نے غلط سمجھے تھے۔ اور مسٹر آر۔ ڈی۔ بھنڈارکر نے اس کی تصحیح کی ہے۔ ان کے خیالات جو ذات پات کی تاریخ پر بہت کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔ اس قابل ہیں کہ ان کو بالکلیہ یہاں نقل کر دیا جائے :-

"ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ چالکیوں کے ایک کتبے میں

---

[1] ان تمام امور مذکورۂ بالا کو مدنظر رکھتے ہوئے خاندان سین کا نظام سنین میرے نزدیک حسب ذیل ہے :-

سامنت سین	..... (مقامی سردار)	تخت نشینی	سنہ ۱۰۸۰-۹۰ء
ہمنت سین	(" ")	"	سنہ ۱۱۰۰ء
وجیا سین	(بادشاہ)	"	سنہ ۱۱۱۹ء
ولال سین	(")	"	سنہ ۱۱۵۸ء
لچھمن سین	(")	"	سنہ ۱۱۷۳ء یا سنہ ۱۱۸۰ء (؟)

گلہوٹ قوم کے ایک سردار بھرتری بھٹ کو "برہم۔کشتر۔آنوت" لکھا ہے۔جس کا ترجمہ ہیں نے یوں کیا ہے "وہ جس میں مذہبی مقتدا اور سپاہی دونوں کے صفات مجتمع تھے" مگر نیچے ایک حاشیہ بڑھا دیا گیا ہے اس اصطلاح کا جو کچھ اور مطلب ہے وہ یہ ہے کہ بھرتری بھٹ ذات کے لحاظ سے برہمکشتری تھا۔قدیم ہند کی تاریخ میں بھرتری بھٹ ہی ایک ایسا راجہ ہے جس کو یہ لقب دیا گیا ہے۔وجیا سین کے کتبے دیوپارا میں سامنت سین کو "برہم کشتریا نام کُل سیر ودام" لکھا ہے۔اور اس عبارت کا ترجمہ پروفیسر کیلہارن نے "برہمن اور کشتریوں کا سردار" کیا ہے۔مگر میرے نزدیک اس کا ترجمہ "خاندان برہم کشتریہ کا سردار" ہونا چاہیئے۔اور اس بات کی تصدیق کہ پچھلا ترجمہ صحیح ہے اس سے ہوتی ہے کہ "بلال چرت" میں سین خاندان کے بادشاہوں کے لیئے یہی اصطلاح استعمال ہوئی ہے"

چنانچہ برہم کشتریا کے قریب قریب ایک ذات برہمکشتری موجود ہے۔جس کے اراکین پنجاب۔راجپوتانہ۔کاٹھیاواڑ۔گجرات اور حتیٰ کہ دکن میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔میری رائے میں یہ لوگ نئی قوموں کے جو آخر میں کشتری بن گئیں برہمن یا مذہبی مقتدا تھے"

اس کے بعد مصنف نے ریاست جودھپور کے

جلاہوں اور رنگ سازوں کی مثال دی ہے جو اولاً ناگر برہمن تھے اور پھر لکھا ہے کہ :-

"یہاں ہم کو ایک برہمکشتری ذات کی مثال ملتی ہے جس کے لوگوں کا دعویٰ ہے کہ وہ اولاً ناگر برہمن تھے۔ اور یہ امر اس بات کو صاف کرنے کے لیئے کافی ہے کہ گلھاٹ جو ابتداء میں ناگر برہمن تھے آخر میں کس طرح برہمکشتری یا کھتری ہو گئے۔ اور اس سے میرے اس نظریہ کو بھی تقویت پہنچتی ہے کہ برہمکشتری کی مختلف ذاتیں ابتداءً بیرونی اقوام کی برہمن جماعت سے تعلق رکھتی تھیں۔ اور جذب وضم کا عمل شروع ہونے کے بعد اور اس کی تکمیل سے قبل ان لوگوں نے مذہبی مقتدا کی حیثیت کو چھوڑ کر جنگ وجدل میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا"

خاندان سین اولاً برہمن تھا۔

مسٹر بھنڈارکر کا خیال بالکل صحیح ہے۔ اور اسی بنا پر اس خاندان سین کا جدِّ اعلیٰ یقیناً دکن کا ایک برہمن تھا جو غالباً ہر برہمن کی طرح وزیر کے مرتبے پر ممتاز ہوگا۔ جب وہ وزارت کے عہدے کو چھوڑ کر بادشاہ بن گیا تو وہ برہمکشتری ہو گیا۔ اور اس کی اولاد کو کشتری سمجھ لیا گیا جس کی بناپر ان کو ملک کے دوسرے حکمران خاندانوں کے ہاں جو کشتری سمجھے جاتے تھے شادی بیاہ کرنے کا حق حاصل ہو گیا۔ قیاس غالب یہ ہے کہ سامنت سین کلنگ یا اڑلیسہ کے راجہ چور گنگا کے ہاں ملازم تھا جس نے سنہ ۱۰۷۶-۱۱۴۷ء تک حکومت کی اس بادشاہ کا دعویٰ تھا کہ وہ سنہ ۱۱۱۸ء سے کچھ پہلے تمام اڑلیسہ کا مالک ہو گیا تھا۔ اور سامنت دیو کے شمالی اڑلیسہ کے علاقہ میں نیم خود مختار سردار بن جانے کی تاریخ غالباً گیارھویں صدی کے آخر سنہ ۱۰۸۰ یا

سنہ ۱۰۹۰ء میں تلاش کرنی چاہیئے۔ اور ممکن ہے کہ وہ حکمراں سردار نہ ہو۔ اور اس کا بیٹا ہمنت سین پہلا شخص ہو جس نے راجہ کا رتبہ اور درجہ حاصل کیا ہو۔

خاندان سین کا قدیم ترین علاقہ

خاندان سین کا سب سے قدیم علاقہ جس کا ہم کو علم ہے دریائے سورنریکھا کے کنارے موربھنج کی ریاست میں جو اڑیسہ کی انتہائی شمالی باجگذار ریاست ہے ضلع مدناپور کے پاس کاسی پوری یا موجودہ کسیاری میں تھا۔ یہاں میں بابو نگندرا ناتھ باسو کی قابل قدر آرکی آلوجیکل سروے رپورٹ سے حسب ذیل عبارت نقل کرتا ہوں:۔

"ہم نے بنگال کے پس چاتیا ویدک کی تاریخ میں جو آج سے تقریباً تین سو برس قبل کی کھجور کے پتوں پر لکھی ہوئی موجود ہے پڑھا ہے کہ سین خاندان کے راجہ ایک مقام کاسی پوری میں جو دریائے سورنریکھا کے کنارے واقع تھا حکمراں تھے۔ اس جگہ کے ایک حکمراں وجیا سین کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے۔ جن میں بڑے کا نام مل اور چھوٹے کا سیامل تھا۔ دوسرے ہی نے مشرقی بنگال کو فتح کیا اور بکرم پور کو اپنا صدر مقام بنایا۔ "پس چاتیا کلمنجری" کے بیان کے مطابق سیامل ورم کی حکومت بکرم پور میں سک سنہ ۹۹۴ = سنہ ۱۰۷۲ء سے شروع ہوئی۔ .... اور اس میں کسی قسم کا شک نہیں کہ کاسی پوری کا قدیم نام ہی موجودہ کسیاری میں تبدیل ہو گیا ہے"[1]

[1] اس بات کا اندازہ لگانا ذرا مشکل ہے کہ کاسی پوری کس طرح تبدیل ہو کر کسیاری ہو گیا۔

اس عبارت میں مقامی تاریخ کے جن مسائل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور اس کتاب کے بیانات جس کا وہاں حوالہ دیا گیا ہے۔ میری سمجھ سے باہر ہیں ؛

فی الحال مجھے صرف یہی کہنا ہے کہ کاسی پوری یا کسیاری سین خاندان کا سب سے قدیم صدر مقام تھا۔ وجیا سین کے بیٹے کے لئے سنہ ۱۰۷۲ء مقرر کرنا ذرا پیش از وقت معلوم ہوتا ہے[۱] ؛

تمام حوالوں کو حاشیوں میں بیان کرنے سے بچنے کے لیئے ان کو مذکورۂ ذیل بیان میں ترتیب وار جمع کر دیا گیا ہے ؛

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔ ممکن ہے کہ کاسی واری کے نام کا بھی کوئی شہر موجود ہو۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کا نام کاس سین کا بگڑا ہوا ہے۔ یہ شخص تارناتھ کے بیان کے مطابق "چار سینوں" میں سے دوسرا تھا۔ اور اس کو ہمنت سین یا وجیا سین کہہ سکتے ہیں۔ مگر اغلب یہ ہے کہ اس سے دوسرا مراد ہے۔ کیونکہ اسی کے نام سے کاسی پوری کا تعلق ہے ؛

[۱] جب کتاب چھپ رہی تھی تو ذیل کا بیان ایک رسالے میں شائع ہوا تھا :۔ "یہ باور کیا جاتا ہے کہ خاندان سین کے راجاؤں نے جنھوں نے بارھویں صدی عیسوی میں خاندان پال کو بے دخل کیا تھا ورندر کو فتح کر لینے کے بعد اس علاقہ کے جنوب مغرب میں گوداگری کے قریب بیجیا نگر کو اپنا صدر مقام بنایا تھا۔ اور یہ کہ بعد میں وہ لکھناوتی میں جو آخر میں گوڑ ہو گیا منتقل ہو گئے"۔ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۹۱۴ء صفحہ ۱۰۱)۔ ورندر یا موجودہ برند راج شاہی کے ضلعے کا علاقہ ہے۔ گوداگری دریائے گنگا کے کنارے پر تجارت کی بارونق منڈی ہے۔ اور اس جگہ واقع ہے جہاں کلکتہ اور مالدا کی سڑکیں ملتی ہیں۔ گوڑ سنسکرت میں گور لکھنے کا ایک طریقہ ہے ؛

حوالے

اسناد۔ ذیل کی مرتب فہرست میں وہ تمام اسناد مذکور ہیں جن پر سین خاندان کے متعلق متن کتاب اور اس ضمیمے کے بیانات مبنی ہیں۔ بہت پرانی کتابیں نظر انداز کردی گئی ہیں ؛

عام اسناد۔ تارناتھ سے (شیفنر صفحہ ۲۵۲-۷) "چار سینوں" کے حالات سمجھنا اور ان کی تشریح کرنا مشکل ہے۔ اس نے بادشاہوں کے نام حسب ذیل لکھے ہیں :- (۱) گوسین۔ (۲) کاس سین (۳) منت سین۔ (۴) راتھک سین۔ اور کہتا ہے کہ اگرچہ وہ ہر ایک راجہ کے عہد حکومت کا زمانہ نہیں بتا سکتا لیکن پھر بھی ان چاروں نے اسّی برس سے زیادہ حکومت کی تھی۔ اگر اس عرصے کو لچھمن سین کے سنہ کے آغاز یعنے سنہ ۱۱۹-۲۰ع سے شروع کریں جو میرے خیال میں وجیا سین کی تخت نشینی سے شروع ہوتا ہے تو سنہ ۱۱۹۹ع تک یہ اسّی برس کا زمانہ ہوتا ہے۔ مگر اس مدت میں چار نہیں بلکہ صرف تین بادشاہوں نے حکومت کی تھی ؛ اور ممکن ہے کہ تارناتھ نے اس مدت کا شمار ہمنت سین کی تخت نشینی سے کیا ہو۔ اور اگر ایسا ہو تو کاس سین اور وجیا سین جیسا کہ گذشتہ نوٹ میں ظاہر کیا جاچکا ہے ایک ہی شخص ہیں۔ تارناتھ کے دوسرے ناموں کا معمہ میں حل نہیں کرسکتا۔ اس نے جس ترشک بادشاہ چندر کا حال لکھا ہے کہ اس نے تمام مگدھ کو فتح کیا۔ بکرم پور کو برباد۔ اور اودنت پوری (بہار) میں بے شمار بھکشوؤں کو قتل کیا۔ اس سے محمد بختیار مراد معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ کہ اس کو کیوں چندر لکھا گیا۔ میری سمجھ سے باہر ہے۔ اس کے بعد وہ (صفحہ ۲۵۶) سین خاندان کے آخری راجاؤں کے نام گنواتا ہے :- (۱) گوسین دوم۔ (۲) بدھ سین (۳) ہرت سین اور (۴) پرتت سین جو نہایت کمزور اور ترشک یا مسلمانوں کے ماتحت بادشاہ تھے ؛

فتح نودیہ کا سنہ

بلاک مین :۔ جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ حصۂ اول جلد ۴۴ (۱۸۷۵ء) صفحہ ۲۷۵؛ ریورٹی :۔ مذکورۂ بالا کا جواب ایضاً جلد ۴۵۔ (۱۸۷۶ء) صفحہ ۳۲۰۔ اور ترجمۂ طبقات ناصری ضمیمۂ ث (ڈی)؛ منموہن چکراورتی :۔ "اینڈکس آن سینا کنگس" جے۔ اینڈ پروسیڈنگس اے۔ ایس۔ بی (سلسلۂ نو) جلد اول ۱۹۰۵ء صفحہ ۵۰۔ ۴۵ اور "ہرٹن ڈسپیوٹڈ اینڈ ڈاؤٹفل ایونٹس ان دی ہسٹری آف بنگال محمڈن پیریڈ" ایضاً جلد ۴ ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۵۱؛

لچھمن سین کا سنہ اور نظام سنین۔

مذکورہ مضامین کے علاوہ :۔ نگندر ناتھ باسو :۔ جے۔ اے۔ ایس۔ بی حصۂ اول جلد ۶۵ (۱۸۹۶ء) صفحہ ۳۸۔۶؛ بابو اکشئے کمار مترا :۔ ایضاً جلد ۶۹ (۱۹۰۰ء) صفحہ ۶۱؛ کیلہارن :۔ انڈین انٹی کویری جلد ۱۹ (۱۸۹۰ء) صفحہ ۶؛ ایپی گریفیا انڈکا جلد اول صفحہ ۳۰۶؛ بیوریج :۔ جے۔ اے۔ ایس۔ بی حصۂ اول جلد ۵۷ (۱۸۸۸ء) صفحہ ۱۔۷؛ آر۔ ڈی۔ بندھوپادھیا :۔ "مدھائنگر گرائنٹ آف لچھمن سین" جے۔ اینڈ پروسیڈنگس اے۔ ایس۔ بی جلد ۵ (سلسلۂ نو) ۱۹۰۹ء صفحہ ۴۶۷؛

خاندان سین کے زمانے کا علم ادب

منموہن چکراورتی :۔ "پون دوتم یا ہوائی پیغامبر بائی دھوئیک اے کورٹ پوئٹ اور لچھمن سین کنگ آف بنگال" جے۔ اینڈ پروسیڈنگس اے ایس بی (سلسلۂ نو) جلد اول (۱۹۰۵ء) صفحہ ۴۱؛ "سپلیمنٹری نوٹس آن دی بنگال پوئٹ دھوئیک اینڈ دی سین کنگس" ایضاً جلد ۲ (۱۹۰۶ء) صفحہ ۱۵؛ "سنسکرت لٹریچر ان بنگال ڈیورنگ دی سین رول" ایضاً صفحہ ۱۵۷؛

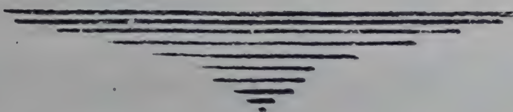
چوڑ گنگا اور جیا سین ان سے تطابق سنین

منموہن چکراورتی :۔ کرونالوجی آف دی ایسٹرن گنگا کنگس آف اڑیسہ" جے۔ اے۔ ایس۔ بی حصۂ اول جلد ۷۲ (۱۹۰۳ء) صفحہ ۱۴۔ اس میں آنند بھٹ کی کتاب "ولال چرت" کا حوالہ دیا گیا ہے؛

راگھو کے لئے دیکھو منموہن چکراورتی :۔ جے اینڈ پروسیڈنگس اے۔ ایس۔ بی۔ (سلسلہ نو) جلد اول صفحہ ۹۴ ؛ ناناپا کے لئے ملاحظہ ہو :۔ سلوین لیوی کی کتاب "لی نیپال" جلد ۲ صفحہ ۱۹۸ ؛ کیلہارن :۔ اپی گریفیا انڈکا جلد اول صفحہ ۳۱۳۔ حاشیہ ۵۷ ؛ ویرنامی آسام کے بادشاہوں کے لئے دیکھو :۔ گیٹ :۔ "رپورٹ آن دی پراگرس آف ہسٹاریکل ریسرچ ان آسام" شیلانگ ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۱ و ۱۹ ؛

سین خاندان کا پرانا صدر مقام۔	نگندرا ناتھ باسو :۔ "آرکی آلوجیکل سروے آف میور بھنج" شائع کردہ ریاست میور بھنج (۱۹۱۱ء) صفحہ ۱۲۲ ؛
برہمکشتر کے معنے	ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر "گہلٹ" جے۔ اینڈ پروسیڈنگس اے۔ ایس۔ بی۔ (سلسلہ نو) جلد ۵ (۱۹۰۹ء)

صفحہ ۱۸۷ - ۱۶۷ ؛ خصوصاً صفحہ ۱۸۶ - یہ ایک نہایت قابل قدر اور اچھوتا مضمون ہے ؛



باب پانزدہم

دکن کی سلطنتیں

دکن

دکن کی اصطلاح یا لفظ کا اطلاق دریائے نربدا (نربدا) کے جنوب کے تمام حصۂ ملک پر ہو سکتا ہے۔ اور چنانچہ بعض اوقات ایسا کیا بھی جاتا ہے۔ لیکن بالعموم اس سے ایک محدود علاقہ مراد لی جاتی ہے جس میں مالابار اور تامل قوم کے ممالک شامل نہیں ہیں۔ اس طرح محدود ہو جانے کے بعد اس اصطلاح کا اطلاق صرف اس حصۂ ملک پر ہوتا ہے جس میں تلنگی بولنے والے لوگ آباد ہیں۔ اور اس میں مہاراشٹر کے ملک کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔ میسور کے بعض حکمراں خاندان کا حال جن کا تعلق انتہائے جنوب سے اتنا نہیں جتنا کہ دکن سے آسانی کے لیئے اس باب میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ موجودہ سیاسی تقسیم کے لحاظ سے دکن کا علاقہ اپنے محدود معنوں میں زیادہ نواب نظام الملک کے ممالک محروسہ میں شامل ہے۔

آب و ہوا کے لحاظ سے یہ ملک بہ ہیئت مجموعی ایک خشک اور کوہستانی سطح مرتفع ہے جس کو دو بڑے دریا گوداوری اور کرشنا سیراب کرتے ہیں۔ اور جنوب میں پہنچ کر موخر الذکر کے ساتھ اس کا معاون دریا تنگبدرا مل جاتا ہے۔

سنہ ۲۲۵-۵۵۰ء - تاریخ بالکل تاریکی میں ہے۔

اس حصۂ ملک میں ساڑھے چار صدی یعنے سنہ ۲۲۵ء تک خاندان اندھرا جس کی تاریخ آٹھویں باب میں بیان کی جا چکی ہے۔ حکمران رہا۔
پروفیسر آر۔ جی بھنڈارکر نے سنہ ۱۸۹۶ء میں اپنی

کتاب لکھتے ہوئے تحریر کیا تھا کہ اندھر خاندان کے خاتمے کے بعد تین سو برس تک "ہم کو ان خاندانوں کا کچھ حال معلوم نہیں جو اس ملک میں برسر حکومت تھے" اگرچہ اس وقت کے بعد اب تک اس سطح مرتفع کے جنوبی حصے کے حکمرانوں اور خاص کر خاندان کدمب (جو تیسری اور چھٹی عیسوی کے درمیان کنڑ اور میسور کے شمالی اضلاع پر حکمراں تھا) کا مزید حال معلوم ہو گیا ہے لیکن ماہرین آثار قدیمہ نے جو کچھ پتا لگایا ہے اس کو اس کتاب میں بالتفصیل بیان کیا جائے گا۔ اس علاقہ کا مغربی حصہ یعنے مہاراشٹر معلوم ہوتا ہے کہ راشتر کوت یا رٹ قوم کے راجاؤں کے زیر نگین تھا۔ یہی قوم تھی جو ایک مدت دراز کے بعد آٹھویں صدی کے درمیان میں تھوڑے زمانے کے لئے تمام دکن پر حکمراں ہوئی[1]۔

چلکیا خاندان کا عروج

پہلے کی طرح اب بھی یہ کہنا بالکل حقیقت پر مبنی ہے دکن کی سیاسی تاریخ چھٹی صدی عیسوی کے درمیان میں خاندان چلکیا کے عروج سے شروع ہوتی ہے۔

اس خاندان کا دعویٰ تھا کہ ان کی ابتدا شمالی ہند کے راجپوتوں سے ہوئی تھی جنھوں نے دکن کی سطح مرتفع کے دراوڑ باشندوں پر جو چلکیا خاندان کے عروج سے پہلے ہی شمال کے آریہ خیالات و اوضاع و اطوار میں رنگے جانے شروع ہو گئے تھے اپنا تسلط جما لیا تھا[2]۔ چلکیا خاندان

---

[1] خاندان کدمب کے لئے دیکھو:۔ رائس کی کتاب "میسور اینڈ کرگ فرام دی انسکرپشنز" (لندن۔ کانسٹبل اینڈ کو سنہ ۱۹۰۹ء)۔ نواب نظام الملک کے علاقے میں آثار قدیمہ کی تحقیقات کا کام بہت ہی کم ہوا ہے۔ مگر میسور میں ایک نہایت قابل عملہ اس کام کے لئے مقرر ہے۔ جس کا افسر پہلے مسٹر رائس اور اب مسٹر آر۔ نرسمہچار ہے۔

[2] جہاں کہیں کہ بالخصوص بیان کر دیا گیا ہو۔ اس کے علاوہ یہ تمام باب ڈاکٹر فلیٹ کی "ڈائنسٹیز آف دی کنریز ڈسٹرکٹ" اور پروفیسر آر۔ جی۔ بھنڈارکر کی "ارلی ہسٹری آف دی دکن" (بمبئی گزیٹیر۔ سنہ ۱۸۹۶ء جلد اول حصۂ اول) کی طبع دوم پر مبنی ہے

سے آخری زمانے کے کتبات جن میں ان کا تعلق اجودھیا سے ثابت کرنے اور ایک خاص شجرۂ نسب کے اختراع کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاریخی حیثیت سے بالکل بیکار ہیں۔ یہ باور کرنے کے وجوہ موجود ہیں کہ چلکیا یا سولنکی قوم چاپ کے قرابت دار تھے اور اس طرح ان کا تعلق گرجروں کے قبیلے سے تھا کیونکہ چاپ اسی کی ایک شاخ تھے۔ اور یہ بھی زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ وہ نقل مکان کر کے راجپوتانہ سے دکن میں آکر آباد ہو گئے ہوں گے۔

۵۵۰ء پلکیسن اوّل اس خاندان کی بنیاد ایک سردار پلکیسن اول نامی نے ڈالی۔ اور تقریباً ۵۵۰ء میں وا تاپی یعنے ضلع بیجاپور میں موجودہ بادامی کے مقام پر قابض ہو کر ایک چھوٹی سی ریاست قائم کر لی۔ مگر وہ اور زیادہ وسیع سلطنت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے اشومیدھ کی رسم ادا کر کے حاکم اعلیٰ ہونے کا دعویٰ بھی کیا تھا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ اصلی اسناد کے حوالے ان دونوں کتابوں میں بالتفصیل ملیں گے۔ پروفیسر کیلہارن کے "سپلمنٹ ٹو دی لسٹ آف انسکرپشنز آف سدرن انڈیا" (ایپی گرافیا انڈکا جلد ۸ ضمیمہ ۲) میں خاندانوں کی بہترین فہرستیں اور جنوری ۱۹۰۶ء تک کتبات کے مطالعہ کے بہترین نتائج جمع کر دئے ہیں پلکیسن اور دوسرے بہت سے اشخاص کے نام جن کا ذکر آگے آئے گا مختلف قسم کے ہیں اور ان کے طریق تحریر میں بھی اختلاف ہے۔ یہ نام چاپ کے نسب نامے میں پایا جاتا ہے۔ اور ڈاکٹر فلیٹ کو صرف یہی ایک ایسی مثال ملی ہے جہاں یہ نام چلکیا خاندان کے سوا اور کہیں بھی مستعمل ہوا ہو۔ اس امر سے مسٹر جیکسن کے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ سولنکی یا چلکیا گرجر کے ہم قوم تھے۔ کیونکہ چاپ قوم انہی (گرجر) کی ایک شاخ تھی (بمبئی گزٹیر ۱۸۹۶ء جلد اول حصہ اول صفحہ ۱۲۷ حاشیہ ۲ صفحہ ۱۳۸ و صفحہ ۴۶۳ حاشیہ ۲ و صفحہ ۴۶۷)۔

کیرتی ورمن اور منگلیس

اس کے دو بیٹوں کیرتی ورمن اور منگلیس نے خاندان کی سلطنت کو مشرق و مغرب کی طرف وسیع کیا۔ موخر الذکر نے جن اقوام و قبائل کو کم و بیش زیر نگین کیا ان میں کونکن (یعنی ساحل سمندر کا وہ حصہ جو مغربی گھاٹ اور سمندر کے درمیان واقع ہے) کے موریا بھی شامل تھے۔ جو ممکن ہے کہ قدیم موریا خاندان کی اولاد ہوں[1]۔

۶۰۸ء پلکیسن دوم

منگلیس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے اور کیرتی ورمن کے ایک بیٹے میں جانشینی کے متعلق جھگڑا ہوا۔ موخر الذکر اپنے حریف پر غالب آیا۔ اور واتاپی کے تخت پر ۶۰۸ء میں پلکیسن کے نام سے تخت پر بیٹھا اور آئندہ سال اس کی تاجپوشی کی رسم ادا کی گئی۔ بیس برس یا اس سے کچھ زیادہ مدت تک اس قابل راجہ نے اپنی تمام ہمسایہ سلطنتوں کے مقابلے میں جارحانہ جنگ جاری رکھی۔ مغرب و شمال کی جانب لات یا جنوبی گجرات۔ گرجر یا شمالی گجرات اور راجپوتانہ مالوا اور کونکن کے موریا قبیلے کو پلکیسن کی جارحانہ کارروائیوں سے مغلوب ہونا پڑا۔

۶۰۹ء ونگی کی فتح

مشرق میں اس نے دریائے کرشنا اور گوداوری کے درمیانی علاقہ ونگی پر قبضہ کیا اور ۶۰۹ء میں اپنے بھائی کبج وشنوردھن کو وہاں نائب السلطنت مقرر کیا۔ اس کا صدر مقام پشتپور جو آج کل ضلع گوداوری میں پتھاپورم کے نام سے موجود ہے بنایا گیا۔ اس کے چند سال بعد تقریباً ۶۱۵ء میں یہ شہزادہ خود مختار بادشاہ بن بیٹھا۔ اور مشرقی خاندان چلکیا کا جو ۱۰۷۰ء تک قائم رہا بانی ہوا۔ یہ خاندان بالآخر خاندان چول میں ضم ہو گیا[2]۔

جنوبی جنگیں

جنوبی ہند کے تمام خاندان چول۔ پانڈیا۔ کرل۔ یہاں تک کہ پلو خاندان چلکیا کے اس اولوالعزم

---

[1] "ریورٹ آن ایپی گریفی"۔ مدراس۔ جی۔ او۔ نمبر ۵۴۲ جولائی ۱۷ء ۱۹۰۸ء

راجہ کی وجہ سے لڑائی پر مجبور ہوئے۔ اور یہ یقینی ہے کہ سنہ ۶۳۰ء میں وہ نربدا کے جنوب کے تمام جزیرہ نما میں سب سے زیادہ طاقتور راجہ تھا؛

سنہ ۶۲۰ء ہرش کی پسپائی۔ ونگی کی فتح کے تقریباً دس برس بعد اس نے شمالی ہند کے راجہ ادھیراجہ ہرش کے ایک حملے کو جس میں راجہ بذات خود شامل تھا کامیابی سے پسپا کیا۔ شمالی ہند کا یہ راجہ تمام ہند کو ایک چھتر کے نیچے جمع کرنا چاہتا تھا۔ مگر پلکیسن کی ہوشیاری اور فوجی قابلیت کے سامنے اس کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔ اور اب دریائے نربدا ان دو سلطنتوں میں حد فاصل قرار پا گیا؛

سنہ ۶۲۵ء ایران کے ساتھ تعلقات دکن کے اس راجہ کی شہرت ہندوستان کے باہر پہنچی اور ایران کے شاہنشاہ خسرو دوم نے بھی اس کا نام سنا۔ چنانچہ اس شاہنشاہ کی چھتیسویں سنہ جلوس یعنی سنہ ۶۲۵-۶ء میں پلکیسن دوم کی ایک سفارت اس کے دربار میں آئی[1]۔ اس کے بدلے میں ایک سفارت ایران سے ہندوستان بھیجی گئی۔ اور ہندی دربار میں کماحقہٗ اس کی خاطر و مدارات بھی ہوئی۔ اجنٹا کے غار نمبر (۱) میں استرکاری کے ایک بڑی تصویر میں جواب

---

[1] اس بات کی سند مسلمان مورخ طبری ہے جس کا مسٹر فرگوسن نے اپنے مضمون جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ اپریل سنہ ۱۸۷۹ء میں ترجمہ اور اس کی عبارت کو نقل کیا ہے۔ اور دیکھو برگس:۔ "نوٹس آن دی بدھا ٹمپلز آف اجنٹا" (آرکی آلوجیکل سروے ویسٹرن انڈیا نمبر ۹ بمبئی سنہ ۱۸۹۷ء) صفحہ ۹۲-۹۰+ اجنٹا کی استرکاری کی نقاشی کے لئے دیکھو مذکورہ بالا کتاب کی لوح ۴۔ اور جے۔ اے۔ ایس۔ بی حصۂ اول جلد ۶۷ (سنہ ۱۸۷۸ء) کی لوح ۲ و ۳ و ۴۔ اجنٹا کی نقاشی کی انڈیا آفس کی اٹلس۔ اور "ہسٹری آف فائن آرٹ ان انڈیا اینڈ سیلون" صفحہ ۲۹۰ شکل ۲۱۰؛

بد قسمتی سے خراب ہو گئی ہے اب بھی ایرانی سفیر کے ہندی بادشاہ کے سامنے اپنے وکالت نامے کے پیش کرنے کا منظر اور اس کی رسوم دیکھی جاسکتی ہیں۔

اجنٹا کی نقاشی

یہ تصویر ہندوستان اور ایران میں باہمی گہرے تعلقات کے ایک پرتو ہونے کے علاوہ ہندوستان کی فنون لطیفہ کی تاریخ میں ایک خاص حیثیت رکھتی ہے۔ اس سے نہ صرف اجنٹا کی بہت سی تصاویر کی تاریخ معین ہوتی ہے اور اس طرح اس کے معیار کو اختیار کر کے دوسری تصاویر کی تاریخ کے تعین میں بھی مدد ملتی ہے۔ بلکہ اس بات کے امکان کو بھی پیش کرتی ہے کہ ممکن ہے کہ اجنٹا کی مصوری براہ راست ایران اور اس طرح یونان قدیم کے فن کی تقلید سے پیدا ہوئی ہو[1]۔

سنہ ۶۴۱ء ہیون سانگ کی آمد۔

جب سنہ ۶۴۱ء میں ہیون سانگ پلکیسن دوم کے دربار میں آیا تو اس نے اجنٹا کے غاروں کی کماحقہ تعریف کی۔ اس وقت راجہ کا صدر مقام واتاپی نہ تھا۔ بلکہ ایک اور شہر تھا جس کو اب ناسک بتلایا جاتا ہے۔ جاتری کے دل پر پلکیسن دوم کی فوجی قوت کا گہرا اثر پڑا۔ خود اس کی رعایا بھی بدل و جان اس کی مطیع و منقاد تھی۔

سنہ ۶۴۲ء پلوؤں کے ہاتھوں پلکیسن دوم کی شکست۔

مگر پلکیسن کی خوشحالی اور خوش قسمتی کا زمانہ ختم ہو چکا تھا۔ سنہ ۶۴۲ء میں طوالانی جنگ کا (جو سنہ ۶۰۹ء سے برابر کانچی کے پلوؤ خاندان کے لئے متواتر مضرت رساں ثابت ہو رہی تھی) رنگ پلٹا۔ اور اس کا نتیجہ پلکیسن کی تباہی اور موت ہوا۔ پلوؤ راجہ نرسمہورمن نے اس کے دارالسلطنت کو فتح کر کے لوٹا۔ اور غالباً اُسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد تیرہ برس تک

---

[1] دیکھو "ہسٹری آف فائن آرٹ ان انڈیا اینڈ سیلون" صفحہ ۳۰۸۔

چلکیا خاندان کا اقتدار جس کو پلکیسن نے اس قدر جدو جہد کے ساتھ قائم کیا تھا معرض "التوا" میں پڑا رہا۔ اور پلَو تمام جنوبی ہند کے مالک ہو گئے؛

سنہ ۶۵۵ء
بکرماجیت اوّل

سنہ ۶۵۵ء میں پلکیسن کے ایک بیٹے بکرماجیت اول نے اپنے خاندان کی سلطنت کو نئے سرے سے آراستہ کیا۔ اور پلَو کو شکست فاش دینے کے بعد ان کے قلعبند شہر کانچی پر قبضہ کر لیا۔ اس جنوبی سلطنت کے ساتھ ایک مدت تک جنگ جاری رہی جس میں کبھی ایک فریق غالب رہتا تھا اور کبھی دوسرا۔ اس کے عہد حکومت میں خاندان چلکیا کی ایک شاخ نے گجرات میں اپنے قدم جمائے اور یہاں آیندہ صدی میں اس نے عربوں کا جان توڑ کے مقابلہ کیا؛

سنہ ۷۴۰ء
بکرماجیت دوم

اس کے بعد کے عہد حکومت کا سب سے زیادہ نمایاں واقعہ یہی خاندان پلَو کے ساتھ جنگ ہے۔ چنانچہ سنہ ۷۴۰ء کے قریب بکرماجیت دوم نے ان کے دارالسلطنت پر نئے سرے سے قبضہ کیا؛

سنہ ۷۵۳ء
راشٹرکوتوں کی فتح

آٹھویں صدی عیسوی کے درمیان میں دنتی درگا نام ایک سردار نے جو قدیم اور بظاہر اصلی قوم راشٹرکوت سے تعلق رکھتا تھا شہرت و قوت حاصل کی اور بکرماجیت دوم کے بیٹے اور جانشین کیرتی ورمن دوم چلکیا کو مغلوب کیا۔ اس واقعہ کے بعد خاندان چلکیا کی اصلی شاخ معدوم ہو گئی۔ اور دکن کی بادشاہت راشٹرکوت کے ہاتھ میں آ گئی۔ چنانچہ آیندہ سوا دو صدی تک وہ وہاں کے بادشاہ بنے رہے؛

سنہ ۵۵۰-۷۵۰ء
مذہبی حالت

واتاپی کے قدیم خاندان چلکیا کی حکومت کے دو صدی کے دوران میں ملک کے اندر مذہبی لحاظ سے زبردست تغیرات وقوع میں آ رہے تھے۔ بدھ مذہب اگرچہ اس وقت بھی با اثر اور آبادی کے ایک بڑے حصہ میں قائم تھا لیکن

بتدریج اس میں زوال آرہا تھا اور وہ برہمنی ہندو مت اور جین مذہب کے مقابلے میں معدوم ہوتا جاتا تھا۔ ہندو مت میں بھی قربانی کی طرف زیادہ توجہ کی جاتی تھی۔ اور اس پر بے شمار کتابیں اور رسالے تصنیف ہو رہے تھے۔ اس کے علاوہ پرانی شکل کا ہندو مت عوام میں مقبول تھا۔ چنانچہ پرانوں کے دیوتا وشنو۔ شو وغیرہ کے ناموں پر ہر جگہ مندر تعمیر ہو رہے تھے۔ جو اس اجڑی حالت میں بھی اس زمانے کے راجاؤں کی شان و شوکت کی یادگار ہیں۔ اسی زمانے میں راسخ الاعتقاد ہندوؤں نے بدھ اور جین مذہب والوں سے غاروں میں مندر کھودنے کا فن سیکھا۔ اس قسم کا قدیم ترین مندر چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں منگلیس چلکیا نے بادامی کے مقام پر وشنو کے نام پر بنایا تھا۔ مرہٹوں کے ملک کے جنوبی حصے میں جین مذہب بالخصوص عوام الناس میں مقبول تھا۔ اس کے علاوہ آٹھویں صدی کے دوران میں زردشتی مذہب بھی ہندوستان میں مروج ہوا۔ خراسان کے جلاوطن پارسیوں کی پہلی آبادی ۷۳۵ء میں احاطۂ بمبئی کے ضلع تھانہ کے مقام سنجان پر قائم ہوئی[1]۔

کرشنا اول تقریباً ۷۶۰ء

واتاپی کی فتح کے بعد دنتی درگا راشتر کوت نے دوسری فتوحات بھی حاصل کیں۔ مگر کیونکہ عوام میں اس کی طرف سے ناراضی پھیل گئی اس لئے اس کے چچا کرشنا اول نے اُسے تخت سے اُتار دیا۔ اور خود اس نے راشتر کوت کی قوم کی بادشاہت قدیم چلکیا کے علاقے میں مستحکم کر دی۔

کیلاس کا مندر

کرشنا اول کا عہد حکومت اس وجہ سے خاص کر مشہور ہے کہ اس کے زمانے میں کیلاس کا مندر الورا

[1] انڈین انٹی کویری ۱۹۱۲ء صفحہ ۱۷۴۔

(شمالی عرض بلد ۲۰-۱۲-۰ مشرقی طول بلد ۵-۷-۱۰) میں ایک چٹان میں تراشا گیا۔ جس کو ہندوستان کی فن تعمیر کی تاریخ میں ایک عجیب وغریب واقعہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہی مندر سنگی عمارتوں میں سب سے زیادہ ممتاز اور قابل قدر ہے۔ اس کو بہت سے مصنفین نے مع تصویروں کے بالتفصیل بیان کیا ہے۔ اور ان سب میں ڈاکٹر برگس اور مسٹر فرگوسن سب سے زیادہ قابل توجہ ہیں[۱]۔

گوبند دوم اور دھرو

کرشنا کا جانشین اس کا بیٹا گوبند دوم ہوا۔ جو ایک مختصر سی حکومت کے بعد غالباً تخت سے بے دخل کر دیا گیا اور اس کا بھائی دھرو تخت وتاج کا مالک بن گیا۔ یہ ایک لائق اور جنگجو بادشاہ تھا۔ اور اس نے نزاعی جنگوں کو جو ہندوستانی راجاؤں کو اس قدر عزیز ہوتی ہیں کامیابی کے ساتھ جاری رکھا[۲]۔ اس کو بالخصوص بھنمال کے گرجر راجہ وتسرراج کے شکست دینے پر بڑا فخر تھا۔ چنانچہ اس راجہ سے اس نے دو چھتر جن کو وتسرراج نے گوڈیا بنگال کے راجہ سے حاصل کیا تھا چھین لئے[۳]۔

تقریباً ۷۹۳-۸۱۵ء گوبند سوم

دھرو کا بیٹا گوبند سوم اس زبردست خاندان کا سب سے زیادہ قابل تعریف راجہ خیال کیا جاسکتا ہے۔ اس نے اپنی سلطنت کو شمال میں بندھیاچل اور مالوا تک۔ اور جنوب میں کانچی تک وسیع کیا۔ اور کم از کم دریائے تنگبھدرا تک کا علاقہ براہ راست اس کے زیرنگیں تھا۔ اس نے اپنے بھائی

---

[۱] "کیو ٹمپلز" اور "آرکی آلوجیکل سروے ویسٹرن انڈیا" جلد ۵۔ قدیم نام کی اصلی شکل ولورا یا ایلاپور ہے۔

[۲] گوبند کا سنہ جلوس ۷۷۰ء اور ۷۷۹ء کے درمیان ہے (سکر سنہ ۷۰۱-۷۰۲ء) (پروگرس رپورٹ آرکی آلوجیکل سروے ویسٹرن انڈیا ۱۹۰۳-۰۴ء صفحہ ۶۰)۔

[۳] جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۹ء صفحہ ۲۲۵۔

اندراج کو لاٹ یا جنوبی گجرات میں نائب السلطنت (وائسرائے) مقرر کیا گیا۔

تقریباً سنہ ۸۱۵-۸۷۷ء اموگھورش

اگلے بادشاہ اموگھورش نے باسٹھ برس حکومت کی۔ اور اس کے عہد کا طولانی زمانہ زیادہ تر ونگی کے مشرقی چلکیا راجاؤں کے ساتھ متواتر جنگ وجدل میں صرف ہوا۔ اس نے اپنا دارالسلطنت ناسک سے مانیا کھیت میں بدل دیا۔ اور یہی شہر ہے جس کو عرب مورخین مانکیر لکھتے ہیں اور جو آج کل مالکھیڑ کے نام سے نواب نظام الملک کی قلمرو میں موجود ہے (شمالی عرض بلد ۱۷°-۱۰؛ مشرقی طول بلد ۷۷°-۱۳۱)[1] بڑھاپے میں یہ راجہ تخت سے دست بردار ہو گیا۔ اور باقی ماندہ زندگی کو ریاضت وعبادت میں بسر کیا۔ اس کا بیٹا کرشنا دوم اس کا جانشین ہوا۔ جینیوں کے دگمبر (یا ننگے) فرقہ کی اموگھورش نے فیاضی سے سرپرستی کی۔ نویں صدی کے آخر اور دسویں صدی کے شروع میں جن سین۔ گنبھدرا اور دیگر علماء کی سرپرستی میں جو ترقی جین مذہب کے اس فرقے کو حاصل ہوئی اس کو بدھ مذہب کے تنزل اور زوال کی ایک بڑی وجہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ موخرالذکر رفتہ رفتہ اپنی قوت کو کھوتا رہا یہاں تک کہ بارھویں صدی عیسوی میں وہ دکن کے علاقے سے بالکل معدوم ہو گیا۔

سنہ ۹۱۴-۱۶ء اندر سوم

اندر سوم نے مختصر عرصہ حکومت (سنہ ۹۱۴-۹۱۶ء) میں قنوج کے دور افتادہ مقام پر حملہ کیا اور کامیاب ہوا اور پنچال قوم کے راجہ مہی پال کو جو اس وقت شمالی ہند میں سب سے بڑا بادشاہ تھا تھوڑی مدت کے لئے تخت سے اتار دیا۔ اس جنگ کی وجہ سے سراشٹر غالباً مہی پال کے قبضے سے نکل گیا۔ اور اس کے علاوہ

---

[1] دیولی کی لوحیں (ایپی گرافیا انڈکا جلد ۵ صفحہ ۱۹۳)۔ ڈاکٹر فلیٹ نے غلطی سے مانیا کھیت کی تعمیر کو گوبند سوم کے زمانے کا واقعہ بتلایا ہے۔

دوسرے مغربی صوبوں سے بھی جو اندر سوم کی تخت نشینی کے وقت اس کے زیر تصرف تھے اس کو دست بردار ہونا پڑا[1]۔

۹۴۹ء چول راجہ کا قتل

کرشنا سوم راشٹر کوٹ کے زمانے کی جنگ چول خاندان کے ساتھ اس وجہ سے مشہور ہے کہ اس میں ۹۴۹ء میں چول خاندان کا راجہ راجادت میدان جنگ میں کام آیا تھا۔ اس زمانے کی جنگوں میں ہندو اور بدھ مذہبوں کی باہمی رقابت کی وجہ سے بہت کچھ وحشیانہ اطوار و طریقوں کی بنیاد پڑی تھی۔

۹۷۳ء چلکیا کی بحالی

راشٹر کوٹ کا آخری راجہ ککّ دوم تھا۔ جس کو قدیم خاندان چلکیا کے ایک فرد تیل یا تیلپ دوم نے ۹۷۳ء میں شکست دے کر مغلوب کیا۔ اپنے خاندان کی قدیم شان و شوکت کو نئے سرے سے قائم کیا۔ اور اس خاندان کا بانی ہوا جو کلیانی کے چلکیا خاندان کے نام سے مشہور ہے۔ دوسرا خاندان بھی اپنے قدیم ہمنام خاندان کی طرح سوا دو سو برس تک برسر حکومت رہا۔

راشٹر کوٹ کی فوقیت

آٹھویں صدی کے اوائل میں محمد ابن قاسم کے سندھ کو فتح کر لینے سے اس صوبے میں پورے طور پر اسلام کا سیاسی غلبہ قائم ہو گیا۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہندوستان کی اصلی سرزمین اور اس صوبے میں "گم شدہ" دریائے ہکرا یا وہند حد فاصل تھا۔ اس دریا کے مشرق میں بھنمال کی گرجر ریاست نویں صدی کے شروع سے قنوج کے ساتھ متحد تھی۔ اور دریا کے مغربی کنارے کی اسلامی ریاست سے ہمیشہ برسر پیکار رہتی تھی۔ مگر اس کے برعکس راشٹر کوٹ راجاؤں نے معلوم کیا کہ ان کے مفاد کا ذریعہ کچھ اور ہی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے عربوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات برابر قائم رکھے۔ اور گرجروں کے ساتھ متواتر جنگ کرتے رہے۔ اس حکمت عملی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے مسلمان سوداگر اور سیاح

---

[1] کیمبے کی لوحیں (ایپی گرافیا انڈ کا جلد ۷ صفحہ ۳۶ - لسٹ نمبر ۹۱)۔

ہندوستان کے مغربی حصے میں وارد ہوئے۔ ان کا سلسلہ نویں صدی کے درمیان میں مسلمان تاجر سلیمان سے شروع ہوتا ہے۔ اور اس نے اور اس کے بعد کے دوسرے سیاحوں نے اپنے حالات شائع کیئے ہیں۔ یہ تمام لوگ اس امر میں متفق ہیں کہ "بلہرا" ہندوستان کا سب سے بڑا راجہ ہے۔ راشٹرکوٹ کے راجاؤں کو بلہرا کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ ولبھ (یعنے محمود) کا لقب دیا کرتے تھے۔ اور یہ لفظ رائے کے ساتھ مل کر بآسانی "بلہرا" بن گیا تھا[1]۔ راشٹرکوٹ راجاؤں کی تعریف و توصیف مسلمان سیاحوں نے کی ہے جس کے وہ اپنے کارناموں کی وجہ سے ہر طرح مستحق ہیں۔ خواہ الورا کی صنعت بہترین ہو یا نہ ہو لیکن کیلاس کا مندر دنیا کی عجائبات میں شامل ہے۔ وہ ایک ایسا کارنامہ ہے جس پر ہر قوم و ملت کو فخر اور بجا فخر ہوسکتا ہے[2]۔ اور اس سے اس بادشاہ کی عظمت و شوکت کا پورا پورا پتہ لگتا ہے جس کی سرپرستی میں وہ تعمیر کیا گیا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مندر شاہی خرچ اور فیاضی کی بدولت تعمیر ہوئے اور سنسکرت علم ادب کی ہمت افزائی کی گئی ؛

۹۹۵ء منج کا قتل

خاندان چلکیا کے دوبارہ قائم کرنے والا راجہ **تیل** چوبیس برس تک حکمراں رہا۔ اور اس مدت میں اس نے اپنے خاندان کے تمام پرانے علاقے کو نئے سرے سے حاصل کر لیا۔

---

[1] ولبھ کا لقب یا خطاب جوجد اور سری یا پرتھوی جیسے الفاظ کے ساتھ مل کر بھی استعمال ہوتا ہے۔ راشٹرکوتوں نے اپنے پیشرو خاندان چالکیا کی نقل میں اختیار کیا تھا۔ مسلمان مورخین ہندو راجاؤں کو "رائے" کہتے ہیں (بمبئی گزیٹیر سنہ ۱۸۹۶ جلد اول حصہ دوم صفحہ ۲۰۹)۔ قدیم عرب جغرافیہ دانوں اور سندھ کے مورخوں کا ترجمہ ایلیٹ نے ہسٹری آف انڈیا جلد اول میں کیا ہے۔ سب سے پہلے پروفیسر بھنڈارکر نے بلہرا کے لفظ کا صحیح مفہوم ظاہر کیا تھا؛

[2] لیکن مسلمان شرک اور بت پرستی پر کبھی فخر نہیں کر سکتے اور اس سے ان کی بیزاری بجا اور قابل فخر ہے۔" (ناظر صاحب مذہبی) ؛

مگر پھر بھی گجرات کا صوبہ اس کے ہاتھ نہ آیا۔ اس کا بہت سا وقت دھارا کے پوار (پرمار) راجہ کے برخلاف لڑنے میں گذرا۔ اور اس راجہ کا دعویٰ ہے کہ اس نے تیل کو چھ مرتبہ شکست فاش دی۔ مگر اپنی سلطنت کے آخری زمانے میں آخر کار تیل نے اپنی اگلی شکستوں کا بدلا لے لیا۔ اس کا دشمن دریائے گوداوری کو جو دونوں سلطنتوں کے درمیان حدفاصل تھا۔ عبور کر کے تیل کی حدود سلطنت میں داخل ہوا۔ مگر شکست کھائی اور قید ہوگیا۔ تھوڑی مدت تک تو اس کے مرتبے کے موافق اس کی بڑی خاطر و مدارات کی گئی۔ مگر جب ایک مرتبہ اس نے قید سے بھاگنے کی کوشش کی تو ذلیل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا گیا۔ اور در بدر بھیک منگوانے کے بعد اس کو قتل کر دیا گیا۔ یہ تمام واقعات غالباً ۹۹۵ء میں ظہور پذیر ہوئے ؎

تقریباً ۱۰۰۰ء راج راجہ چول کا حملہ

اس کے دو سال بعد تیل مر گیا۔ اور اس کی جگہ اس کا بیٹا ستیا سرایا راجہ ہوا۔ اس کے عہد حکومت کے دوران میں سلطنت چلکیا کو خاندان چول کے "راجہ راج" راجہ اعظم کے حملے کی وجہ سے سخت نقصان اور صدمہ اٹھانا پڑا۔ اس راجہ نے ایک لشکر عظیم کے ساتھ جس کی تعداد نو لاکھ بتائی جاتی ہے تمام ملک کو روند ڈالا۔ اور قتل و غارت کا اس قدر بیرحمی سے بازار گرم کیا کہ بچوں۔ عورتوں اور برہمنوں تک کو بھی اس ظالم کے پنجے سے نجات نہ ملی ؎

۱۰۵۲ء راجہ ادھراج چول کی وفات

۱۰۵۲ء میں سمیسور اول نے جو آہومل کے نام سے بھی مشہور ہے دریائے تنگبھدرا کے کنارے کپم کے مقام پر حکمران چول راجہ ادھیراج کو شکست دی۔ اور وہ اس جنگ میں جان سے مارا گیا[۱] اس کے علاوہ سمیسور کا یہ بھی

[۱] ڈاکٹر فلیٹ نے غالباً غلطی سے جنگ کپم کو ۲۰۔ جنوری ۱۰۶۰ء کا واقعہ قرار دیا ہے

دعویٰ ہے کہ اس نے مالوا کے علاقے میں دھارا اور جنوبی کانچی پر حملہ کر کے دونوں شہروں کو فتح کیا تھا۔ اور چیدی کے دلیر راجہ کرن کو شکست دی تھی ؛

سنہ ۱۰۶۸ء سمیسور اہلکیا کی خود کشی۔

سنہ ۱۰۶۸ء میں سمیسور ایک مہلک قسم کے بخار میں مبتلا ہوا۔ اور جب اس کو اپنی جان سے بالکل مایوسی ہوگئی تو وہ شیو شیو کہ کے تنگبھدرا میں کود پڑا اور ڈوب کر مر گیا۔ ایسے حالات میں خود کشی کر لینا ہندو رسم و رواج کے بالکل موافق ہے۔ اور اس قسم کی اور مثالیں بھی ایسے راجاؤں کی دستیاب ہوتی ہیں۔ جنھوں نے اپنی زندگی کا خاتمہ اس طریقہ سے کر لیا تھا ؛

سنہ ۱۰۷۶-۱۱۲۶ء بکرمانک کا عہد حکومت

بکرماجیت چہارم یا بکرمانک نے جو بلہن کی تاریخی نظم کا ہیرو ہے اپنے بھائی سمیسور دوم کو تخت سے بے دخل کر دیا اور سنہ ۱۰۷۶ء میں تخت و تاج کا مالک ہو گیا۔ اس نے نصف صدی تک امن و امان سے حکومت کی۔ مگر اس امن میں بھی بعض دفعہ رخنہ پڑ ہی جاتا تھا۔ اس کے متعلق مذکور ہے کہ اس نے جنوب میں کانچی کو فتح کیا۔ اور حکومت کے آخری حصے میں میسور کے شہر دور سمدر کے خاندان ہیوسل کے راجہ وشنو کے ساتھ ایک سخت تیز و تند جنگ میں مبتلا ہو گیا۔ بکرمانک کی نظر میں اس کے کارنامے ایسے وقیع تھے کہ اس نے ایک نئے سنہ کے آغاز کرنے میں اپنے آپ کو ہمہ وجوہ مستحق سمجھا۔ چنانچہ اس کا سنہ سنہ ۱۰۷۶ء سے شروع ہوتا ہے۔ اور اسی کے نام پر مشہور ہے۔ مگر وہ عوام میں کبھی مقبول نہیں ہوا۔ اس کا دار السلطنت کلیان یا ممالک محروسہ حیدر آباد دکن میں آج کل کا کلیانی شہر تھا۔ جس کو

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- (کنیریز ڈائنسٹی صفحہ ۴۴۱ ہم) سنہ ۱۰۵۲ کی تاریخ پروفیسر کیلہارن نے دریافت کی ہے۔ کپم سے مراد بظاہر تنگبھدرا کے کنارے کا گاؤں ہے نہ کہ دریائے پالار کا اسی نام کا گاؤں ؛

سمیسور اول نے آباد کیا تھا۔ یہیں پر مشہور و معروف قانون داں وِجنانیسور کا وطن تھا۔ اور اسی کی کتاب متاکشرا بنگال سے باہر ہندو قانون کی سب سے زیادہ مستند کتاب ہے؛

سنہ ۱۱۵۶ء بجّل کا غصب

بکرمانک کی وفات کے بعد خاندان چلکیا کی طاقت میں زوال آنا شروع ہوگیا۔ اور سنہ ۶۲-۱۱۵۶ء کے درمیان یعنی راجہ تیل سوم کے عہد حکومت میں سپہ سالار افواج بجّل یا وجن کلچریا نے بغاوت کی اور تمام سلطنت پر متصرف ہوگیا۔ چنانچہ سنہ ۱۱۸۳ء تک وہ اور اس کے بیٹے اس پر حکمراں رہے۔ مگر اس سنہ میں خاندان چلکیا کے ایک شہزادے سمیسور چہارم نے بجّل کے جانشینوں سے ملک کا ایک حصہ از سر نو حاصل کر لیا۔ مگر وہ ہمسایہ سلطنتوں کے حملوں کو روکنے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ اور چند ہی سال کے عرصہ میں اس کی سلطنت کا بڑا حصہ مغرب میں دیوگری کے خاندان یادو اور جنوب میں دور سمدر کے خاندان ہیوسل کی سلطنتوں میں ضم ہوگیا۔

سنہ ۱۱۹۰ء خاندان چلکیا کا خاتمہ

کہا جا سکتا ہے کہ کلیان کے خاندان چلکیا کا خاتمہ سنہ ۱۱۹۰ء میں ہوگیا۔ اور اس کے بعد یہ راجہ محض مقامی سرداروں کی حیثیت سے رہ گئے؛

سنہ ۱۱۶۷ء فرقہ لنگائت

غاصب بجّل کا عہد حکومت نہایت مختصر تھا۔ اور وہ سنہ ۱۱۶۷ء میں تخت و تاج سے دست بردار ہوگیا۔ مگر اسی مختصر سے زمانے میں ایک مذہبی انقلاب واقع ہوا جس سے شیو کے مذہب نے دوبارہ زندگی پائی، اور ایک نیا فرقہ قائم ہوا جس کا نام ویرسیوس یا لنگائت ہے اور جو اس وقت تک پورے زوروں پر قائم ہے۔ بجّل مذہباً جین تھا۔ اور روایت کا ایک پہلو یہ نکلتا ہے کہ اس نے فرقۂ لنگایت کے دو ولیوں کو بلا وجہ اندھا کر دیا۔ اور اس کے بدلے میں سنہ ۱۱۶۷ء میں وہ خود قتل کیا گیا۔ اس کے بعد جیسا کہ بالعموم ہمیشہ ہوتا آیا ہے ان دونوں ولیوں کی خونریزی سے اس نئے مذہبی فرقے کی بنیاد پڑی جس کو بجّل کے برہمن وزیر بسوا نے

قائم کیا تھا۔ مگر دوسری روایات میں یہ حکایت بالکل مختلف طور سے بیان کی گئی ہے۔ اور حقیقت پر ایسا گہرا پردہ پڑ گیا ہے کہ اصلی بات کا ظاہر ہونا تقریباً ناممکن ہے۔ اس مذہب کے ماننے والے بالعموم کنڑی زبان بولنے والے اضلاع میں پائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ شیو کو مبدء حیات کی حیثیت سے مانتے ہیں۔ اور اس کی پرستش کرتے ہیں۔ ویدوں کو قبول نہیں کرتے۔ اواگون (تناسخ) کے منکر ہیں۔ بچپن کی شادی سے محترز رہنا چاہتے ہیں۔ بیواؤں کی شادی پر زور دیتے ہیں۔ اور باوجود اس کے کہ اُن کے مذہب کا بانی ایک برہمن تھا۔ برہمنوں سے سخت متنفر ہیں؛

بدھ اور جین مذاہب کا زوال و انحطاط

یہ نئے مذہبی فرقے جن میں وہ تجارت پیشہ لوگ بکثرت شامل ہو گئے تھے جن کی وجہ سے اس وقت تک جین اور بدھ مذاہب کو تھوڑی بہت قوت حاصل تھی۔ مقدم الذکر مذہب کی ترقی اور توسیع میں سدراہ ہوئے۔ بدھ مذہب کی بھی دم شماری ہو رہی تھی۔ چنانچہ بارھویں صدی کے نصف کے بعد دکن میں اس کے وجود کا پتا شاذ و نادر ہی لگتا ہے[1]؛

دورسمدر کا خاندان ہیوسل

بارھویں اور تیرھویں صدی کے دوران میں ہیوسل یا ہیوسل خاندان یا قبیلے کے سرداروں نے میسور کے ملک میں بہت طاقت حاصل کر لی تھی۔ اس خاندان کے شروع کے بادشاہوں میں سب سے بڑا بادشاہ بتی دیو یا بتنگ (تقریباً ۱۱۱۱ء-۱۱۴۱ء) تھا۔ اس نے اپنا دارالسلطنت دورسمدر موجودہ ہلیبیڈ کو مقرر کیا۔ جہاں وہ مشہور و معروف مندر واقع ہے جس کو دیکھ کر مسٹر فرگیوسن خوشی کے مارے آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ اس کی حکومت کے اوائل میں اس کے وزیر گنگراج کے زیر حمایت جین مت کا

[1] آچار سار میں بدھ مذہب کی طرف بہت سے اشارے پائے جاتے ہیں۔ "اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کنڑی زبان کے علاقے میں سک سنہ ۱۰۷۶ (۱۱۵۴ء) میں بدھ کے ماننے والے بکثرت تھے۔" (پیٹھک۔ انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۲ صفحہ ۸۹)؛

خوب بول بالا رہا۔ اور اس مذہب کے وہ مندر جن کو متعصب راسخ الاعتقاد چول حملہ آوروں نے برباد کردیا تھا نئے سرے سے تعمیر کیئے گئے۔ مگر آخرکار مشہور مصلح رامانج کے زیر اثر آکر بادشاہ نے خود وشنو کا مذہب اختیار کرلیا۔ اور بیلور اور ہلیبیڈ کی عالیشان عمارتیں اس امر کی شاہد ہیں کہ اس نے اپنے نئے مذہب کی خدمت کس قدر دریا دلی اور فیاضی سے کی تھی[1]۔ تبدیل مذہب کے بعد اس نے اپنا نام وشنو وردھن یا وشنو مقرر کیا۔ اور اسی نام سے وہ زیادہ مشہور ہے۔ اپنے تذکروں میں وشنو نے بہت سی فتوحات کا ذکر کیا ہے۔ اور اُس کا دعویٰ ہے کہ اُس نے جنوبی ہند کے چول۔ چیر۔ اور پانڈیا خاندانوں کے راجاؤں کو شکست دی تھی۔ سنہ ۱۱۲۳ء کے قریب اس کے جانشین نرسمہ دوم نے جو اس وقت چول خاندان کے ساتھ متحد تھا در حقیقت ترچناپلی پر قبضہ کرلیا تھا[2]؛

ویرہ بلّال
سنہ ۱۱۷۳-۱۲۲۰ء

وشنو کے پوتے ویرہ بلّال نے اپنے طولانی عہد حکومت کے اثنا میں اپنی سلطنت کو میسور کے شمال تک وسعت دی۔ اس کو خصوصیت کے ساتھ اس بات پر فخر تھا کہ اس نے سنہ ۱۱۹۱-۲ء میں دیوگری کے خاندان یا دَو کے راجہ کو جس کی سلطنت شمال کی طرف واقع تھی شکست دی تھی۔ اس کی فتوحات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہیوسل جنوبی ہند میں جس میں دکن کے جنوبی علاقے بھی شامل تھے

---

[1] فرگوسن اور میڈوز ٹیلر کی کتاب "آرکی ٹیکچر ان دھرواڑ اینڈ میسور" (مرے سنہ ۱۸۶۶ء)۔ وشنو کی حکومت اور عمارات کی تفصیل کے لئے دیکھو مسٹر رائس کا مقدمہ ایپی گریفیا کرناٹکا جلد ۵ صفحہ ۱ اور خصوصاً صفحہ ۳۶۔ مسٹر ایس۔ کے۔ آئینگر نے خاندان ہیوسل کا نہایت عمدہ حال اپنے لکچر "دی میکنگ آف میسور" میں لکھا ہے۔ (مدراس سنہ ۱۹۰۵ء)۔ اور وہ اینشنٹ انڈیا میں دوبارہ شائع ہوگیا ہے؛

[2] ایپی گریفیا انڈکا جلد ۷ صفحہ ۱۶۲؛

سب سے بڑی طاقت ہوگئی ؛

سنہ ۱۳۱۰ء خاندان ہیوسل کا خاتمہ

اس خاندان کی طاقت سنہ ۱۳۱۰ء تک برابر قائم رہی۔ مگر اس سنہ میں مسلمان سپہ سالار ملک کافور اور خواجہ حاجی ہیوسل کی سلطنت میں داخل ہوئے۔ ملک کو تاخت و تاراج کیا۔ حکمراں راجہ کو گرفتار کیا اور اس کی دارالسلطنت کو لوٹ لیا۔ اور آخرکار سنہ ۱۳۲۶ء یا سنہ ۱۳۲۷ء میں ایک اسلامی فوج نے اسے بالکل تباہ و برباد کر ڈالا۔ اس کے چند سال بعد راجہ کے بیٹے کا ذکر بعد کی تاریخوں میں محض ایک مقامی راجہ کی حیثیت سے ہوتا ہے ؛

دیوگری کا خاندان یادو

دیوگری کے شاہان یادو سلطنت چلکیا کے باجگذار امراء کی اولاد میں سے تھے۔ وہ علاقہ جس پر وہ متصرف ہوگئے دیوگری (دولت آباد) اور ناسک کے درمیان واقع تھا اور اس زمانے میں سُوَن کہلاتا تھا۔ اس خاندان میں سے پہلا شخص جس نے کچھ سیاسی اہمیت حاصل کی تھی بھلّم تھا۔ یہ سنہ ۱۱۹۱ء میں ہیوسل خاندان کے بادشاہ کے برخلاف لڑتا ہوا مارا گیا ؛

سنہ ۱۲۱۰ء راجہ سنگھن

ان کا سب سے زیادہ زبردست راجہ سنگھن تھا جو سنہ ۱۲۱۰ء میں تخت نشین ہوا۔ اس نے گجرات وغیرہ ممالک پر فوج کشی کی۔ اور ایک ناپائدار سلطنت قائم کرلی جو وسعت میں چلکیا اور راشٹر کوٹ کی سلطنتوں کے ہم پلہ تھی ؛

سنہ ۱۲۹۴ء سلطان علاءالدین کا حملہ

خاندان ہیوسل کی طرح یادو خاندان بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے تباہ ہوا۔ سنہ ۱۲۹۴ء میں جب دہلی کے سلطان علاءالدین نے دریائے نربدا کو جو سلطنت یادو کی شمالی حد تھا عبور کیا تو حکمراں راجہ رام چندر سے اس کے سوا اور کچھ نہ بن پڑی کہ اپنے آپ کو حملہ آور کے حوالے کردے۔ اور بے شمار خزانہ دے کر جس میں کہا جاتا ہے کہ چھ سو من موتی۔ دو من ہیرے۔ لعل۔ زمرد اور نیلم وغیرہ شامل تھے اپنی جان بچائے ؛

۱۳۰۹ء ملک کافور

۱۳۰۹ء میں جب ملک کافور نے سلطان کے حملے کا اعادہ کیا تو پھر رامچندر ہر قسم کے مقابلے سے باز رہا۔ اور حملہ آور کی اطاعت قبول کر لی۔ وہ دکن کا آخری ہندو خود مختار راجہ تھا۔ دریائے کرشنا کے جنوب کے وسیع علاقوں میں سلطنت وجیانگر نے جو ۱۳۳۶ء میں قائم ہوئی ۱۵۶۵ء تک ہندوؤں کے آداب سلطنت کو نہایت آب و تاب سے جاری رکھا۔ اور انجام کار مسلمان بادشاہوں کے متحدانہ حملوں سے برباد ہو گئی ؛

۱۳۱۸ء خاندان یادو کا خاتمہ

رامچندر کی وفات کے بعد اس کے داماد ہرپال نے غیر ملکیوں کے مقابلے کے لئے ۱۳۱۸ء میں ایک بغاوت برپا کی۔ مگر شکست کھائی۔ اس کی کھال اتارنے کے بعد اس کی عضو تراشی کی گئی۔ اور اس طرح آخر کار خاندان یادو کا خاتمہ ہو گیا[۱] ؛

ہمادری یا ہماد پنت

سنسکرت کا مشہور و معروف مصنف ہمادری جو بالعموم ہماد پنت کے نام سے مشہور ہے رامچندر اور اس کے پیشرو مہادیو کے عہد حکومت میں گذرا ہے۔ اس نے خاص کر اپنی توجہ ہندو مذہب کی رسوم اور دستور کے بیانات کو سلسلہ وار ایک جگہ جمع کر دینے پر خرچ کی۔ اور اسی بات کو مد نظر رکھ کر اس نے ہندوؤں کے قانون پر نہایت اہم کتابیں تالیف کیں۔ اسی کے متعلق اگرچہ غلطی سے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے سب سے پہلے مودی طرز تحریر کو لنکا سے لا کر اس ملک میں مروج کیا[۲]۔ اس نے اپنی ایک کتاب کے

---

[۱] خاندان ہیوسل کے متعلق سب سے نیا بیان رائس کی کتاب "میسور اینڈ کرگ فرام انسکرپشینز" ۱۹۰۹ء میں ملے گا ؛

[۲] مودی طرز تحریر دراصل مشہور و معروف مرہٹہ سردار سیواجی کے سکرٹری بالاجی اوجی نے دریافت یا کم از کم مروج کیا۔ (ڈی۔ اے۔ گپتے۔ انڈین انٹی کویری ۱۹۰۵ء

مقدمے میں اپنے مربی کے خاندان کا نہایت قابل قدر تذکرہ قلمبند کیا ہے ؛

ضمیمہ ط

دکن کے بڑے بڑے شاہی خاندان[1]

الف۔ واتاپی (بادامی) کے شاہان چلکیا ۵۵۰ تا ۷۵۳ء

سلسلہ نشان	نام	تخت نشینی کا قرین صحت سنہ	کتبوں سے معلوم شدہ سنین
۱	پلکیسن اول (ستیاسریا۔ رن بکرم۔ ولبھ)	۵۵۰ء	کتبات بالکل ناپید ہیں۔ (ولبھ کا خطاب یا لقب بعض دفعہ الگ اور بعض دفعہ دوسرے الفاظ مثلاً سری وغیرہ کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ صفحہ ۲۷۔ سر جی۔ گیرسن نے اس کے حروف تہجی "لنگوسٹک سروسے" جلد ۷ صفحہ ۲۰ میں نقل کیے ہیں ؛

[1] ان فہرستوں میں صرف بڑے خاندان کا ذکر ہے۔ اور خاندان کی باقی شاخوں اور رشتہ داروں کو نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب کی یہ فہرستیں ان فہرستوں سے ماخوذ ہیں جو پروفیسر کیلہارن نے ایپی گرافیا انڈکا کی جلد ۸ ضمیمہ جب (۱۹۰۶ء) میں شائع کی تھیں۔ ہر ایک خاندان کو اس کے اصلی بانی سے شروع کیا گیا ہے۔ اور خیالی افراد کو بالکل ترک کر دیا گیا ہے ؛

سلسلہ نشان	نام	تخت نشینی کا قرین صحت سنہ	کتبوں سے معلوم شدہ سنین
۲	کیرتی ورمن (ولبھ۔ رن پراکرم وغیرہ)۔	سنہ ۷-۵۶۶ء	سنہ ۵۷۸ء
۳	منگلیس (ولبھ۔ رن وکرانت وغیرہ)	سنہ ۸-۵۹۷ء	سنہ ۲-۶۰۱ء
۴	پلکیسن دوم (ولبھ۔ ستیاسریا۔ وغیرہ)	سنہ ۶۰۸ء	سنہ ۶۱۲ء و سنہ ۶۳۴ء تاجپوشی سنہ ۶۰۹ء ؒ
		(سنہ ۶۴۲ء سے سنہ ۶۵۵ء تک وقفہ)	
۵	بکرماجیت اول (ولبھ۔ ستیاسریا۔ وغیرہ)	سنہ ۶۵۵ء	سنہ ۶۵۹ء
۶	ونیادت (ستیاسریا۔ ولبھ وغیرہ)	سنہ ۶۸۰ء	سنہ ۶۸۹ء و سنہ ۶۹۱ء و سنہ ۶۹۲ء و سنہ ۶۹۴ء ؒ
۷	وجیادت (ستیاسریا وغیرہ)	سنہ ۶۹۶ء	سنہ ۶۹۹ء و سنہ ۷۰۰ء و سنہ ۷۰۵ء و سنہ ۷۰۹ء ؒ
۸	بکرماجیت دوم آہوارت وغیرہ)	سنہ ۷۳۳ء	سنہ ۷۳۵ء (؟)
۹	کیرتی ورمن دوم (نرپی پسمہراج۔ وغیرہ)	سنہ ۷۴۶ء	سنہ ۷۵۴ء و سنہ ۷۵۷ء (سنہ ۷۵۳ء میں راشٹرکوٹوں کی فتوحات واقع ہوئیں۔ اور کیرتی ورمن محض ایک مقامی سردار رہ گیا) ؒ

ب) ۔ مانیاکھیت (مالکھیڑ) کے شاہان راشترکوت۔
سنہ ۷۵۳-۹۷۳ء

سلسلہ شاہان	نام	تخت نشینی کا قرین صحت سنہ	کتبوں سے دریافت شدہ سنین
۱	دنتی درگا (کھدگا دلوگ وغیرہ)	سنہ ۷۵۳ء	سنہ ۷۵۳ء
۲	کرشنا اول (اکال ورش وغیرہ)	سنہ ۷۶۰ء	سنہ ۷۷۰ء (گوبند یُوراجہ)
۳	گوبند دوم (پربھوت ورش وغیرہ)	سنہ ۷۷۵ء	سنہ ۷۷۹ء
۴	دھرُو (نُرپَم - سری ولبھ - یہ خطاب خاندان چلکیا سے لیا گیا تھا وغیرہ) -	سنہ ۷۸۰ء	سنہ ۷۸۳ء (جینوں کی کتاب ہری ومس)
۵	گوبند سوم (پربھوت ورش وغیرہ)	سنہ ۷۹۳ء	سنہ ۷۹۴ء و سنہ ۸۰۴ء و سنہ ۸۰۸ء و سنہ ۸۱۳ء -
۶	اموگھ ورش اول (نری پتنگ وغیرہ)	سنہ ۸۱۵ء	سنہ ۸۱۷-۸۷۷ء -
۷	کرشنا دوم (کرشنا ولبھ وغیرہ)	سنہ ۸۸۰ء	سنہ ۹۰۲-۱۱ء
۸	اندر سوم (نتیا ورش وغیرہ)	سنہ ۹۱۲ء	سنہ ۹۱۴ء و سنہ ۹۱۶ء
۹	اموگھ ورش دوم	سنہ ۹۱۶-۷ء	ناپید
۱۰	گوبند چہارم (سورن ورش وغیرہ)	سنہ ۹۱۷ء	سنہ ۹۱۸-۳۳ء
۱۱	اموگھ ورش سوم (بدّگ وغیرہ)	سنہ ۹۳۵ء	ناپید
۱۲	کرشنا سوم (کنّر وغیرہ)	سنہ ۹۴۰ء	سنہ ۹۴۰-۹۶۱ء
۱۳	کھٹگ (نتیا ورش وغیرہ)	سنہ ۹۶۵ء	سنہ ۹۷۱ء
۱۴	ککّ دوم (کَکَل وغیرہ)	سنہ ۹۷۲ء	سنہ ۹۷۲ء و سنہ ۹۷۳ء (خاندان چلکیا کا سنہ ۹۷۳ء میں تیل کے ہاتھوں احیا)

ج۔ کلیانی (کلیان) کے شاہان چلکیا۔ سنہ ۹۷۳-۱۱۹۰ع

نمبر شمار	نام	تخت نشینی کا قرین صحت سنہ	کتبوں سے دریافت شدہ سنین
۱	تیل دوم (تیلپ۔ آہومل وغیرہ)	سنہ ۹۷۳ع	سنہ ۹۹۳-۹۹۷ع
۲	سیتاسریا (ستّیگ وغیرہ)	سنہ ۹۹۷ع	سنہ ۱۰۰۲ع و سنہ ۱۰۰۸ع
۳	بکرماجیت پنجم (ترِبھون مل)	سنہ ۱۰۰۹ع	سنہ ۱۰۰۹ع
۴	جیاسمہ دوم (جگدیک مل اول)	سنہ ۱۰۱۶ع	سنہ ۱۰۱۸ (؟) سے سنہ ۱۰۴۲ع تک
۵	سمیسور اول (اہومل وغیرہ)	سنہ ۱۰۴۲ع	سنہ ۱۰۴۴-۶۸ع
۶	سمیسور دوم (بھونائک مل)	سنہ ۱۰۷۵ع	سنہ ۱۰۷۱-۰۵ع
۷	بکرماجیت چہارم (بکرمارک وغیرہ)	سنہ ۱۰۷۵-۷۶ع	سنہ ۱۰۷۷-۱۱۲۵ع
۸	سمیسور سوم (بھولک مل)	سنہ ۱۱۲۵-۲۶ع	سنہ ۱۱۲۸ع و سنہ ۱۱۳۰ع
۹	پرم جگدیک مل دوم	سنہ ۱۱۳۸	سنہ ۱۱۳۹ع و سنہ ۱۱۴۹ع
۱۰	تیل سوم (تیلپ۔ تریلوکیامل وغیرہ)	سنہ ۱۱۴۹	سنہ ۱۱۵۴ع و سنہ ۱۱۵۵ع
۱۱	سمیسور چہارم (ترِبھون مل وغیرہ)	سنہ ۱۱۶۲	سنہ ۱۱۸۴ع و سنہ ۱۱۸۹ع (بجل کلچریا کا غصب سنہ ۱۱۵۶-۶۲ع میں سنہ ۱۱۶۷ع میں وہ تخت سے دست بردار ہوا۔ اور اس کی اولاد سنہ ۱۱۸۳ع تک سمیسور چہارم کے حریف رہی) ۔

باب شانزدہم

جنوبی ہند کی سلطنتیں

حصہ ۔ الف

"تین سلطنتیں"

تامل قوم کا ملک جنوبی ہند اور دکن کی سطح مرتفع کے درمیان دریائے کرشنا اور تنگبھدرا حد فاصل ہیں۔ اس کی حیثیت اور تاریخ ہندوستان کے اور ممالک اور علاقوں سے بالکل جدا واقع ہوئی ہے۔ زمانۂ حال کی اصطلاح میں اگر ذکر کیا جائے تو اس وسیع علاقہ میں احاطۂ مدراس "شمالی سرکار" کے اضلاع وزیگاپٹم اور گنجام کو نکال کے ۔ اور میسور ۔ کوچن اور ٹراونکور کی دیسی ریاستیں شامل ہیں۔ یہ حصہ درحقیقت تامل قوم اور اس زبان کے بولنے والوں سے آباد ہے۔ اور اسی وجہ سے قدیم زمانے میں یہ تاملکم یعنی "تامل قوم کا ملک" کے نام سے مشہور تھا۔ قدیم ترین روایات کے بموجب تاملکم کی شمالی حد مدراس سے ذرا اوپر کی طرف مشرقی ساحل پر پلی کٹ تھی مغربی ساحل پر بدگرہ کے قریب سفید چٹان اور جنوب میں بھی واقع تھا۔ اور ان دونوں مقاموں کے درمیان سرحدی خط کوہ وینکٹ یا ترپتی کے پاس سے جو مدراس کے شمال مشرق میں سو میل کے فاصلے پر واقع تھا گذرتا تھا۔ اور پھر بدگرہ سے جنوب کی طرف مائل ہوجاتا تھا[1]۔ بعد کی

---

[1] "دی تاملز ایٹیٹن ہنڈرڈ ایرس ایگو" صفحہ ۱۰ و ۱۷۔

روایات کے موافق شمال مشرقی حد شمالی دریائے پنّار کے کنارے کے شہر نلور[1] تک اور شمال مغربی حد منگلور کے جنوب میں دریائے چندر گری تک وسیع ہو گئی تھی[2]۔ اس باب میں صرف تامل اقوام کی سلطنتوں اور خاندان پلّو پر بحث کی جائے گی۔ اس سے قبل پندرھویں باب میں میسور کے شاہی خاندانوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ دکن کی سطح مرتفع کی سلطنتوں کے ساتھ ان کے تعلقات نہایت گہرے تھے؛

ٹولمی کا دمریکے یونانی جغرافیہ داں ٹولمی جس نے ۱۴۰ء میں اپنی کتاب تصنیف کی تھی جنوبی ہند سے بخوبی واقف تھا۔ وہ اس ملک کا نام دمریکے بتلاتا ہے۔ اور یہ لفظ تاملکم کی محض ایک اور صورت ہے۔ کیونکہ ل اور ر میں تبادلہ ہو سکتا ہے۔ مگر دو یونانی حروف (Δ Λ) میں اکثر التباس ہو جاتا ہے اس وجہ سے کتابی نسخوں میں وہ نام خراب ہو کے لمریکے پڑھ لیا گیا ہے[3]۔ اس کے زمانے میں اس تمام وسیع علاقہ میں صرف ایک زبان یعنے تامل بولی جاتی تھی۔ ملایالم زبان جو اب مالابار میں بولی جاتی ہے چند صدی بعد تک اس قابل نہ ہوئی تھی کہ اس کو ایک جدا زبان کہا جا سکے۔ آبادی میں مختلف عناصر شامل تھے۔ مگر ان میں سے وِنور یا تیر انداز (بھیل) اور ماہی گیر (نیاس) سب سے زیادہ قدیم مانے جاتے ہیں۔ اور تامل قوم بظاہر بعد کے آئے ہوئے لوگ ہیں؛

زمانہ قدیم میں معاشرت کی حالت تامل زبان کی قدیم نظموں سے جو قابل ماہرین فن کے خیال کے مطابق سنہ عیسوی کی پہلی تین صدیوں میں

---

[1] ایلیٹ:۔ "کائنز آف سدرن انڈیا"، صفحہ ۱۰۸؛

[2] دریائے چندرا گری کریل اور تلو کے درمیان حد فاصل تھی؛

[3] ٹولمی:۔ باب ۷، فصل ۱، صفحہ ۸۵۔ ترجمہ میک کرنڈل انڈین انٹی کویری جلد ۱۳ صفحہ ۳۶۔ بیونٹگیرین فہرستوں میں اس کا نام دمریکے بالکل درست لکھا ہے۔ (انڈین انٹی کویری جلد ۸ صفحہ ۱۴۸)؛

کہی گئی تھیں اس زمانے کی معاشرت کا بہت ہی اچھا ہو بہو نقشہ پیش نظر کرتی ہے۔ تامل قوم کی تہذیب و تمدن کی نشوونما بالکل جداگانہ ہوئی تھی اور شمالی ہند کے تمدن پر اُس کی بنا نہ تھی۔ شمالی علاقے سے آئے ہوئے لوگوں نے جو مدراوغیرہ کے شہروں میں آباد ہو گئے تھے یہ کوشش کی تھی کہ یہاں بھی شمالی ہند کے ہندو رسوم اور ذات پات کے جھگڑوں کو مروج کریں۔ مگر ان کو سخت مخالفت کا سامنا ہوا چنانچہ ذات کا نظام جو اب چند گزشتہ صدیوں سے جنوب میں اس قدر سختی سے مروج ہے اس زمانے میں ناکمل اور محض ابتدائی حالت میں تھا[1]۔ عوام الناس کا مذہب "دیو پرستی" کی ایک صورت تھی اور یہی اب بھی دوسرے ناموں سے جنوب میں مروج ہے۔ مثلاً قدیم زمانے میں جنوبی ہند کی سب سے زبردست دیونی کُتَّوئی یعنے "فاتح" تھی۔ اور اب اس نے ہندوؤں کے بتوں میں شیو کی بیوی اُما یا درگا کے نام سے جگہ حاصل کرلی ہے[2]۔

خوں خوار جنگیں تین زبردست سلطنتوں کے علاوہ جن کا ذکر عنقریب آئے گا۔ ایک سو بیس کے قریب ایسے سردار موجود تھے جو ملک میں کم و بیش خودمختاری کا دعویٰ رکھتے تھے۔ اور ہر وقت ایک دوسرے سے خونریز جنگ و جدال میں مشغول رہتے تھے۔ ان جنگوں کا ظلم و تشدد اس وجہ سے اور بھی زیادہ بڑھ جاتا تھا کہ طرفین اصلی باشندوں کو

---

[1] "دی تاملز ایٹین ہنڈرڈ ایرس ایگو" صفحہ ۳ و ۱۰ و ۳۹۔

[2] پوپ "اکسٹرکٹس فرام دی تامل پُرَپورل ونبا مالیا اینڈ دی پُرَّنا نورُّ" (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۹۹ء صفحہ ۲۴۲)۔ پوپ کا خیال جنوبی ہند کی نظموں کی قدامت کے متعلق اتنا دور تک نہ پہنچتا تھا۔ جتنا کہ جنوبی ہند کے علمار کا۔ لیکن بہرحال بعد کی تحقیقات سے قدیم تامل نظموں کا بہت ہی قدیم ہونا مسلم الثبوت ہو گیا ہے۔

فوج میں بھرتی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان ہی لوگوں کی اولاد مرور۔ کُلّر وغیرہ کے نام سے اب بھی موجود اور ملک میں فتنہ وفساد برپا کرنے کے لئے مشہور ہیں۔ ڈاکٹر پوپ کہتا ہے کہ "ان ہی برباد کن جنگوں کے نشان آج کل بھی ان ویران قلعوں کی صورت میں نظر آتے ہیں جن کے کھنڈر اب بھی کہیں کہیں دکھائی دے جاتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے معتبر زمانۂ تاریخی کے شروع ہونے کے وقت آبادی نسبتہً قلیل اور منتشر تھی"

مذہب

اصلی باشندوں کا مذہب "دیو پرستی" جب شمالی ہند کے تین مذاہب یعنے برہمنی۔ جین اور بدھ مت کی زد میں آیا۔ تو وہ ان کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اور اس کو مجبوراً ان زیادہ مہذب

جین مذہب

مذاہب کے پس پردہ ہٹ جانا پڑا۔ جین مذہب کی روایات کے مطابق اس مذہب کو شمالی ہند کے اُن نقل مکان کرنے والوں نے جنوب میں پھیلایا جو چندر اگپتا موریا کے زمانے کے بارہ سال کے قحط سے تنگ آکر اپنا وطن ترک کر کے جنوب میں چلے آئے تھے۔ بعض اسناد کے بیان کے مطابق یہ ۳۰۹ ق م کا واقعہ ہے۔ یہ اجنبی میسور کے علاقے میں سرون بلگول کے مقام پر آباد ہو گئے۔ اور یہیں پران کے مذہبی مقتدا بھدر باہو نے جین کے پسندیدہ قاعدے کے مطابق اپنے آپ کو بھوک سے ہلاک کیا۔ سرون بلگون کے جین آبادی کے موجودہ مذہبی پیشوا کو بھدرا باہو کے جانشین ہونے کا دعویٰ ہے۔ اور جنوبی ہند کے تمام جین اس کو اپنا مذہبی پیشوا سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ ہم اس سے قبل بیان کر چکے ہیں یہ حکایت چندر اگپتا موریا کی زندگی کے آخری دنوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اور اس کو بعض نقاد تسلیم کر لیتے ہیں۔ اور بعض رد کر دیتے ہیں۔ بہر حال چندر اگپتا موریا کی خودکشی کے متعلق خواہ کچھ ہی خیال کیوں نہ ہو۔ مگر جینوں کے اس نقل مکان کی روایات کو رد کرنے کے لئے کوئی کافی وجہ دستیاب نہیں ہوتی۔ یہی وہ نقل مکان ہے جس کے ذریعے سے جنوب میں

مہابیر کا مذہب بدھ مت کے مبلغوں یا واعظوں کے ظہور سے نصف صدی قبل مروج ہوگیا۔ راجہ اشوک کے پوتے سمپرتی کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے سمہستن کے زیر اثر آکر اپنا مذہب تبدیل کیا۔ اور جنوب میں ایک جماعت جین مذہب کی اشاعت کے لئے روانہ کی۔ اور وہاں یہ مذہب اس قدر مقبول ہوا کہ مسٹر رائس یہ کہنے میں بالکل حق پر ہیں کہ سنہ۱۰۰۰ء کے اندر میسور کے علاقہ میں یہی مذہب سب سے زیادہ مروج تھا۔ اور اس کے علاوہ اور علاقوں میں بھی یہ کم و بیش پھیل گیا۔ خاندان پانڈیا کی سلطنت میں جین مت کو ساتویں صدی عیسوی ہی میں زوال آگیا تھا۔ مگر وہ میسور اور دکن میں صدیوں بعد تک برابر زور و شور کے ساتھ جاری رہا۱؎

بودھ مت اس میں کسی قسم کا شبہ نہیں کہ اس علاقہ میں بودھ مت کو روشناس کرانے کا کام مہاراجہ اشوک کے بھائی مہندر اور ان دوسرے مبلغین نے کیا جن کو اشوک نے اس طرف تیسری صدی قبل مسیح میں روانہ کیا تھا۔ اور اگرچہ آیندہ چند صدیوں میں اس نے مقبولیت عامہ حاصل کرلی تھی مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذہب کبھی بھی جنوب میں حکمراں مذہب کی حیثیت حاصل نہ کرسکا ساتویں صدی عیسوی میں اس کا زوال و انحطاط شروع ہوگیا تھا۔ اور جین مت اور ہندومت بتدریج اس کی جگہ لے رہے تھے۔ اس صدی کے بعد موخرالذکر دونوں مذہبوں کی آپس میں کشمکش جاری تھی۔ اور بعض دفعہ یہ رقابت نہایت وحشیانہ صورت اختیار کرلیتی تھی۔ جنوبی ہند میں شروع شروع کے

۱؎ جین مت کی تاریخی روایات اور اختلاف کے لئے دیکھو جیکوبی ایس۔بی۔ای۔ جلد ۲۲۔ اور اس کے علاوہ بے شمار مضامین جو انڈین انٹی کویری جلد ۲ و ۹ و ۱۱ و ۱۳ و ۱۷ و ۲۰ و ۲۱ میں ہارنل اور دوسرے علماء کے لکھے ہوئے ملیں گے۔ دیکھو رائس کی کتاب دی میسور اینڈ کرگ فرام دی انسکرپشنز۔

زمانے میں بودھ مت نے ذات سے گلو خلاصی حاصل کرلی تھی۔ مگر برہمنی مذہب کے خیالات اور عقائد کا اثر ایسا گہرا تھا کہ آخرکار بودھ مت کو نیچا دیکھنا پڑا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا شمالی ہند سے کہیں زیادہ جنوب میں ذات کے متعلق تمام قواعد و ضوابط پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ اس مقام پر ہم اس موضوع پر اور زیادہ تفصیل سے بحث نہیں کر سکتے۔ مگر بہر حال بلاخوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ تامل اور کنٹری زبانوں کے ممالک میں اس مذہبی کشمکش اور رقابت کے متعلق ایک نہایت دلچسپ کتاب کی ضرورت اب بھی باقی ہے۔

غلامی نامعلوم تھی

کہا جاتا ہے کہ قدیم تامل قوم میں غلامی بالکل مفقود تھی۔ مگاس تھنیز کا یہ قول کہ "بڑی بات یہ تھی کہ تمام ہندی آزاد تھے۔ اور ہندوستان میں غلام بالکل نہ پائے جاتے تھے" غالباً صرف جنوبی علاقہ کی خبر ہی پر مبنی تھا۔ اور اس کو جلدی کر کے تمام ہندوستان پر عائد کر دیا گیا[1] تھا۔ اسی نے تمام آبادی کو

پانچ زبردست مجلسیں

سات جماعتوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور وہ جماعتیں یہ ہیں:۔ (۱) فلسفی (۲) کاشتکار۔ (۳) گوالے۔ اور چرواہے (۴) صناع اور تجار (۵) فوج کے لوگ (۶) ناظرین۔ اور (۷) مشیر سلطنت۔ ان کا ہم مقابلہ ان "زبردست پانچ مجلسوں" سے کر سکتے ہیں جو شاہان قوم تامل کے اختیارات کو محدود کرتی تھیں۔ اور جن میں عوام الناس مذہبی پیشوا۔ منجم۔ اطبا۔ اور وزرا شامل[2] تھے۔

صلح و جنگ

قدیم تامل علم ادب میں جن ہولناک اور مہیب جنگوں کی کثرت اور وحشت کے تذکرے پائے جاتے ہیں ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قدیم تامل سلطنتوں میں امن کے تمام فنون اور

---

[1] یہ بیان مالابار یا کریل کے متعلق صحیح نہیں ہے (ڈبوآ کی ہندو مینرس کسٹمز اینڈ سیریمنیز۔ طبع سوم صفحہ ۵۶)۔

[2] دی تاملز ایٹیٹین ہنڈرڈ ایرس اگو صفحہ ۱۰۸ و ۱۱۴۔

معاشرتی زندگی کی تمام خوبیاں بالکل عنقا ہوں گی۔ مگر یہ خیال غلط ہے کیونکہ اس میں کسی قسم کا شک نہیں کہ نظم اور دوسرے مہذب فنون نہایت اعلیٰ درجے پر پہنچ گئے تھے۔ اور کم از کم شہر کے باشندوں کے لئے وہ تمام آرام و آسائش کے سامان مہیا تھے جن کو مال و دولت سے خریدا جا سکتا ہے! چنانچہ اس مقام پر بھی مگاس تھنیز کے ایک بیان سے ہم کو اس ظاہری تضاد کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ باوجود متواتر جنگ و جدل کے تجارت اور زراعت پیشہ لوگوں کی نہایت خوشحال اور دولتمند جماعت وہاں موجود تھی۔ یونانی سفیر کہتا ہے:-

"دوسری جماعت میں زراعت پیشہ لوگ شامل ہیں۔ تمام آبادی کا بڑا جزو یہی لوگ ہیں۔ اور طبیعت کے لحاظ سے یہ نہایت نرم مزاج اور بزدل واقع ہوئے ہیں۔ ان کو فوج میں داخل ہونے کے لئے مجبور نہیں کیا جاتا۔ مگر یہ لوگ بلاخوف و خطر اپنی زمینوں کی کاشت میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ لوگ فسادات اور وہاں کے معاملات میں حصہ لینے کے لئے کبھی شہر میں نہیں جاتے۔ چنانچہ اسی وجہ سے اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ملک کے ایک حصہ میں ایک ہی وقت جنگ کی صف بندی ہوتی ہے اور لوگ ایک دوسرے کا گلا کاٹتے ہیں۔ مگر دوسری طرف کاشت کار بالکل امن و اماں سے اپنے ہل چلانے اور زمین کھودنے میں مشغول رہتے ہیں۔ اور ان کے سپاہی ان کی حفاظت کرتے ہیں"

ممکن ہے کہ اس دل آویز تصویر میں تھوڑا بہت مبالغہ استعمال کیا گیا ہو۔ مگر بہر حال ہندوستان کے جس حصے سے مگاس تھنیز بخوبی واقف تھا۔ اس کے متعلق تو یہ ضرور درست ہوگا۔ کیونکہ یہاں جنگ میں صرف

وہ لوگ شریک ہوتے تھے جنھوں نے جنگ کو اپنا پیشہ قرار دے لیا ہو۔ اور یہ لوگ مرنج و مرنجان کاشت کاروں سے سروکار نہ رکھتے تھے۔ بالعموم قلعبند شہر بھی دروازوں اور فصیلوں سے گھرے ہوئے ہوتے تھے۔ اور شاذونادر ہی ایسا واقع ہوتا تھا کہ فاتح ان میں داخل ہو کر ان کو تہ و بالا کر دے۔ متذکرۂ بالا امور کی وجہ سے تامل قوم کے لیئے یہ ممکن تھا کہ زمانۂ وسطیٰ کی فلارنس اور پیسا کے لوگوں کی طرح جنگ و جدال سے بھی سیر ہو لیں اور ساتھ ہی ساتھ تجارت اور زراعت کے سود مند پیشوں کو بھی جاری رکھیں۔

موتی مرچیں۔ پنا

تامل قوم کی سرزمین میں خوش قسمتی سے ایسی تین چیزیں یعنے مرچیں۔ موتی اور پنا پائی جاتی تھیں۔ جو کسی اور جگہ دستیاب نہ ہوتی تھیں۔ یورپ کے بازاروں میں مرچیں سونے کے مول بکتی تھیں۔ اور ان کی قدر و قیمت اس قدر زیادہ تھی کہ جب سنہ ۴۰۹ء میں الرک قوم گاتھ کے بادشاہ نے روما پر تاوان جنگ عائد کیا تو اس تاوان میں (۳۰۰۰) پاونڈ مرچیں بھی شامل تھیں[۱]۔ جنوبی سمندر سے موتیوں کے نکالنے کا کام جو اب بھی سود مند ثابت ہو رہا ہے مدت مدید سے برابر جاری ہے۔ اور اس کی وجہ سے بیرونی ممالک کے تاجر جوق جوق یہاں آتے جاتے رہتے ہیں۔ پنا جس کے متعلق پلنی نے صحیح کہا تھا کہ وہ زمرد سے ملتا جلتا ایک پتھر ہے۔ ہندیوں اور رومیوں کے ہاں نہایت قابل قدر سمجھا جاتا تھا۔ اور بسا اوقات صناعوں کی صنائی اس پر ختم کر دی جاتی تھی۔ کیونکہ ہندوستان کے سوا اور سب جگہ یہ نایاب تھا اس لئے ہندیوں نے اس کی نقلیں بھی اُتار کر فروخت کرنی شروع کر دی تھیں۔ پنے کی تین ہندوستانی کانوں کا حال معلوم ہوا ہے ان میں سے ایک تو (۱) پُنّات کے مقام پر تھی جو میسور کے جنوب مغرب میں کِتُور کے قریب دریائے کاویری کے معاون کبنی ندی پر واقع تھا۔ (۲) پدیور پاپٹیالی۔ جو شہر کوئمبٹور کے مشرق جنوب مشرق پید

---

[۱] گبن۔ باب ۳۱ ۔

چالیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اور جہاں سے ۱۸۲۰ء تک برابر پنّاٹ کالا گیا ہے۔ اور (۳) وانم باڑی جو ضلع سیلم کے شمال مشرق میں گولر کی سونے کی کانوں کے قریب واقع ہے۔ جن علاقوں میں ان کانوں کا نشان پتا ملتا ہے وہاں رومی سکوں کی کثرت اور بہتات سے قدیم زمانے میں جنوبی ہند کے جواہرات کی مانگ اور تجارت کی وسعت کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس واقعے سے کہ اضلاع سیلم اور کوئمبٹور میں جو کرنڈم کا قیمتی پتھر پایا جاتا ہے اور جس کا نام بھی تامل زبان ہی میں ہے۔ یہ ثابت ہوتا ہے کہ قدیم یورپ ہندوستان کے جواہرات کی کانوں کی پیداوار سے بخوبی واقف تھا[1]۔

بحری تجارت اور بیرونی نوآبادیاں

تامل سلطنتوں کے پاس جہازوں کے زبردست بیڑے تھے۔ اور ان کے ساحلوں پر مشرق اور مغرب سے برابر بلا روک ٹوک جہاز آتے جاتے رہتے تھے۔

---

[1] پنّے کی تجارت کے متعلق حوالے حسب ذیل ہیں:۔ ٹولمی۔ جغرافیہ باب ۷ فصل ۱۔ صفحہ ۸۶۔ مترجمہ انڈین انٹی کویری جلد ۱۳ صفحہ ۳۶۷۔ پلینی ہسٹری نیچرل باب ۳۷ فصل ۵۔ وبہاؤس "اکیو میرنیا جمنز۔ اینشنٹ اینڈ ماڈرن" (انڈین انٹی کویری جلد ۵ صفحہ ۲۳۷۔ اسی میں پدیور کی کان کا مفصل حال بھی ملے گا)۔ وانم باڑی کی کان کا بیان مسٹر آر۔ سیول کی سند پر کیا گیا ہے (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۴ء صفحہ ۵۹۵) ٹولمی نے پنّاٹ کو بالکل صحیح طور پر پونات لکھا ہے۔ یہ ایک مختصر سی قدیم ریاست تھی جس کا ذکر پانچویں یا چھٹی صدی کے ایک کتبے میں بھی آتا ہے۔ اور ۹۳۱ء کی کتاب برہتکتھا کوس مصنفہ ہریشین میں بھی اس کا نام پایا جاتا ہے۔ گتور دریائے کبنی کے کنارے کا ایک گاؤں ہے۔ اور میسور کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ (دیکھو رائس "میسور اینڈ کرگ فرام انسکرپشنز" (۱۹۰۹ء) صفحہ ۴ و ۱۰۔ اور انڈین انٹی کویری جلد ۱۲ صفحہ ۱۳۔ و جلد ۱۸ صفحہ ۳۶۶) فیروزے کی کانوں کے متعلق تفصیلات کے لئے دیکھو بلفور کی انسائکلوپیڈیا۔

اور ان میں بیرونی تاجر مرچیں - موتی - سپئے اور ہندوستان کی دوسری اشیا کی خرید کے لیئے آتے اور ان کی قیمت یورپی سکوں یا دوسری پیداوار کی صورت میں ادا کیا کرتے تھے - چنانچہ اس زمانے میں رومتہ الکبریٰ کا سکہ "اوری" جنوبی ہند اسی طرح ہر جگہ چلتا تھا جس طرح کہ آج کل انگریزی ساورن تمام براعظم یورپ میں رائج ہے - اور اس کے علاوہ رومتہ الکبریٰ کا کانسی کا چھوٹا سکہ جو کچھ تو یورپ سے آتا تھا اور کچھ مدرا کے شہر میں مضروب ہوتا تھا - بازاروں میں خرید و فروخت کے لئے مستعمل تھا[۵۱] - اس امر کے باور کرنے کی بھی وجوہ موجود ہیں رومی رعایا کی ایک بڑی تعداد جو تجارت پیشہ تھی جنوب ہند میں پہلی دو صدی عیسوی کے دوران میں مستقلاً آباد ہوگئی تھی - یوربین سپاہی جن کو "زبردست یون - اور گونگے ملیچھ" کہا گیا ہے تامل بادشاہوں کی محافظ دستہ فوج میں داخل تھے - اور "یونوں کے خوبصورت زبردست جہاز کرنیگنور کے قریب مرچ وغیرہ لادنے کے لئے پڑے رہتے تھے اور ان کی قیمت رومی سکوں کی صورت میں ادا کی جاتی تھی - علاوہ ازیں یہ بھی بیان کیا گیا ہے اور صحیح ہے کہ مزرس (کرنیگنور) کے مقام پر آگسٹس کے نام کا ایک مندر بھی موجود تھا - ایک اور بیرونی (یون) نو آبادی کاویریپٹنم یا پہار کے مقام پر قائم تھی - یہ شہر اس زمانے میں ایک بارونق بندرگاہ تھا - اور مشرقی ساحل پر دریائے کاویری کی شمالی شاخ کے دہانے پر آباد تھا - مگر مدت ہوئی کہ یہ شہر اور بندرگاہ صفحۂ ہستی سے مٹ گئے ہیں - اور اب ریت کے وسیع تودے کے نیچے دبے پڑے ہیں[۵۲] - نظموں سے یونوں کی

---

[۵۱] سیول "رومن کائنز فاؤنڈ ان انڈیا" (جے - آر - اے - ایس سنہ ۱۹۰۴ء صفحہ ۵۹۱ - ۶۳۷ - اور بالخصوص صفحہ ۶۱۳ - ۶۰۹) ؛

[۵۲] مسٹر ایس کے - آئینگر کے خیال کے مطابق یہ تباہی تیسری صدی عیسوی میں واقع ہوئی ؛

شراب۔ چراغوں۔ اور گلدانوں کی درآمد کا بھی پتا ملتا ہے۔ اور ان کے اس بیان کی تصدیق نیلگری کے ناتراشیدہ پتھروں کی قبروں کے ان برتنوں سے بھی ہوتی ہے جو کانسی کے بنے ہوئے ہیں اور بعینہ اسی نمونے کے ہیں۔ جیساکہ شروع سنہ عیسوی میں یورپ میں بنتے تھے۔ اس کے علاوہ "پیری پلس" کے بیانوں سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔[1]

[1] "دی تاملز ائیٹین ہنڈرڈ ایرس ایگو"۔ صفحات ۱۶ و ۲۵ و ۳۱ و ۳۶ و ۳۸ پہار کو پکار اور پکار بھی لکھا جاتا ہے۔ "پیوٹن گیرین ٹیبلز" سے جو تقریباً ۲۶۲ء کے قدیم نقشوں کا ایک مجموعہ ہے (مصححہ شیب ۱۷۵۳ء۔ مینرٹ۔ لائپزگ ۱۸۲۴ء۔ چارس ریولنز برسلز ۱۸۶۴ء۔ واکرآن دی ٹیبولا پیوٹن گیرینا۔ کمبرج ۱۸۳۳ء۔ منقولۂ کمبرج انٹی کویرین سوسائٹی کمیونی کیشنز۔ جلد ۵ صفحہ ۲۲۳)۔ اس بات کی سند ملتی ہے کہ آگسٹس کے نام کا ایک مندر مزرس کے مقام پر موجود تھا۔ چونکہ نقشہ پر ایک عمارت کا خاکہ ہے اور اس پر "آگسٹس کا مندر" لکھا ہوا ہے۔ اور یہ خاکہ مزرس کے پاس ہی واقع ہے۔ مزرس کا کرینگنور ہونا ثبوت مسلم ہوچکا ہے۔ کاوِرِ پدنم = پہار = کا کنتھی (بربوت کے کتبے میں اس کو کاکندی لکھا ہے۔ نمبر (۱۰۱) انڈین انٹی کویری جلد ۱۲ صفحہ ۲۲۵)۔ = کمرا ("پیریپلس" باب ۶۰۔ انڈین انٹی کویری جلد ۸ صفحہ ۱۴۹) = کھبیرس (ٹولمی باب ۷ فصل ۱ صفحہ ۱۳۔ انڈین انٹی کویری جلد ۷ صفحہ ۴۰۔ جلد ۸ صفحہ ۳۳۲)۔ کانسی کے برتنوں کے لئے دیکھو وہ مجموعہ جو برٹش میوزیم میں موجود ہے اور اس پر نام کے پرچے لگے ہوئے ہیں۔ انڈین انٹی کویری ۱۹۰۵ء صفحہ ۲۲۹۔ بریکس "این اکاؤنٹ آف دی پریہسٹوراٹکس اینڈ مانومنٹس آف دی نیلگریز۔ لنڈن ۱۸۷۳ء۔ فٹ کی کتاب کٹلاگ پری ہسٹارک انٹی کوئیٹیز مدراس میوزیم ۱۹۰۱ء لوح ۱۰ اور ۱۳۔ پیریپلس (باب ۵۶) میں لکھا ہے کہ "ان بندرگاہوں میں آنے والے جہازات بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ کیونکہ مرچوں اور لونگوں کے پتوں کا حجم اور مقدار زیادہ ہوتی ہے" اس کے بعد درآمد و برآمد کی تمام چیزوں کی مکمل فہرست

قدیم علم ادب اور فنون لطیفہ

جہاں تک میں اس معاملے میں رائے دے سکتا ہوں میرا اندازہ ہے کہ تامل زبان کی نظموں کی قدامت کے متعلق علماء و ماہرین فن کا خیال بالکل درست ہے۔ اور بہ ہیئت مجموعی یہ کہا جا سکتا ہے کہ تامل زبان کے علم ادب کا بہترین زمانہ پہلی تین صدی عیسوی میں گذر چکا ہے۔ ایک عالم کی رائے کے مطابق یہ زمانہ پہلی صدی عیسوی ہی کا تھا۔ مگر بہر حال اور ذرا بعد کا زمانہ زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے[1]۔ نظم کے علاوہ اور فنون مثلاً موسیقی۔ ڈراما۔ مصوری۔ اور سنگتراشی میں بھی کافی ترقی ہوئی تھی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ بت اور تصاویر سب کی سب ایسی چیزوں پر بنائی گئی تھیں جو اب فنا ہو چکی ہیں۔ اور ان کا نام و نشان تک مٹ چکا ہے۔ ڈرامے کی نسبت کہا جاتا ہے کہ یہ دو قسم کا ہوتا تھا۔ اول تامل یا خاص ملکی رنگ کا جس کی مختلف قسمیں تھیں اور اس میں حسن و عشق کے افسانے جگہ پا سکتے تھے۔ اور دوسرے آرین یا شمالی جو اس سے زیادہ محدود ہوتے تھے۔ اور ان میں صرف گیارہ مقررہ مضامین پر طبع آزمائی کی جا سکتی تھی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:— درج ہے کہ ۲۱۵ء میں جب کر کلا نے اسکندریہ میں قتل عام کرایا تو اس وقت سے اس بندرگاہ کی ہندوستان کے ساتھ براہ راست تجارت بہت کم ہو گئی تھی (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۷ء صفحہ ۹۵۴)۔

[1] گوور کا خیال تھا کہ "کورل" کا مشہور و معروف مصنف ترولوا "غالباً تیسری صدی عیسوی کے قریب گذرا ہے" (دی فوک سانگس آف سدرن انڈیا ۱۸۷۲ء صفحہ ۲۱۷)۔ مسٹر گوور جس طرح ہندوؤں کے دل و دماغ کی تہ تک پہنچا تھا اس طرح اور کوئی یوروپین مصنف اب تک نہیں پہنچ سکا۔ اور کوئی جنوبی ہند کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا شائق ہو تو اس کو چاہیئے کہ اگر ممکن ہو تو اس کتاب کو ضرور پڑھ لے۔ مگر یہ کتاب اب بہت نادر الوجود ہو گئی ہے۔

"تین سلطنتیں" متذکرۂ بالا بیان سے جنوبی ہند کی تینوں سلطنتوں کے تمدن و تہذیب کا اندازہ جیساکہ وہ شروع سنہ عیسوی میں تھا بخوبی ہو سکتا ہے۔ یہی وہ وقت ہے جب کہ یہ سلطنتیں پہلی مرتبہ تاریکی سے ذرا نمایاں ہونے لگتی ہیں۔ اور ان کا تذکرہ قدیم دیسی علم ادب اور یونانی اور رومی مصنفین کی مختصر تحریروں میں ملتا ہے۔ اور ان دونوں چیزوں کے علاوہ آثار قدیمہ اور سکوں سے بھی بعض شہادتیں دستیاب ہوتی ہیں۔ مگر اشوک کے فرامین بھٹی پرلو کے صندوقچے کے کتبے اور ان کے علاوہ چند اور کتبوں کے سوا اس قسم کی شہادت کچھ بہت زیادہ قدیم نہیں ہے۔ عام روایات کے مطابق تامل سرزمین میں تین اور صرف تین زبردست سلطنتیں بیان کی جاتی ہیں۔ یعنے پانڈیا۔ چول چیر یا کریل۔ ایک شاعر کہتا ہے :-

خوشگوار سرزمین تامل کی حدود اربعہ وسیع و فراخ
سمندر اور ایسا بلند آسمان ہے جس تک
طوفان کا اثر نہیں پہنچتا۔ اور اس سرزمین پر
وہ بطور تاج کے قائم ہے۔ ان کی زمینیں وسیع
اور زرخیز ہیں۔ اور اس سرزمین پر تین بادشاہ
حکمران ہیں[1]

اشوک نے چیر سلطنت کو کریل پتر یعنے "ابن کویل" لکھا ہے۔ اور اسی نام کی بگڑی ہوئی صورت پلنی کی کتاب اور "پیری پلس" میں بھی موجود ہے۔ موخرالذکر کتاب نے ستیہ پتر کا نام بھی لکھا ہے۔ مگر یہ نام اور کہیں نہیں پایا جاتا۔ اگرچہ یہ ثابت نہیں ہوا۔ مگر اغلب یہ ہے کہ یہ دوسرا نام در اصل مغربی ساحل پر کریل یا مالا بار کے شمال میں تلو سلطنت کا نام ہے۔ تلو سرزمین کا صدر مقام منگلور ہے۔ اس علاقہ میں تلو زبان

[1] پرننورو۔ نمبر ۳۵۔ تامل انٹی کویری جلد ۱ نمبر ۶ صفحہ ۵۰

بولی جاتی ہے۔ جو کنڑی سے بہت زیادہ قریب ہے ؟

سلطنت پانڈیا کا محل وقوع

اگر ملکی روایات کو صحیح مان لیا جائے تو سلطنت پانڈیا شمال اور جنوب میں جنوبی دریائے وِلار (پدکوتی) سے لے کر راس کماری تک اور مشرق و مغرب میں ساحل کارومنڈل سے لے کر درۂ اچھنکوول تک جس میں سے ہوکر جنوبی کرنل تاٹراونکور میں داخل ہوتے تھے۔ پھیلی ہوئی تھی۔ اور اس طرح اس میں مدرا اور تناولی کے موجودہ اضلاع شامل تھے۔ بعض اوقات ٹراونکور کے جنوبی حصے بھی اس میں شامل ہو جاتے تھے ؟

سلطنت چول کا محل وقوع

سب سے زیادہ معتبر روایات کے مطابق سلطنت چول (چول منڈلم) کے شمال میں دریائے پنار۔ اور جنوب میں جنوبی دریائے وِلار واقع تھا۔ یا بالفاظ دیگر یہ مشرقی یا ساحل کارومنڈل کے ساتھ نلور سے پدکوتی تک چلی جاتی تھی۔ اور یہاں سلطنت پانڈیا سے اس کا ڈانڈا مل جاتا تھا۔ مغرب میں یہ کرگ کی سرحد تک چلی گئی تھی۔ ان حدود کے اندر مشرق میں مدراس اور چند اور برطانوی اضلاع اور ریاست میسور کا ایک بڑا حصہ آگیا تھا۔ مگر قدیم علم ادب کی رو سے تامل قوم کی سرزمین کے حدود شمال میں بلیکٹ اور کوہ وینکٹ یا ترپتی سے جو مدراس کے شمال مغرب میں (۱۰۰) کے فاصلے پر واقع تھا آگے نہیں بڑھیں۔ اس کے برعکس ساتویں صدی عیسوی میں جب سلطنت چول سے ہیون سانگ واقف تھا وہ قریب قریب ضلع کڈپہ کے برابر تھی۔ اور جنوب کی طرف نہیں پھیلی ہوئی تھی۔ چول منڈلم یا ساحل کارومنڈل جس کو چینی درویش نے دراوڑ لکھا ہے اس زمانے میں شاہان پلّو کے ہاتھ میں تھا جن کا دارالسلطنت کانچی یا کانجی ورم مدراس سے (۴۵) میل مغرب جنوب مغرب کی سمت واقع تھا ؟

چیر یا کریل سلطنت کا محل وقوع

علماء کو اب اس امر میں پورا پورا اتفاق ہے کہ چیر اور کریل ایک ہی لفظ کی مختلف شکلیں ہیں[1]۔ کریل کا نام اب بھی خاصا زبان زد خلائق ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ سلطنت جنوبی کانکن یا ساحل مالا بار جس میں موجودہ ضلع مالا بار مع ٹراونکور اور کوچن کے شامل تھا میں قائم تھی۔ ٹراونکور کا جنوبی حصہ جس کا نام اُس زمانے میں وین یا وینا ڈ تھا پہلی صدی عیسوی میں پانڈیا سلطنت کا جزو تھا۔ بعد کے زمانے میں چیر سلطنت میں سرزمین کونگو یعنے موجودہ ضلع کوئمبٹور اور سیلم کا جنوبی حصہ بھی شامل تھا۔ مگر اس میں شک ہے کہ آیا قدیم زمانے میں بھی یہی حال تھا یا نہیں۔ بالعموم کریل کے لفظ کا اطلاق مغربی گھاٹ کی ناہموار سرزمین پر کیا جاتا ہے جو چندرگری دریا کے جنوب میں واقع ہے۔ مگر بہر حال تینوں سلطنتوں کے حدود میں وقتاً فوقتاً اختلاف واقع ہوتا رہتا تھا۔

پلّو خاندان

تقریباً چوتھی صدی سے آٹھویں صدی تک خاندان پلّو نے جنوبی ہند میں خوب عروج حاصل کیا۔ مگر خاندان پلّو کی کوئی خاص سرزمین نہ تھی جس سے وہ وابستہ ہوں۔ جب تک کہ یہ خاندان برسر حکومت رہا اس کی سلطنت بعض دفعہ چند اختلافات کے ساتھ تینوں سلطنتوں پر حاوی تھی۔ مگر اس کی حدود کا انحصار پلّو بادشاہوں کی قوت اور ہمسایہ سلطنتوں کی کمزوری پر ہوا کرتا تھا۔ اس واقعہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پلّو بعد کے زمانے کے

---

[1] کریل کنڑی زبان میں تامل لفظ چیرل کی صورت ہے۔ قدیم زمانے میں یہ ملک چیرلم یا چیرل ناڈ اور اس کے بادشاہ چیرل آندن یا چیرل اِرُم پورئی کہلاتے تھے۔ چیرل کے لفظی معنے سلسلۂ کوہستان ہے اور اس طرح یہ لفظ مالابار کا مترادف ہے (پنڈت ڈی سیویار رائن۔ تامیلین انٹی کویری نمبر اصفحہ ۷۱-۶۹)۔

مرہٹوں کی طرح ایک لٹیری قوم۔ قبیلہ یا ذات تھی جس نے بزور شمشیر قوت وسلطنت حاصل کی اور صاحب ملک ومال راجاؤں کی گردنوں پر اپنی فرماں برداری اور اطاعت کا جوا رکھ دیا تھا۔ خاندان پلّو کی حکومت کی روایات اس قدر دھندلی ہیں کہ ۱۸۴۰ء سے قبل یورپی علماء کو ان کے وجود کا بھی علم نہ تھا۔ مگر اس سال تانبے کی لوح کے ایک کتبے نے سب سے پہلے ان کو دنیا میں روشناس کرایا۔ اس کے بعد اور بھی بہت سی دریافتیں ہو چکی ہیں۔ اور خاندان پلّو کی تاریخ کے لئے بہت کچھ مواد بہم پہنچ گیا ہے۔ مگر پھر بھی اس خاندان کی ابتدا اور تعلقات اب تک تاریکی ہی میں ہیں؎

جنوبی ہند کی تاریخ کی عام صورت

اس باب کے آئندہ حصوں میں تینوں تامل سلطنتوں کے سیاسی حالات جہاں تک کہ وہ اب تک معلوم ہو سکے ہیں بیان کئے جائیں گے۔ اور اس کے علاوہ پلّو خاندان کا بھی تذکرہ ہوگا۔ ان حکومتوں کے موقعے اور صورت احوال پہلے تذکرۃً بیان کر دی گئی ہے۔ مگر بہرحال ان جنوبی سلطنتوں کے ایسے مختصر حالات بیان کرنے کا زمانہ ابھی تک نہیں آیا۔ جو تسلی کے قابل ہوں اور اس وقت جو خاکہ کہ پیش کیا جا رہا ہے نامکمل اور عارضی ہے۔ مگر اس کتاب کی طبع اول و دوم کے اس بیان سے اگر اس کا مقابلہ کیا جائے۔ تو یہ کہیں زیادہ مکمل نظر آئے گا۔ لیکن جب تک وہ ماہرین فن جو اس خطہ کی زبانوں اور روایتوں کے عالم ہیں ہر ایک خاندان کی الگ الگ تاریخوں کی تفصیل پر بحث نہ کریں گے اس وقت تک جنوبی ہند کی ایسی تاریخ لکھی جانی ناممکن ہے جس کو ہندوستان کی عام تاریخ میں جگہ دی جا سکے۔ خواہ ہماری کوشش کیسی نامکمل ہی کیوں نہ رہ جائے۔ مگر پھر بھی کوشش کرنا ضروری ہے۔ میرے خیال میں کوئی کتاب دنیا میں اب تک ایسی نہیں

؎ ایلیٹ: "کائنز آف سدرن انڈیا" صفحہ ۳۹؎

لکھی گئی جو مسلمانوں کی فتح سے پہلے کے جنوبی ہند کا حال جو اب تک جمع ہوچکا ہے۔ عام ناظرین اور شائقین کے لئے یکجا جمع کردے۔ اس لئے مجھ کو اطمینان ہے کہ میری یہ کوشش خواہ وہ کیسی ہی نامکمل کیوں نہ ہو۔ رائیگاں نہ جائے گی۔ اور ماہرین فن جو موضوع کی مشکلات سے پوری طرح واقف ہیں میری فروگذاشتوں کی پردہ پوشی کریں گے۔

مشکلات

وہ مشکلات جو اس تاریخ کے لکھنے والے کو پیش آتی ہیں نہایت سخت ہیں۔ نویں صدی عیسوی سے قبل کی جنوبی ہند کی تاریخ کے ماخذ شمالی ہند کے ماخذ سے کہیں کم ہیں۔ اٹھارہ پرانوں میں جنوب کا ذکر کہیں خال خال ملتا ہے۔ قدیم کتبات نادرالوجود ہیں۔ سکّوں سے بہت کم مدد ملتی ہے۔ آثار قدیمہ کی تحقیقات کے نتائج مکمل طور پر ابھی تک شائع نہیں ہوئے۔ اور قدیم علم ادب کی چھان بنان ابھی تک پوری نہیں ہوئی۔ اس کے برعکس نویں صدی کے بعد کتبات کی اس قدر بہتات ہے کہ ان کا سلجھانا ناممکن ہے۔ جنوبی ہند کے بادشاہوں اور رعایا نے آنے والی نسلوں کے لئے ہزارہا کتبے چھوڑے ہیں۔ جن میں سے بعض نہایت طویل ہیں چنانچہ مسٹر رائس کی "ایپی گریفیا کرناٹکا" کی آٹھ جلدوں میں جو دکن اور تامل سلطنتوں کے متعلق ہیں (۸۰۰۰) کتبے یکجا جمع ہیں۔ مدراس کے محکمۂ آثار قدیمہ نے ایک سال کے دوران میں (۸۰۰) کتبے نقل کیے ہیں۔ اور ان میں سے غالباً ایک بھی ایسا نہیں جو رائس کی کتاب میں شامل ہو۔ اور اسی طرح ہر سال اس مجموعہ میں بے شمار اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ان میں سے

۱ھ مسٹر ایس کے۔ آئنگر کے مجموعہ مضامین موسومہ "اینشنٹ انڈیا" (لوزک ۱۹۱۱ء) اگرچہ قابل قدر ہیں۔ اور آئندہ صفحات میں ان سے بہت کچھ استفادہ کیا گیا ہے۔ مگر کتاب مطلوبہ ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتے۔

۲ھ جنوب ہند کے پران شمالی پرانوں سے بالکل جدا ہیں۔

بعض کتبات کے طول کا اندازہ اس واقعے سے ہو سکتا ہے کہ ایک کتبہ تانبے کی اکتیس لوحوں پر کندہ ہے۔ اور اس کو حلقے کی شکل میں مضبوط باندھ دیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جنوبی ہند کی قدیم تاریخ کے متعلق کتبوں کی تحقیق میں ہی علماء اور ماہرین فن کے سالہا سال خرچ ہو جائیں گے۔ اور روزانہ علم میں ترقی ہوتی رہے گی۔ ان تمام باتوں کو ناظرین کے گوش گذار کرنے کے بعد میں اب تینوں تامل سلطنتوں کے حالات جیسے کہ اس وقت ممکن ہے بیان کرنا شروع کرتا ہوں۔ اور ساتھ ہی خاندان پَلّو کو بھی روشناس کرائے دیتا ہوں جس نے کہ ایک مدت تک ان سلطنتوں کو اپنے زیر اثر رکھا ؛

حصّۂ ب

سلطنتہائے پانڈیا۔ چیر یا کیرل اور سیسا پتر

"پانچ پانڈیا" بالعموم سلطنت پانڈیا جس میں تقریباً موجودہ اضلاع مدرا۔ اور تناولی مع ترچناپلی کے کچھ حصے اور بعض اوقات ٹراونکور کے بعض حصص شامل رہتے تھے۔ پانچ ریاستوں میں منقسم تھی۔ اوران کے سردار "پانچ پانڈیا" کے نام سے مشہور تھے۔ مگر ان مختلف سرداروں کی حکومت کے حدود اربعہ کا حال بالکل معلوم نہیں ؛

کورکئی مشہور مورخ پلینی کے جیسے قدیم زمانے یعنی پہلی صدی عیسوی ہی میں سلطنت کا مستقر مدرا یا کوڈل تھا۔ یہ بات باور کرنے کے وجود موجود ہیں کہ اس سے بھی قدیم زمانے میں حکومت کا صدر مقام کورکئی تھا۔ علاوہ ازیں اس امر کی بھی تھوڑی بہت شہادت ملتی ہے کہ زمانۂ ماقبل کی تاریخ میں پانڈیا سرداروں کا دار السلطنت ضلع مدرا کے مشرقی ساحل پر ایک

شہر جنوبی منلور تھا[1]۔ تمام ملکی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کورکئی یا کولکئی ہی وہ شہر ہے جہاں جنوبی ہند کا تمدن پھلا پھولا تھا۔ اور ان تین خیالی بھائیوں کا وطن تھا جنھوں نے پانڈیا چیر اور چول سلطنتوں کو قائم کیا۔ یہ شہر جس کا نشان اب ضلع تناولی میں دریائے تامراپرنی کے کنارے پر ایک حقیر گاؤں کی صورت میں باقی رہ گیا ہے۔ اپنی عظمت کے زمانے میں ایک زبردست بندرگاہ اور موتیوں کی تجارت کا مرکز تھا جس کے ذریعے سے خاندان پانڈیا کے خزانے ہمیشہ بھرپور رہتے تھے۔

---

[1] پلینی۔ باب ۶ فصل ۲۳ (۲۶) اس نے ساحل مالابار کے بندرگاہ بکرے کی نسبت جس کو ٹولمی (باب ۷، فصل ۱-۸) نے بکرئی یا برکرے لکھا ہے تحریر کیا ہے کہ وہ کوتیم قیام گاہ ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "وہاں پنڈیاں برسر حکومت تھا۔ اور بندرگاہ سے دور ایک شہر میں جس کا نام مودُرا تھا سکونت پذیر تھا"۔ اس کی تصنیف کے وقت وہاں کے راجہ کا نام لیکوبھترس (کریل پتر) تھا جو ساحل مالابار پر حکومت کرتا تھا۔ کتاب پیریپلس (باب ۵۴ فصل ۵۵) سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مزورس گوکریل پتر کی سلطنت میں شامل تھا۔ اور جنوب میں بکرے سلطنت پانڈیا کا جزو تھا۔ اور اس لیئے اس میں یقیناً موجودہ ریاست ٹراونکور کے جنوبی اضلاع شامل ہوں گے۔ اس علاقے کو دین یا وہناڈ کہا جاتا تھا۔ بکرے اور دوسرے شہروں کے موقع ومحل کے لیئے دیکھو "دی ٹاملز اٹھٹین ہنڈرڈ ایئرس ایگو" صفحہ ۲۰-۱۷۔ پلینی کی کتاب ۷۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ اور یہ اس انتساب سے معلوم ہوتا ہے جو بادشاہ ٹیٹس کی تخت نشینی سے قبل اس کتاب کا کیا گیا۔ پیریپلس ۸۰ء اور ٹولمی ۱۴۰ء میں شائع ہوئیں۔ منلور کے لیئے دیکھو انڈین انٹی کویری ۱۹۱۳ء صفحہ ۶۶ و ۷۲۔ شمالی منلور کے متعلق جس کا موقعہ اب تک معلوم نہیں ہوا۔ فرض کیا جاتا ہے کہ وہ سلطنت چول کا سب سے قدیم مستقر تھا۔

جب شاہی دربار پرانے شہر سے مدرا کو منتقل ہو گیا تو ولیعہد سلطنت محاصل اور تجارتی اغراض کی نگاہداشت کے لیئے وہیں کورکئی کے مقام پر مقیم رہا۔ امتداد زمانہ سے کورکئی میں سمندر اس قابل نہ رہا کہ جہاز وہاں آکر ٹھیر سکیں۔ اسی وجہ سے انگلستان کے سنک بندرگاہوں کی طرح رفتہ رفتہ یہ شہر برباد ہو گیا؛

کایل اس کا تجارتی کاروبار ایک اور نئے بندرگاہ کی طرف منتقل ہو گیا۔ جو دریا کے کنارے تین میل جنوب میں کایل کے مقام پر قائم کیا گیا تھا۔ یہ بندرگاہ صدیوں تک ایشیا کی سب سے بڑی منڈی رہا۔ یہیں تیرھویں صدی عیسوی میں مارکوپولو غالباً متعدد مرتبہ اترا۔ اور عوام الناس اور بادشاہ کی شان و شوکت اور دولت و حشمت سے بہت کچھ متاثر ہوا[1]۔ مگر جن قدرتی قوانین کے عمل سے کورکئی برباد ہو چکا تھا ان کا اثر یہاں بھی ظاہر ہوا۔ اور کایل کو بےکار سمجھ کر چھوڑنا پڑا۔ پرتگیزوں نے مجبور ہو کر تُتی کورن کو اپنی تجارت کا مستقر قرار دیا جہاں ریت کی کمی کی وجہ سے وہ خرابیاں پیدا نہ ہوتی تھیں جو قدیم بندرگاہوں میں تھیں۔ کایل کے موقعے پر اب مسلمان اور دیسی عیسائی مچھیاروں کی چند ٹوٹی پھوٹی جھونپڑیاں باقی رہ گئیں ہیں[2]؛

قدیم بیانات۔ مگاس تھنیز کورکئی کو بطور بندرگاہ کے چھوڑ دینے کی اصل تاریخ کا پتہ لگانا بالکل ناممکن ہے۔ لیکن یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ اس کی دارالضرب میں مضروب ہوئے ہوئے تقریباً ۸۰۰ء تک کے سکے دستیاب ہوتے ہیں۔ کورکئی کے بادشاہوں کا خاص طغرائی امتیاز ایک گرز تھا جس کے ساتھ بسا اوقات ہاتھی کی بھی

---

[1] ڈلی کاٹ :۔ "انڈیا اینڈ دی اپاسل ٹامس" صفحہ ۸۵ و ۸۷۔ مارکوپولو پہلی مرتبہ غالباً ۱۲۸۸ء میں اور دوسری مرتبہ ۱۲۹۳ء میں یہاں آیا تھا؛

[2] بشپ کلڈول :۔ انڈین انٹی کویری جلد ۶ صفحہ ۸۲۔ ۸۰ و ۲۷۹؛

شبیہ ہوتی تھی۔ اس کے برخلاف مدرا کے بادشاہوں کا خاندانی نشان ایک یا دو مچھلیاں ہوا کرتی تھیں [۱]۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے بلنی کے وقت میں سلطنت کا صدر مقام مدرا تھا۔ مگر سلطنت کا قیام اس وقت سے کہیں پہلے ہو چکا تھا۔ پانڈیوں کا نام مشہور سنسکرت نحوی کاتیاین کو جو غالباً چوتھی صدی قبل مسیح میں گذرا ہے [۲] معلوم تھا۔ اور اسی صدی میں چندرا گپتا موریا کے دربار میں سائلوکس نیکیٹر کے ایلچی مگاس تھینیز سے اس جنوبی سلطنت کے متعلق بہت عجیب و غریب باتیں بیان کی گئی تھیں۔ چنانچہ اس کی نسبت مشہور تھا کہ اس پر عورتیں حکمراں ہیں۔ اس سے کہا گیا تھا کہ "ہرقل کے ہندوستان میں ایک لڑکی ہوئی تھی جس کا نام اس نے پانڈیا (Pandaia) رکھا تھا۔ اور اس نے اس کو ہندوستان کا وہ حصہ دیدیا تھا جو جنوب کی طرف واقع ہے اور سمندر تک پھیلا ہوا ہے۔ اور جن لوگوں پر کہ اس کی حکومت تھی ان کو (۳۶۵) گاؤں میں تقسیم کر دیا۔ اور حکم دیا کہ ہر روز ایک گاؤں کے باشندے ملکہ کے پاس شاہی خراج لے کر حاضر ہوا کریں۔ تاکہ ملکہ کو ہر وقت ایسے آدمی میسر آسکیں جن سے کہ وہ ان لوگوں کو خراج کی ادائی کے لئے مجبور کرے جو اس کے ادا کرنے سے انکار کر چکے ہوں۔" اس ملکہ کے متعلق یہ بھی کہا جاتا تھا کہ اس کے باپ نے اُسے (۵۰۰) ہاتھی۔ (۴۰۰۰) سوار اور (۱۳۰۰۰) پیادے دیئے تھے۔ اس کے پاس ایک معمور خزانہ تھا

[۱] لوین تھل :۔ "دی کائنز آف تناولی" (مدراس ۱۸۸۸ء) صفحہ ۹۔

[۲] بھنڈارکر :۔ "ارلی ہسٹری آف دی دکن"۔ طبع دوم۔ بمبئی گزٹیر (۱۸۹۶ء) جلد اول حصہ اول صفحہ ۱۳۹۔ میں پروفیسر بھنڈارکر اور گولڈ سٹکر کی رائے متعلقہ بلینی اور کاتیاین کی قدامت کے بالکل متفق ہوں۔ کیونکہ پتنجلی (۱۵۰ء ق م) کی تاریخ کے تعین سے ان کے سنین بھی دریافت ہو جاتے ہیں۔

جو موتیوں کی تجارت سے حاصل ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ ایرین کہتا ہے کہ یونانیوں اور اس کے بعد رومیوں نے اس تجارت پر قبضہ کرنے کی بے سود کوشش کی تھی[1]۔

رومۃ الکبرےٰ کے ساتھ تعلقات

قدیم تذکروں سے ایک سفارت کا پتا چلتا ہے جو "شاہ پانڈیان نے ۲۰ قم میں آگسٹس سیزر کے پاس روانہ کی تھی[2]۔ اور کتاب "پیری پلس آف دی اریتھیرین سی" (تقریباً ۸۰ء) کا مصنف اور مشہور و معروف جغرافیہ داں ٹولمی (تقریباً ۱۴۰ء) دونوں سلطنت پانڈیا کی منڈیوں اور بندرگاہوں کے موقع اور نام سے پوری طور پر واقف تھے۔ ۲۱۵ء میں کراکلا کے اسکندریہ میں قتل عام کرانے سے جنوبی ہند اور مصر[3] کی وساطت سے رومۃ الکبرےٰ کے ساتھ تجارت میں یا تو نقص پیدا ہو گیا اور یا وہ بالکل ہی بند ہو گئی۔ اسی وجہ سے صدیوں تک سلطنت پانڈیا کی تاریخ ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی ہے۔

قدیم بادشاہ

زبان تامل کی قدیم ادبیات میں جس کی تحقیقات جنوبی ہند کے چند محب وطن حضرات نہایت تندہی سے کر رہے ہیں۔ بے شمار بادشاہوں کے ناموزوں اور بھدے نام یا القاب ملتے ہیں۔ اور

---

[1] مگاس تھنیز:۔ فرگمنٹ ۱-۱۶-بی ۵۸۔ شوینبک کا متن اور میک کرنڈل کا ترجمہ۔ ایرین کی کتاب انڈ کا باب ۸۔ ممکن ہے کہ یہ حکایت مالابار کے قانون وراثت کی وجہ سے جہاں ورثہ ماؤں کی طرف سے ملتا تھا رفتہ رفتہ گھڑلی گئی ہو۔ مسٹر ایف۔ فاسٹ نے مجھے بتلایا ہے کہ جزائر لکادیو میں جب مرد سمندر کو چلے جاتے ہیں تو عورتیں ہی وہاں کا انتظام کرتی ہیں۔

[2] اسٹریبو۔ باب ۱۵ فصل ۴-۷۳۔ میریویل:۔ ہسٹری آف دی رومنز انڈر دی امپائر جلد ۶ صفحہ ۱۱۸ و ۱۷۵۔

[3] جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ اکتوبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۹۵۴۔

ان میں سے بعض ایسے ہیں جو نہایت ہی قدیم زمانے میں گذرے ہیں۔ لیکن سب سے پہلا پانڈیا بادشاہ جس کے سنین کا تعین کسی قدر صحت کے ساتھ ہو سکتا ہے وہ نیدم جیلین ہے۔ وہ دوسری صدی عیسوی میں گذرا ہے۔ اور کرِکال چول کے پوتے نیدو مُڈی کلی۔ زبردست چیر بادشاہ چین کتون اور لنکا کے راجہ گجبا ہو اول کا کم و بیش ہمعصر تھا۔ اور جیساکہ بالعموم ہندوستان کی قدیم تاریخ میں ہوتا ہے کہ ہندی راجاؤں کے سنین کا تعین یہاں بھی بیرونی راجاؤں کی تاریخ ہی سے ہو سکتا ہے۔ اگرچہ یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ لنکا کی تاریخ کے سنین کا تعین مستقل طور پر ہو چکا ہے۔ لیکن پھر بھی پروفیسر گیگر کا بیان کردہ سنہ تقریباً صحیح سمجھ لینا چاہیئے۔ اس کے خیال کے مطابق گجبا ہو کی حکومت ۱۷۳ءسنہ اور ۱۹۱ءسنہ کے بین بین تھی؛

مدرا کا دارالعلوم اس زمانے میں سلطنت پانڈیا کی ایک خاص خصوصیت مدرا میں ایک دارالعلوم یا سنگم کا قائم کرنا تھا۔ جس کے ارکین نے تامل زبان کا بہترین علم ادب پیدا کیا۔ ترو ولوا کی مشہور و معروف کتاب "کُرل" جو تامل قوم کے دل و دماغ میں پیوست ہو گئی ہے غالباً سنہ ۱۰۰ء کے ذرا قبل یا بعد کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔ "پازیب کی رزمیہ نظم" اور "مرصع کمر بند" اس سے ایک صدی بعد کی ہیں۔ موجودہ حالت میں سنہ عیسوی کے شروع صدیوں کی شاہان پانڈیا کی مسلسل تاریخ کا لکھنا بالکل ناممکن ہے۔ اور بہر حال ناظرین کو ان ہی چند باتوں پر اکتفا کرنا چاہیئے[1]؛

[1] "دی تاملز ایٹین ہنڈرڈ ییرس اگو" صفحہ ۸۰ و ۸۱ و ۸۸۔ مسٹر گووز نے لکھا ہے کہ ترو ولوا تیسری صدی میں گذرا ہے۔ (فوک سانگس آف سدرن انڈیا صفحہ ۲۱۷)۔ دیکھو "اینشنٹ انڈیا" مصنفہ ایس۔ کے۔ آئینگر باب ۱۴۔ "دی آگسٹن ایج آف ٹامل لٹریچر"۔ ڈاکٹر جے۔ لزارس نے "کُرل" کے متعلق کچھ لکھا ہے (تامیلین انٹی کویری

ہیون سانگ

سنہ ۶۴۰ء میں جب ہیون سانگ جنوبی ہند میں آیا تو اس نے غالباً موسم برسات سمیت اپنے وقت کا ایک بہت بڑا حصہ کانچی (کانجی ورم) میں صرف کیا تھا۔ یہی شہر اس زمانے میں خاندان پلّو کے راجہ نرسمہہ ورمن کا جو اس وقت جنوب کا سب سے زیادہ زبردست راجہ تھا مستقر سلطنت تھا۔ مگر چینی جاتری نے اور زیادہ جنوب میں پانڈیا سلطنت کے علاقے میں سفر نہیں کیا تھا۔ بلکہ محض اپنے بدھ مذہب کے دوستوں کی کہی سنی روایات کے نقل کرنے ہی پر اکتفا کیا تھا۔ اس نے اس ملک کا نام ملکوٹ یا ملکٹ بیان کیا ہے۔ مگر دار السلطنت کا نام نہیں لکھا۔ جو اس وقت غالباً مدرا تھا۔ علاوہ بریں وہ نظام حکومت کے متعلق بالکل خاموش ہے۔ غالب قیاس یہ ہے کہ اس وقت راجہ پانڈیا کانچی کے زبردست پلّو راجہ کا باجگذار تھا۔ ملکوٹ کے علاقے میں بودھ مذہب تقریباً بالکل نیست و نابود ہو چکا تھا۔ اور قدیم خانقاہوں کے محض کھنڈر باقی رہ گئے تھے۔ ہندوؤں کے دیوتاؤں کے نام کے مندر سیکڑوں کی تعداد میں تھے۔ اور ننگے (ڈگمبر) جین بھی تعداد کثیر میں پائے جاتے تھے۔ باشندوں کے متعلق مشہور تھا کہ ان کو علم و فضل کی تحصیل سے کچھ ذوق نہیں۔ بلکہ اپنا سب کا سب وقت وہ تجارتی اور خاص کر موتیوں کی تجارت اور بیوپار میں خرچ کرتے ہیں[1]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ جلد ۲ (سنہ ۱۹۱۳ صفحہ ۷۲-۵۳) اور اس کے علاوہ اس کی پہلی جلد میں اور بھی مفید مطلب مضامین ہیں۔

[1] بیل جلد دوم صفحہ ۲۳۰-۲۲۸ و واٹرس ۲۳۳-۲۲۸ (جلد دوم)۔ دیکھو اس کے متعلق ہلٹس کے خیالات (انڈین انٹی کویری جلد ۱۸ صفحہ ۲۴۲) اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں کہ ساتویں صدی عیسوی کے پہلے کے بودھ اور ہندو مندروں کا کیا حشر ہوا۔

جن کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اس ایذادہی کے دکھلانے کے لیئے بنائے گئے تھے۔ ان ہی نمونوں پر اس روایت کی صحت کا دارومدار سمجھا جاتا ہے[1]۔ اس ایذادہی کی اصلیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مگر یہ ممکن ہے کہ اس کے بیان و اظہار میں مبالغے سے کام لیا گیا ہو۔ اس کی وجہ سے جنوب ہند میں جین مت کی حالت نہایت ہی ضعیف اور کمزور ہوگئی؛

لنکا کے ساتھ جنگیں

شاہان پانڈیا اور لنکا کے راجاؤں کے درمیان اکثر جنگ وجدل کا میدان گرم رہتا تھا۔ اس مدتوں کی جنگ میں سب سے زیادہ دلچسپ واقعہ تقریباً سنہ ۱۱۶۶ء میں سلطنت پانڈیا پر فوج کشی کا ہے۔ یہ حملہ لنکا کے اولوالعزم راجہ پراکرم یاہُو کی فوج نے اس کے دو سپہ سالاروں کی سرکردگی میں کیا تھا۔ اس واقعے کے دو مفصل بیان جو مختلف نقطۂ نظر سے لکھے گئے ہیں

---

[1] ترجنا لسمبندر اور کون پانڈیا کے سنین کا تعین سنہ ۵-۱۸۹۴ء میں ہلٹس نے کر دیا تھا (ایپی گریفیا انڈکا جلد ۳ صفحہ ۲۷۷)۔ اس کے علاوہ دیکھو تامیلین انٹی کویری جلد ۱ (سنہ ۱۹۰۹) نمبر ۳۔ صفحہ ۶۵۔ اس تاریخ کا تعین جنوبی ہند کی قدیم سیاسی اور علمی تاریخ کے لیئے نہایت ہی اہم ہے؛

اس مذہبی ایذادہی کا ذکر ۶۲ ویں اور ۶۳ ویں "ترُولیادل" (ولسن۔ مکینزی مینوسکرپٹ طبع دوم۔ کلکتہ سنہ ۱۸۲۸ صفحہ ۴۱) میں پایا ہے۔ اور اس کا اعادہ روڈرگز نے بھی کیا ہے۔ (دی ہندو پنتھیان۔ مدراس صفحہ ۵-۴۱ ۸) اس میں ایک لوح کے ذریعے سے ان بے گناہوں کے عقوبتوں کا نقشہ بھی کھینچا ہے اس کے علاوہ دیکھو:۔ گربل ("کلکتہ ریویو" سنہ ۱۸۷۵ء صفحہ ۷۰)۔ اور ایلیٹ (کائنز آف سدرن انڈیا (سنہ ۱۸۸۵) صفحہ ۱۲۶)۔ پانڈیا راجہ کا نام نیدمارن "پریاپران" میں ملتا ہے (انڈین انٹی کویری جلد ۲۲ صفحہ ۶۳)۔ تمام جنوبی بادشاہوں کے بہت سے نام اور القاب ہوتے تھے۔ اور اسی وجہ سے اس میں بہت خلط واقع ہو جاتا ہے۔ سنگترا شی کے لیئے دیکھو سیول کی "لسٹس" جلد اول صفحہ ۱۶۷؛

دنیا میں موجود ہیں۔ لنکا کی تاریخ مہاونس میں قدرتی طور پر حملہ آوروں کی فوج کشی کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ ان کو کہیں شکست سے سابقہ نہیں پڑا۔ مگر اس کے برخلاف مخالف بیان سے جو کانچی کے قریب اریتم کے مقام پر ایک طولانی کتبے کی صورت میں محفوظ رہ گیا ہے اور جو زیادہ قابل اعتبار ہے۔ پایا جاتا ہے کہ حملہ آوروں نے شروع شروع میں معتد بہ کامیابی حاصل کی۔ مگر انجام کار ان کو جنوبی راجاؤں کے متحدہ حملے کے سامنے پسپا ہونا پڑا۔ لنکا کی فوج کشی کی وجہ سے مدرا کے شاہان پانڈیا کی وراثت تخت و تاج کے متعلق ایک تنازع تھا۔ اور اس کے دعویدار دو شخص ویرا اور سندر[۱] تھے۔ یہی دو نام ہیں جو اس خاندان میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک نام کے بار بار اعادے سے خاندان پانڈیا کی تاریخ کا خاکہ کھینچنا اور زیادہ مشکل ہو گیا ہے؛

بعد کے زمانے کے شاہان پانڈیا

پروفیسر کیلہارن نے بہت محنت و مشقت کے بعد سترہ شاہان پانڈیا کے سنین کا پتہ لگایا ہے۔ جو کم و بیش وسیع علاقے پر ایک طویل عرصہ یعنی سنہ ۱۱۰۰-۱۵۶۷ء تک حکمراں تھے۔ مگر کہا جاتا ہے کہ ناموں کی یہ فہرست اب بھی نامکمل ہے۔ اور ان میں سے اکثر راجہ محض مقامی سرداروں سے زیادہ اہمیت نہ رکھتے تھے[۲]۔ زمانہ وسطیٰ کا سب سے زبردست پانڈیا راجہ جتاورمن سندر اول تھا جس نے سنہ ۱۲۵۱ء سے کم از کم سنہ ۱۲۷۱ء تک حکومت کی۔ اور مشرقی ساحل کے

---

[۱] اس واقعے کے متعلق تمام تفصیلیں اس مضمون میں ملیں گی جو مدراس۔ جی۔ او۔ پبلک نمبر ۹۲۲ و ۹۲۳۔ مورخہ ۱۹ اگست سنہ صفحہ ۱۴-۸ کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ دیکھو ہلٹش:۔ "ڈکنٹربیبوشنز ٹو سنگھالیز کرانالوجی" (جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۹۱۳ صفحہ ۵۱۷-۵۳۱)؛

[۲] "سپلیمنٹ ٹو دی لسٹ آف انسکرپشنز آف سدرن انڈیا"۔ اپی گرافیا انڈکا۔ جلد ۸ ضمیمہ ۲۔ صفحہ ۲۴؛

تمام حصے پر نلور سے راس کماری تک قبضہ کر لیا۔ اس کے بعض سکے اب بھی دریافت ہوئے ہیں[1]۔ سنہ ۱۳۱۰ع اور اس کے بعد کے سنین میں ملک کافور اور دوسرے سرداروں کی سرکردگی میں اسلامی فتوحات عمل میں آئیں ان کی وجہ سے یہاں کی مقامی ریاستیں بالکل برباد نہیں ہوئیں۔ اگرچہ سیاسیات میں اس قدر تغیر و تبدل ضرور ہو گیا کہ اس سے تاریخی حدود قائم کر لی جائیں ؛

سلطنت چیرا کریل کی طرف قدیم ترین حوالہ۔

سلطنت کریل یا چیر کا سب سے قدیم ذکر اشوک کے فرامین میں کریل پتر کے نام سے آیا ہے۔ اور یہی نام کچھ بگڑی ہوئی صورت میں پلنی اور "پیریپلس" کے مصنف نے جو ان کے زمانے یعنے پہلی صدی عیسوی میں مستعمل تھا جو اسی وقت یا اس کے ذرا بعد کے زمانے سے شروع ہوتے ہیں قدیم تامل ادبیات سے ثابت ہوتا ہے کہ سلطنت چیر میں پانچ اضلاع یا ناڈو شامل تھے۔ یعنے :- (۱) پوڑی ("ریتیلا") جو اگلیپلاً سے دریائے پونانی تک پھیلا ہوا تھا (تقریباً شمالی عرض بلد ۱۰° - ۵۰°)۔ (۲) کڈم ("مغربی") جو دریائے پونانی سے ارناکلم تک جو دریائے پریار کے انتہائے جنوب کے قریب واقع ہے پھیلا ہوا تھا (تقریباً ۱۰° شمالی عرض بلد)۔ (۳) کُٹّم ("جھیلوں کی سرزمین") جو کوتیم اور کیولن کے گرد و نواح میں واقع تھی۔ (۴) وین۔ جو کیولن کے جنوب سے راس کماری تک چلا جاتا تھا۔ اور (۵) کرکا ("کوہستانی") یہ نمبر ۲ کے مشرق میں واقع تھا پلنی نے جس کو تنیر کا ذکر کیا ہے اُس سے مراد نمبر (۳) ہے ؛

---

[1] انڈین انٹی کویری۔ سنہ ۱۹۱۱ صفحہ ۱۳۷ و ۱۳۸ ؛

[2] پلنی اور پیریپلس نے جنوبی صوبے کو سلطنت پانڈیا کا حصہ بتایا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ شاہان پانڈیا مغربی ساحل کے چند بندرگاہوں پر قبضہ کرنے کی ہمیشہ کوشش میں رہتے تھے۔ اور بعض اوقات ان کو اپنے زیر تصرف کر بھی لیتے تھے ؛

بندرگاہیں سنہ عیسوی کے شروع میں دو سب سے بڑے بندرگاہ جہاں سے مرچوں اور دوسری نادر اشیاء کی تجارت ہوا کرتی تھی مزرِسس یعنے دریائے پریار کے دہانے پر موجودہ کرنیگنور تھا اور دوسرا ایکرئی یا ویکرئی۔ کوتیم کا بندرگاہ تھا۔ جنوب مشرق کی طرف اگر ہوا موافق ہو تو جولائی اور اگست میں عرب سے مزرس کا راستہ چالیس دن کا تھا اور تاجر دسمبر یا جنوری میں اپنے کاروبار کے بعد وطن واپس جا سکتے تھے؂

یہ تمام بیانات جو یونانی اور رومی مصنفین نے وسعت اور طریقۂ تجارت کے متعلق محفوظ کر لیئے ہیں بہت دلچسپ ہیں۔ مگر ان سے سلطنت کریل کی سیاسی تاریخ کے لکھنے میں کوئی مدد نہیں ملتی حقیقت یہ ہے کہ اس خاص موضوع پر اس وقت تک کسی قسم کا مواد دستیاب نہیں ہوتا۔ جب تک کہ سلطنت کا تعلق دسویں صدی میں ریاست چول سے قائم نہیں ہوا۔ مگر اس وقت کے بعد سلطنت چول کے کتبوں سے مغربی یعنے کریل کی حکومت پر بھی کچھ کچھ روشنی پڑتی ہے؂

دارالسلطنت کہا جاتا ہے کہ سلطنت چیر کا سب سے قدیم دارالسلطنت ونجی۔ ویجی یا کرُور تھا۔ اس کی جگہ آج کل ایک گاؤں ترُکرور واقع ہے۔ جو دریائے پریار پر کوچن سے تقریباً ۲۸ میل مشرق شمال مشرق کی سمت میں ہے۔ اس کے بعد دریائے پریار کے دہانے پر ترُونجی کلم دارالسلطنت مقرر ہوا۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ ضلع کوئمبٹور میں کرور کا مقام سلطنت چیر کا دارالسلطنت تھا۔ مگر اس میں کسی قسم کا شک نہیں کہ یہ خیال غلط ہے[1]؂

---

[1] "دی تاملز ایٹین ہنڈرڈ ییرس ایگو" صفحہ ۱۵۔ "انڈین انٹی کویری" جلد ۱۸ صفحہ ۲۵۹۔ جلد ۱۳ صفحہ ۳۴۳۔ ایپی گریفیا انڈکا جلد ۴ صفحہ ۲۹۴۔ "ساؤتھ انڈین انسکرپشنز" جلد ۳ حصہ اول صفحہ ۳۰۔ قدیم شاہان چیر میں چند کے نام معلوم کیئے گئے ہیں۔ مثلاً ستھانو راوی جو پرانتک اول کے باپ آدت چول کا ہمعصر اور دوست تھا (ایپی گریفی)

سرزمین کونگو

قدیم ترین زمانے میں جس کا کہ ہم کو علم ہے سرزمین کونگو جس میں ضلع کوئمبٹور اور سیلم کا جنوبی حصہ شامل تھا۔ سلطنت کریل سے بالکل جدا تھی۔ مگر بعد کے زمانے میں معلوم ہوتا ہے کریل اور سرزمین کونگو دونوں مل کر ایک ہی سلطنت بن گئے تھے۔ اور اس کے بعد صرف سرزمین کونگو ہی کو سلطنت چیر کہا جاتا تھا۔ اور کریل کا علاقہ اس سے جدا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ موجودہ صورت حالات میں ان تغیرات کے سنین معین نہیں کئے جا سکتے۔ خود کریل بھی ہمیشہ ایک ہی سلطنت نہیں رہا۔ اور آج کل بھی اس کا برطانوی علاقہ ضلع مالا بار اور ٹراونکور اور کوچین کی دیسی ریاستوں میں منقسم ہے؎

ایک قدیم بادشاہ

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ زبان تامل کے ادبیات کے بیان کے مطابق چین گتُون۔ جو سلطنت چیر کا ایک زبردست راجہ تھا۔ پانڈیا راجہ نیدم چلین۔ کریکال کے پوتے نیدُمدی کلی چول اور لنکا کے گجباہو اول کا ہمعصر تھا۔ اس لئے دوسری تامل سلطنتوں کی تاریخ کی طرح سلطنت چیر یا کریل کی بھی صحیح سیاسی تاریخ دوصدی عیسوی سے آگے کی نہیں لکھی جا سکتی۔ اور اصل تو یہ ہے کہ اس زمانے کے واقعات بھی بہت کم مذکور ہیں؎

ٹراونکور یا جنوبی کریل

ایک عالم و فاضل مصنف مسٹر پی۔ سندرام پلے کا جو ٹراونکور کے باشندے تھے۔ بجا طور پر یہ دعویٰ تھا کہ ان کا ملک ایک خاص دلچسپی رکھتا ہے۔ کیونکہ یہاں اسلامی فتوحات کے سیلاب کا بہت ہی کم اثر پڑا ہے اس لئے یہ رقبہ ایسا ہے کہ ہندوستان بھر میں یہیں کسی بیرونی اثر نے کام نہیں کیا اور یہیں ہندوستان کو خالص دیسی حیثیت میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یا بالفاظ دیگر یہ ریاست ایک قسم کا عجائب خانہ ہے جہاں ہندوستان کی

؎ بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: ۔ صفحہ ۶۱۔ مدراس جی۔ او۔ پبلک نمبر ۹۱۹ مورخہ ۲۹ جولائی سنہ ۱۹۱۲ء)؎

قدیم ترین اقوام کے مذاہب۔ قوانین۔ رسوم اور اوضاع واطوار کے زندۂ جاوید
نمونے موجود ہیں۔ اور اس محدود رقبے میں قدیم اور جدید کا مطالعہ اس
خوبی سے ہو سکتا ہے کہ جس کا کسی دوسری جگہ میسر آنا ناممکن ہے۔ میں نے اس کے قبل بھی
ایک جگہ اس خیال کی طرف ناظرین کی توجہ مبذول کرائی تھی کہ ہندی آئین
وقوانین کے صحیح مطالعہ کے لئے ضروری ہے کہ اس کا آغاز بجائے شمال کے
جنوب سے کیا جائے۔

ٹراونکور کے راجہ

ٹراونکور کی سیاسی تاریخ پر سب سے پہلے صحیح معنوں میں
مذکورۂ بالا عالم نے ہی غور و فکر شروع کیا تھا۔ چنانچہ
انھوں نے تقریباً ایک سو سے زیادہ کتبے جو قدیم ویتلو تو حروف میں
لکھے ہوئے تھے جمع کئے۔ اور ان کی مدد سے انھوں نے وہاں شاہی
خاندان کا سراغ سنہ ۱۱۲۵ء تک نکالا۔ اور اس سنہ[۱] کے بعد دو صدیوں
تک کے راجاؤں کی تقریباً مکمل فہرست بھی تیار کرلی۔ ان بیانات
سے جو شائع ہو چکے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ بارھویں صدی عیسوی کے
شروع میں ٹراونکور یا جنوبی کریل راجہ راجندر چول کُلتنگ کی سلطنت چول کا
ایک حصہ تھا۔ اور بظاہر اس پر نہایت خوبی سے حکومت ہوتی تھی۔
اور بالخصوص ہاں کے گاؤں کی قدیم پنچایتوں کے طریق عمل کی تفصیلیں
نہایت دلچسپ ہیں۔ اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کسی صورت
میں مرکزی نہ تھی۔ گاؤں کی پنچایتوں کو بہت کچھ انتظامی اور عدالتی
اختیارات حاصل تھے۔ جن کو وہ شاہی عمال کی زیر نگرانی عمل میں

---

[۱] "سم ارلی سادرنرز آف ٹراونکور" (انڈین انٹی کویری۔ جلد ۲۴ (سنہ ۱۸۹۵ء) صفحہ ۲۴۹ و ۲۷۷ و ۳۰۵ و ۳۳۳۔ ایضاً جلد ۲۶ صفحہ ۱۰۹) "مسلینئس ٹراونکور انسکرپشنز" ایضاً جلد ۲۶ صفحہ ۱۱۳ و ۱۴۱۔ اس کے بعد کی تمام نئی تحقیقات کے نتائج مسٹر وی۔ نگم ایا کی "ٹراونکور سٹیٹ مینوئل" (تین جلد۔ ترونڈرم سنہ ۱۹۰۶ء) اور "ٹراونکور آرکی آلوجیکل سیریز" (از سنہ ۱۹۱۰) میں ملیں گے۔

لایا کرتے تھے ؎

سلطنت چیر کے سکے

شاہان چیر کا طغرائے امتیاز کمان تھی ان کے سکے بہت نادر الوجود ہیں - اور صرف بعد کے زمانے کے دو نمونوں کے سکے جن پر کمان کا طغرا ہے دستیاب ہوئے ہیں - یہ سیلم اور کوئمبتور کی سرزمین کونگو میں پائے گئے ہیں - سب مجھے کریل یا ساحل مالابار کے سکوں کا کوئی حال معلوم نہیں[1] ؎

مواد کی کمیابی

موجودہ صورت احوال میں میں سلطنت چیر یا کریل کی قدیم تاریخ کے متعلق صرف متذکرۂ بالا سطور ہی پر اکتفا کر سکتا ہوں - کالی کٹ کے زمورنوں کی تاریخ اس کتاب کی حدود سے باہر ہے - پروفیسر کیلہارن نے سلطنت کریل کے آخری زمانے کے راجاؤں اور سرداروں کے کتبوں کی ایک فہرست مرتب کر دی ہے - اور اس میں اکثر وہی کتبے شامل ہیں جو مسٹر سندرام پلے آنجہانی نے جمع کیے تھے[2] مگر فاضل پروفیسر نے خاندان کی فہرست مرتب کرنے کی کوشش نہیں کی ؎

سلطنت ستیا پتر

سلطنت ستیا پتر کے متعلق جس کا ذکر راجا اشوک نے بھی کیا ہے اپنے قیاس اغلب کا ذکر میں پہلے ہی کر چکا ہوں - اور اس موضوع پر اور کچھ زیادہ بحث کی گنجایش نہیں - یہ نام صرف اشوک کے فرامین ہی میں آتا ہے ؎

---

[1] تفصیل ہے - ہنٹس ٹو کائن کلکٹرس ان سدرن انڈیا" (مدراس ۱۸۸۹ء) صفحہ ۱۷ ؎

[2] ایپی گریفیا انڈکا جلد ۷ ضمیمہ ا و - نمبر ۶۶ - ۹۳۹ ان کتبات میں بالعموم کُلم یا مالابار کا سنہ جو ۵-۸۲۴ء سے شروع ہوتا ہے مستعمل ہے - اور تمام باتیں ان کتابوں میں ملیں گی جن کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے - مگر یہ تفصیلات کچھ زیادہ دلچسپ نہیں ؎

حصۂ ج

سلطنت چول

سرزمین چول کی روایتی حدود

ملکی روایات کے مطابق سرزمین چول (چول منڈلم) کے شمال میں دریائے پنّار اور جنوب میں جنوبی دریائے وَلاّرو واقع تھا۔ یا بالفاظ دیگر وہ مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ نلور سے پدُکوٹئی تک پھیلی ہوئی تھی جہاں اس کا ڈانڈا پانڈیا کے قلمرو سے مل جاتا تھا۔ مغرب میں یہ کرگ کے علاقے تک جاتی تھی۔ ان متذکرۂ بالا حدود میں مشرق کے چند برطانی اضلاع کے علاوہ مدراس کا ضلع اور ریاست میسور کا ایک بڑا حصہ شامل تھا[1]۔ جہاں تک کہ یقینی طور پر معلوم ہے سلطنت کا سب سے قدیم دارالسلطنت "اُرَیُور" یا قدیم "ترچناپلی" تھا۔ ایک شہر شمالی "مَنلُور" نامی جس کا موقع و محل اب معلوم نہیں زمانۂ قبل تاریخ میں چول سلطنت کا مستقر تھا[2]۔

سیاسی حدود کا تغیر و تبدل

متذکرۂ بالا حدود کے تعین سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ سلطنت چول کی سرحد ہمیشہ متعین ہی رہی ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ان میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ تبدیلی واقع ہوتی رہی ہے۔ سلطنت چول کی روایتی حدود دراصل نسلی حدود ہیں نہ کہ سیاسی۔

[1] "کا ئنز آف سدرن انڈیا" صفحہ ۱۰۸۔ چول کو چور۔ شول یا شور بھی لکھا جاتا ہے۔ کارومنڈل "چول منڈلم" کی ہی بگڑی ہوئی صورت ہے (یول اور برنل کی اینگلو انڈین گلاسری مضمون کارومنڈل) چول کے لفظ کا اطلاق قوم اور شاہی خاندان دونوں پر ہو سکتا ہے۔ مگر چول قوم کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ یہ لوگ موجودہ آبادی میں اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ ان کا کوئی نام و نشان باقی نہیں رہ گیا ہے۔

[2] انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۳ء صفحہ ۷۰، ۷۲ ہے۔

اور شمال اور مغرب میں تو یہ سرحد کم از تامل اور دیگر دراوڑ اقوام کی زبانوں میں حد فاصل ہے۔ مگر پھر بھی تامل زبان سلطنت پانڈیا اور قلمرو چول کی دیسی زبان ہے اور دریائے ولاّرُو کے شمال و جنوب کے رہنے والوں کی نسلوں میں کسی قسم کا امتیاز نہیں کیا جا سکتا ہے۔

سلطنت چول کا قدیم ترین ذکر۔ سلطنت چول سے حکومت پانڈیا کی طرح یونانی بالکل ناواقف تھا۔ مگر کاتیاین کو کم از کم اس کا نام معلوم تھا۔ اور راجہ اشوک نے اس کی خود مختارانہ حیثیت کو تسلیم کر لیا تھا۔ اور کیونکہ اس کا ثبوت مسلم ہے کہ اس عظیم الشان راجہ کی سلطنت کے حدود جنوب میں میسور کے شہر چتل دروگ میں کم از کم چودہ شمالی عرض بلد تک پھیلے ہوئے تھے اس لئے قیاس اغلب یہ ہے کہ راجگان موریا کے زمانے میں دریائے پنار سلطنت چول کا شمالی حد فاصل تھا۔ اس کے بعد کے زمانے میں یہ حدود شمال اور جنوب دونوں سمتوں میں زیادہ وسیع ہو گئے تھے۔ اور ان دونوں زمانوں کے درمیان میں خاندان پلوَ کی عظمت و شوکت کی وجہ سے اس کے حدود بہت مختصر رہ گئے تھے۔

قدیم زمانے کی تجارت قدیم ادبیات اور یونانیوں و رومی مصنفوں کے بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ سنہ عیسوی کی پہلی دو صدیوں کے دوران میں ساحل کارومنڈل یا چول کے بندرگاہ مشرق و مغرب کی تجارت کی منڈی بنے ہوئے تھے۔ سلطنت چول کے جہازوں کے بیڑے بجائے ساحل کے متوازی سفر کرنے کی دلیری سے خلیج بنگالہ کو عبور کر کے دریائے گنگا اور ایراودی کے دہانوں اور بحر ہند کو طے کر کے ملایا کے مجمع الجزائر میں پہنچتے تھے۔ ہر قسم کا مال و اسباب جو مصر سے کریل یا ساحل مالابار پر آتا تھا۔ سرزمین چول میں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو جاتا تھا۔ اور اس کے برخلاف مغربی ساحل کے بندرگاہ اپنی تجارت کا تمام

سامان ساحل کے بازاروں سے جہاں سوتی کپڑا بکثرت تیار ہوتا تھا حاصل کیا کرتے تھے۔ چول کا سب سے بڑا بندرگاہ کاورِ پٹم دریائے کاویری کے دہانے پر واقع تھا۔ یہ شہر جو کسی زمانے میں عالیشان اور متمول تھا۔ جہاں بادشاہ کا ایک عالیشان محل واقع تھا اور جہاں بیرونی تاجر آکر اترتے اور آسایش و آرام کے علاوہ ہر قسم کا منافع حاصل کرتے تھے اب بالکل نیست و نابود ہو گیا ہے۔ اور آج کل اس کے بقایا آثار ریت اور مٹی کے نیچے دبے پڑے ہوئے ہیں[1]۔

کرِ کال

سلطنت چول کا پہلا تاریخی یا نیم تاریخی راجہ کرِکال ہے۔ اس کے متعلق قدیم شاعروں نے لکھا ہے کہ اس نے لنکا پر حملہ کیا تھا اور وہاں سے ہزارہا قلی قید کر کے دریائے کاویری کا بند باندھنے کے لئے جس کا طول سو میل تھا، لایا تھا۔ اسی نے کاورِ پٹم کو آباد کیا اور اپنے مستقر کو واریور سے منتقل کر کے یہاں آ بسا۔ اس کا عہد حکومت طولانی تھا۔ مگر اس کا بڑا حصہ اس نے اپنے ہمسایوں پانڈ اور چیر سے لڑنے بھڑنے میں صرف کیا۔ وہ غالباً پہلی صدی عیسوی کے نصف آخر یا شاید دوسری صدی عیسوی میں گذرا ہے۔ کرِکال کے بعد اس کا پوتا نیڈ مدی کلّی اس کا جانشین ہوا۔ اور اس کے عہد حکومت میں کاورِ پٹم کو سمندر نے تباہ کر دیا۔ یہ راجہ چن کتون چیر اور لنکا کے راجہ گجبا ہو اول کا ہمعصر تھا۔ اس زمانے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم تھوڑی مدت کے لئے چیر راجہ تمام جنوبی ہند میں سب راجاؤں سے زبردست ہو گیا تھا۔ اور سلطنت چول کی عظمت ایسی رخصت ہو گئی تھی کہ صدیوں بعد تک اُس کی قسمت نے پلٹا نہ کھایا۔

خاندان پلّو کا عروج

مختلف ادبی عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنہ عیسوی کی دوسری یا تیسری صدی میں سلطنت چول اور دوسرے

[1] "دی ٹاملز ایٹین ہنڈرڈ ییرس ایگو" صفحہ ۲۵ و ۲۶ و ۳۸ و ۳۹

تامل راجاؤں کی قوت وصولت میں ضعف آنا شروع ہوا۔ اور آرو وکر یا اس ہی قسم کے دوسرے قبیلوں نے جو بظاہر تامل قوم سے بالکل ممیز تھے ان کی جگہ لینی شروع کی۔[1] خاندان پلوؤ کے قدیم ترین کتبات سے جو چوتھی صدی عیسوی کے شروع کے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ہی پلوؤ خاندان کا ایک راجہ سرزمین چول کے عین درمیان میں کانچی کے مقام پر حکمراں تھا۔ اور یہ تقریباً بالکل ممکن ہے کہ یہ پلوؤ خاندان بھی متذکرۂ بالا قبائل ہی میں سے ہوں۔ مگر بہرحال اصلیت خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ یقینی ہے کہ جب تقریباً ۳۵۰ء میں سمدرگپت نے جنوب پر یورش کی ہے تو کانچی میں ایک پلوؤ راجہ برسر حکومت تھا۔ اور اسی وجہ سے خاندان چول کی سلطنت اس زمانے میں بہت مختصر سی رہ گئی ہوگی۔ اس کے بعد ساتویں صدی عیسوی تک سلطنت چول کی تاریخ کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔[1]

ہیون سانگ اسی صدی کے نصف اول میں ہیون سانگ کے چول سلطنت کے متعلق بیانات بہت دلچسپ ہیں۔ مگر اس کے سفرنامے کے شارحوں کو ان کی اہمیت کا پورا اندازہ اور احساس

---

[1] "دی ٹاملز ایٹین ہنڈرڈ ییرس اگو" صفحہ ۶۴ - ۷۸ ایس۔ کرشنا سوامی آئنگر کا مضمون "سم پائنٹس ان ٹامل لٹریری ہسٹری" (مالا بار کوارٹرلی ریویو سنہ ۱۹۰۴ء) مسٹر کنک سبھائی کی کتاب میں سنین کو بہت قدیم قرار دیا گیا ہے۔

[1] مسٹر ایس۔ کے۔ انگر کی کتاب "اینشنٹ انڈیا" (سنہ ۱۹۱۱) کا باب ۶۔ سلطنت چول کی بہترین تاریخ ہے۔ مسٹر کے۔ وی۔ ایس۔ ایر نے اپنے مضمون "کرکال اینڈ ہز ٹائمز" (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۲ء صفحہ ۱۴۶) میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ چھٹی صدی عیسوی کے نصف اول میں گذرا ہے۔ مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئے۔ اور میرے نزدیک یہ خیال شروع ہی سے بالکل غلط اصول پر مبنی ہے۔ اور اس سے تامل علم ادب کے تمام سنین غلط ہو جاتے ہیں۔

نہیں ہوا۔ جنوبی ہند کی طرف اس کا سفر جس میں کہ وہ خاندان پلّو کے صدر مقام کانچی تک چلا گیا تھا یقیناً ۶۴۰ء میں ہوا تھا۔ اس وقت سلطنت چول (چو۔ لی۔ یا) ایک مختصر سی ریاست تھی۔ اور رقبہ میں (۴۰۰) یا (۵۰۰) میل سے زیادہ نہ تھی۔ اس زمانے میں اس کا مستقر ایک ایسا چھوٹا سا شہر تھا جس کا گرد احصرف دو میل تھا۔ ملک بہت کچھ ویران اور برباد پڑا ہوا تھا۔ اس میں جگہ جگہ گرم دلدلیں اور جنگل تھے۔ جن میں معدودے چند وحشی لوگ رہتے اور دن دہاڑے لوٹ مار کرتے تھے۔ بودھ مذہب کی چند خانقاہیں تھیں۔ مگر سب ویران اور برباد حالت میں۔ اور جو بھکشو ان میں مقیم تھے وہ بھی ان خانقاہوں کی طرح تباہ و خستہ حالت میں تھے۔ جین مت بالعموم مقبول عام تھا۔ مگر خال خال برہمنی مذہب کے مندر بھی پائے جاتے تھے۔ ملک کا موقع اس طرح بتلایا گیا ہے کہ وہ امراوتی سے کم وبیش دو سو میل جنوب مشرق میں تھا۔ اور اسی وجہ سے اس میں اضلاع مفوضہ کا ایک حصہ اور بالخصوص ضلع کڈپہ شامل ہوگا۔ چونکہ اسی علاقہ میں سخت گرمی اور وہ تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں جن کا ذکر چینی درویش نے کیا ہے۔ اور اس کے علاوہ ۱۸۰۰ء میں انگریزوں کے قبضہ میں آنے تک وہ برابر لوٹ مار کے لئے بدنام تھا۔ جاتری نے محض چول "سرزمین" کا ذکر کیا ہے۔ مگر بادشاہ کا نام نہیں لکھا۔ ممکن ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ مقامی راجہ بالکل عضو معطل۔ اور کانچی کے زبردست پلّو راجہ نرسمہا ورمن کا جس نے دو سال بعد ہی چلکیا کی قوت کو توڑ اتھا، باجگذار ہو[1]۔ سرزمین چول کے متعلق چینی جاتری کے بیان کے مطلب کی صحت کی تصدیق ضلع کڈپہ میں مقامی راجاؤں کے سنگی کتبوں کی دریافت سے ہوتی ہے جو آٹھویں صدی کے پہلے کے حروف میں لکھے ہوئے ہیں[2]۔

---

[1] بیل۔ جلد دوم صفحہ ۲۲۷۔ و ۲۳۰۔ واٹرس جلد دوم صفحہ ۲۲۴

[2] "رپورٹ آن ایپی گریفی" مدراس۔ جی۔ او۔ پبلک نمبر ۵۱۸ مورخہ ۱۸ جولائی ۱۹۰۵ء صفحہ ۴۸۔ اور نمبر ۵۰۳ مورخہ ۲۷ جون ۱۹۰۷ء۔ فقرہ ۳۴ ۱۸۰۰ء میں ریاست کڈپہ کی

خاندان پلّوؔ کا زوال وانحطاط

آٹھویں صدی کے شروع میں جنوب کی سلطنت اعلیٰ کی حکومت کے لئے دکن کے خاندان چلکیا اور کانچی کے خاندان پلّوؔ میں برابر بازار کارزار گرم رہا۔ اور چول بیکار محض سمجھے گئے۔ مگر ۷۴۰ئہ میں جب خاندان چلکیا کے راجہ بکرماجیت نے کانچی کے پلّوؔ راجہ کو شکست دی تو موخرالذکر کی طاقت ٹوٹ گئی۔ اب چول کو، جو اس سے قبل شمال میں پلّوؔ اور جنوب میں پانڈیا خاندان کے درمیان پسا جارہا تھا، اس بات کا موقع ملا کہ پھر اپنی پرانی عظمت کو قائم کرلے۔ اسی زمانے میں ہم کو ایک چول راجہ وجیالیا کا حال معلوم ہوتا ہے جو نویں صدی کے درمیان میں تخت پر بیٹھا اور چونتیس برس تک حکمراں رہا۔ اس کے بیٹے آدت نے (تقریباً ۸۸۰-۹۰۷ئہ) اَپَراجِت پلّوؔ کو شکست دی اور خاندان پلّوؔ کی عظمت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کردیا؎

پران تک اوّل

۹۰۷ئہ میں آدت کے بیٹے اور جانشین پران تک کے تخت نشینی سے مورخ کو سنین کا پورا پورا مواد حاصل ہوجاتا ہے۔ اور وہ ایک بارگی کتبوں کی کثرت کی وجہ سے ایک جال میں پھنس جاتا ہے۔ صرف ایک سال یعنے ۹۰۶-۷ئہ میں ہی پران تک کے چالیس سے زیادہ ایسے کتبے نقل کیئے گئے جو اس کے تیسرے سنہ جلوس (۹۰۹-۱۰ئہ) سے لے کر اکتالیسویں سال (۹۴۷-۴۸ئہ) تک پہنچتے تھے۔ اس اولوالعزم راجہ نے صرف خاندان پلّوؔ کی طاقت ہی کے توڑنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جنوب کی طرف اپنی فتوحات کو اور زیادہ وسیع کرتے ہوئے سلطنت پانڈیا کے دارالسلطنت مدرا کو فتح کیا۔ اور اس کے راجہ کو بالکل بے خانماں کردیا۔ اور پھر لنکا پر فوج کشی کی؎

چول سلطنت کا نظام حکومت

پران تک اوّل کے بعض طویل کتبے گاؤں کے آئین و قوانین کے مطالعہ کرنے والوں کے لئے خصوصاً

؎ بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- حالت کے متعلق۔ دیکھو۔ ہملٹن کی کتاب "ڈسکرپشن آف ہندوستان" ۱۸۲۰ئہ۔ جلد ۲ صفحہ ۳۲۳؎

قابل توجہ ہیں۔ کیونکہ ان میں مقامی معاملات کے تصفیہ اور گاؤں کی پنچائتوں کے تمام حالات تفصیل سے پائے جاتے ہیں۔ یہ پنچائتیں شاہی احکام کے ماتحت عدالتی اور انتظامی کام انجام دیتی تھیں۔ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ مقامی حکومت خود اختیاری کی یہ صورت جو اس طرح مقبول خاص و عام تھی ایک مدت ہوئی کہ بالکل ناپید ہو گئی ہے۔ موجودہ حکومتوں کو بھی اگر ایسی ہی قابل دیہاتی پنچائتیں میسر آجائیں۔ تو ان کے لئے بہت سہولت اور آرام کا باعث ثابت ہوں۔ اس موضوع پر دو ہندی علماء نے غور کیا ہے۔ اور اس کے متعلق ان کی کتابوں کا مطالعہ سود مند ثابت ہوگا۔ آئندہ زمانے میں جب کبھی جنوبی ہند کی تاریخ تمام و کمال لکھے جانے کے قابل ہو جائے گی۔ تو یقیناً چول کے نظام سلطنت کے بیان کو اس میں نہایت نمایاں جگہ دی جائے گی[1]۔

پران تک کے جانشین

پران تک اوّل ۹۴۹ء میں فوت ہوا۔ اس کا بیٹا راجہ دت راشٹر کوٹ راجہ کرشنا راجہ سوم کے مقابلہ میں لڑتا ہوا تکلا کے مقام پر مارا گیا۔ اس کے بعد پانچ راجہ یکے بعد دیگرے تخت پر بیٹھے۔ اور ان کی حکومتوں کا زمانہ قلیل اور فتنہ و فساد سے پُر تھا۔

راجہ راجہ دیو اعظم۔ سنہ جلوس ۹۸۵ء

۹۸۵ء میں راجہ راجہ دیو اعظم کی تخت نشینی سے خاندانی تنازعات اور سازشوں کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اب سلطنت چول کا مالک ایک ایسا راجہ ہوا جس میں اتنی قابلیت تھی کہ وہ اس سلطنت کو جنوب کی سب سے بڑی سلطنت بنا دے۔ تقریباً

[1] ایس۔ کرشنا سوامی ائینگر: "دی چول ایڈمنسٹریشن۔ سنہ ۹۰۰-۱۳۰۰ء" (مدراس ریویو سنہ ۱۹۰۳ء) اور "اینشنٹ انڈیا" صفحہ ۹۱-۱۵۸ + وی ونکیا: "دم ریگیشن ان سدرن انڈیا ان اینشنٹ ٹائمز" (آرکی آلوجیکل سروے۔ اینول رپورٹ سنہ ۱۹۰۳-۴ء صفحہ ۱۱-۲۰۳)۔

اٹھائیس برس کی عہد حکومت کے دوران میں اس نے متواتر فتوحات حاصل کیں۔ اور جب وہ فوت ہوا ہے تو سلطنت چول بلا شرکت غیرے جنوبی ہند کی حکومت اعلیٰ تھی۔ اور اس میں احاطۂ مدراس کا تقریباً تمام حصہ اور لنکا اور میسور کا ایک بڑا حصہ شامل تھا؛

لنکا وغیرہ کی فتح

اس نے اپنی فتوحات کا آغاز چیر بیڑے کی بربادی سے کیا۔ چودھویں سنہ جلوس میں اس کی فتوحات میں ونگی کے مشرقی خاندان چلکیا کی سلطنت کا علاقہ جس پر اس سے قبل پلوؤ قابض تھے۔ کرگ۔ سرزمین پانڈیا۔ اور دکن کی سطح مرتفع کے وسیع علاقے شامل تھے۔ اس کے بعد تین سال کے عرصہ میں ساحل مالابار پر کیولن (کلم) اور شمال میں ریاست کلنگ بھی اس کی قلمرو سے ملحق کیئے گئے۔ اس کے بعد راجہ راجہ نے اپنی توجہ لنکا کی طرف مبذول کی۔ اور مدت مدید کی فوج کشی کے بعد بیسویں سنہ جلوس میں یہ جزیرہ بھی اس کی سلطنت میں مل گیا۔ ۱۰۰۵ء یا اس کے قریب اس نے اپنی تلوار ہاتھ سے رکھی۔ اور باقی ماندہ زندگی امن و امان سے گذار دی۔ ۱۰۱۱ء سے اس کا بیٹا راجندر خاندان چول کے دستور کے مطابق سلطنت میں اس کا شریک قرار پایا؛

خاندان چلکیا کے ساتھ جنگ

چلکیا اور پلوؤ کے خاندانوں میں عہد قدیم ہی سے سلطنت میں دشمنی اور رقابت چلی آتی تھی۔ جب پلوؤ خاندان کی طاقت ٹوٹ گئی اور چول نے حکومت اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے ان کی جگہ لی تو یہ رقابت بھی ان کو ورثہ میں ملی۔ اسی وجہ سے چول اور چلکیا میں چار سال تک میدان کارزار گرم رہا۔ اور انجام کار چلکیا کو جنھیں راشتر کوتوں کی غلامی سے آزاد ہوئے بہت زمانہ نہ گذرا تھا، شکست ہوئی؛

بحری جنگیں

راجہ راجہ کے پاس ایک زبردست بیڑا تھا اور وہ اس کو نہایت کامیابی سے استعمال کیا کرتا تھا۔ چنانچہ انتیسویں سنہ جلوس میں اس نے بہت سے گمنام جزیروں پر

جس سے مراد غالباً لکادیو اور مالدیو ہے۔ قبضہ کر لیا تھا۔ یہ اس کا آخری کارنامہ تھا۔

تنجور کا مندر اس نے اپنے دارالسلطنت تنجور (تنجوُ وُور) میں مندر تعمیر کرایا۔ اس کی دیواروں پر اس کے چھبیسویں سنہ جلوس میں اس کی تمام فتوحات کی تصاویر کندہ کرائی گئیں۔ یہ مندر اب تک راجہ راجہ کی عظمت و شان کی یاد کو زندہ رکھنے کے لئے باقی ہے۔

بودھ مذہب اگرچہ وہ بذات خود شو کا پرستار تھا۔ مگر اس میں مذہبی رواداری کا اتنا مادہ ضرور تھا کہ اس نے نیگپٹم کے بندرگاہ پر برمیوں کے بودھ مت کا مندر تعمیر کرا دیا۔ چنانچہ ایسے دو مندر پندرھویں صدی تک مقدس اور مرجع خاص و عام بنے رہے۔ ان میں ایک جو غالباً راجہ راجہ کا بنایا ہوا تھا۔ سنہ ۱۸۶۷ء تک تباہ و خستہ حالت میں باقی رہا۔ مگر اس سال جیسوئٹ فرقے کے پادریوں نے اُسے برباد کیا اور اس کے ملبے سے عیسوی عمارتیں تعمیر کرا لیں[1]۔

راجندر اوّل۔ گنگئی کونڈ سنہ جلوس سنہ ۱۰۱۸ء راجہ راجہ کا بیٹا راجندر چولدیو اول الملقب بہ گنگئی کونڈ اس کا جانشین ہوا۔ اور اس نے اپنے باپ سے بھی زیادہ جوش و خروش اور کامیابی کے ساتھ فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس کے بیڑے نے خلیج بنگالہ کو عبور کر کے بروم یا پیگو کے قدیم پایۂ تخت کدارم (کِدارم) کو حملہ کر کے فتح کیا۔ اور اس کے علاوہ اسی ساحل پر تکلم اور مَتّم یا مرتبان کے بندرگاہوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ ان شہروں کی فتح کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی مدت کے لئے تمام سلطنت پیگو چول سلطنت کا ایک حصہ بن گئی[2]۔ پیگو کے شہر میں سنگ سرخ کے جو دو ستون

---

[1] انڈین انٹی کویری جلد ۷ صفحہ ۲۲۴ مع لوح مدراس۔ جی۔ او۔ پبلک نمبر ۲۳-۹۲۲ مورخہ ۱۹ اگست سنہ ۱۸۹۹ء۔

[2] ڈی۔ کنگ بھائی :- دی کانکویسٹ آف بنگال اینڈ برما بائی دی ٹاملز۔"

اب بھی موجود ہیں ان کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ یہ چول راجہ نے اپنی فتح کی یادگار میں نصب کرایا تھا۔ یہ فتوحات ۲۷-۱۰۲۵ء کے درمیان واقع ہوئی تھیں[۱]۔ پیگو کی فتح کے بعد نکوبار (نِکَّ وارم) اور انڈمان کے جزیرے فتح ہوئے ؛

اس کی جنگیں اور پایۂ تخت

اپنے عہد حکومت کے شروع سالوں راجندر چول دیو نے شمالی دول کے ساتھ متواتر جنگیں کیں۔ یہاں تک کہ اس کا مقابلہ بہار و بنگال کے راجہ مہی پال سے ہوا۔ اور اس کی فوجیں دریائے گنگا کے کنارے تک پہنچ گئیں۔ اس کارنامے کی یادگار میں اس نے گنگئی کوند کا لقب اختیار کیا۔ اور گنگئی کونڈے چول پورم کے نام سے ایک نیا دارالسلطنت بسایا۔ اس نئے شہر کے قرب و جوار میں اس نے ایک مصنوعی جھیل بنائی جس کا بند سولہ میل کا تھا۔ اور اس میں ایک وسیع رقبہ کی آبپاشی کے لئے سب ضروری وسائل موجود تھے۔ اس شہر میں ایک عالیشان محل اور ایک زبردست مندر بھی تھا۔ جس میں ایک بت۔ دس گز اونچا سنگ موسیٰ کے ایک ٹکڑے سے تراشا ہوا موجود تھا۔ ان عمارتوں کے کھنڈر جن کو موجودہ زمانے کے کفایت شعاروں کے ہاتھ سے بہت کچھ گزند پہنچ چکے ہیں۔ اب بھی ضلع ترچناپلی کے ایک ویران میدان میں اپنی پرانی شان و شوکت کو پہلو میں لئے ہوئے تن تنہا کھڑے ہیں۔ مندروں کی سنگتراشی کے نمونے نہایت

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ (مدراس ریویو ۱۹۰۲ء صفحہ ۲۵۱)۔ کدارم کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ پیرم سے آٹھ میل کے فاصلے پر تھرے کھیتر کا مقام ہے (انڈین انٹی کویری جلد ۲۲ صفحہ ۶ و ۱۶۰) تکولم = (ٹولمی کے) تکول (باب ۷ فصل ۲ و ۵۔ انڈین انٹی کویری جلد ۱۳ صفحہ ۳۷۳) یہ اب ایتھیما کہلاتا ہے (ایضاً جلد ۱۲ صفحہ ۳۸۳) اور موجودہ ساحل سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہے ؛

[۱] آرکی آلوجیکل سروے آف برما۔ پروگرس رپورٹ ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۹ ؛

قابل تعریف ہیں[1]۔ راجندر گنگئی کونڈ کی حکومت کے دوران میں قلمرو پانڈیا چول خاندان کے زیر حکومت رہی۔ اور اسی راجہ کا بیٹا چول پانڈیا کے لقب سے اس علاقہ پر بطور نائب السلطنت کے حکمران رہا[2]۔

راجہ ادھراج یُوراجہ ۱۰۱۸ء۔ راجہ ۱۰۳۵ء

راجندر کا سب سے بڑا بیٹا راجہ آدھراجہ جو ۱۰۱۸ء سے امور سلطنت میں اپنے باپ کا شریک تھا۔ ۱۰۳۵ء میں اس کا جانشین ہوا۔ اس نے بھی اپنے ہمسایوں کے ساتھ جنگ وجدال کا سلسلہ جاری رکھا[3]۔ آخر کار وہ ۱۰۵۲ء یا ۱۰۵۳ء میں جنگ کپُّم کے موقعہ پر چلکیا فوج کے ساتھ ایک گھمسان معرکہ میں مارا گیا۔ اس جنگ نے یہ فیصلہ کر دیا کہ دریائے تنگبھدرا چول اور چلکیا سلطنتوں کے درمیان حدِ فاصل رہے۔ مگر باوجود راجہ آدھراجہ کی موت کے اس سلطنت کا بدلہ۔ اس کے بھائی راجندر پَرکیسری ورمن نے جو وہیں میدان جنگ میں تخت نشین کر دیا گیا تھا لے لیا۔

اس راجہ اور اس کے تین جانشینوں کے عہد میں معمولی لڑائیاں

[1] "ہسٹری آف فائن آرٹ ان انڈیا اینڈ سیلون"، شکل ۱۶۱ - ۱۵۹ - اس عمارت کی تفصیلی پیمائش اور حال مع تصاویر نہایت ہی دلچسپ ثابت ہوگا۔

[2] "رپورٹ آن ایپی گریفی" مدراس جی - او - پبلک - نمبر ۵۰۳ - مورخہ ۲۷ جون ۱۹۰۷ء۔ فقرہ ۲۵۔

[3] ولیعہد سلطنت یا یُوراجہ کو شریک حکومت بنانے کا چول خاندان کے دستور سے سنین جلوس اکثر اوقات مبہم ہو جاتے ہیں۔ مگر تاریخوں کا تعین مکمل طور پر پروفیسر کیلہارن نے کر دیا ہے (ایپی گریفیا انڈکا جلد ۸ ضمیمہ ۲ صفحہ ۲۶) کتبوں کے متعلق تمام تفصیلوں کا پتہ مضمون مذکورۂ بالا سے لگ سکتا ہے۔ بعد کی تمام دریافتوں کا پتہ "رپورٹس آن ایپی گریفی" مدراس جی - او - نمبر ۴۹۲ مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۰۶ء۔ اور نمبر ۵۰۳ - مورخہ ۲۶ جون ۱۹۰۷ء اور بعد کے نمبروں سے لگ سکتا ہے۔

برابر جاری رہی۔ مگر ان کی تفصیلوں میں کوئی ایسی بات نہیں جو قابل یادداشت ہو۔ ان میں سے سب سے زیادہ مشہور واقعہ جنگ کُوڈل سنگم ہے جو دریائے کرشنا اور تنگبھدرا کے مقام اتصال پر ہوئی تھی۔ اس میں ویر راجندر چول (سن جلوس سنہ ۱۰۶۲-۹۳ء) کے ہاتھوں چلکیا راجہ کو شکست ہوئی۔ جب سلطنت چلکیا میں سلطنت کے دو دعویدار بھائیوں سومیشور دوم اور بکرماجیت کے درمیان خانہ جنگی شروع ہوئی تو ویر راجندر چول نے موخرالذکر کا ساتھ دیا اور اس سے اپنی بیٹی بیاہ دی۔

جنگ کُوڈل سنگم

سیاسی انقلاب۔ ادھی راجندر

سنہ ۱۰۷۰ء میں ویر راجندر فوت ہوا۔ اس کے بعد سلطنت کے متعدد دعویدار پیدا ہو گئے اور ان میں خانہ جنگی شروع ہوئی۔ بکرماجیت چلکیا جب اپنے دکن کے تخت و تاج پر پورے طور سے متمکن ہو گیا تو اپنے برادر نسبتی ادھی راجندر کی مدد کے لئے آمادہ ہوا۔ اور سنہ ۱۰۷۲ء میں اس کو چول سلطنت کا مالک بنا دیا۔ مگر یہ نیا راجہ ہر دلعزیز ثابت نہ ہوا اور دو سال کے بعد سنہ ۱۰۷۴ء میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ اس کی موت سے زمانۂ وسطیٰ کی عظیم الشان خاندان چول کی بالراست حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

خاندان چلکیا چول۔ کُلوتنگ اول سنہ ۱۰۷۰-۱۱۱۸

معلوم ہوتا ہے کہ ادھی راجندر نے کوئی ایسی اولاد نرینہ نہیں چھوڑی جو اس کے بعد تخت و تاج کو سنبھالتی۔ چنانچہ اس کا جانشین اس کا ایک عزیز راجندر ہوا۔ جو بعد میں کُلوتنگ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ راجندر کی ماں گنگئی کوند چول کی بیٹی تھی۔ اور وہ ونگی کے اس مشرقی خاندان چلکیا کے راجہ کا بیٹا تھا جو سنہ ۱۰۶۳ء میں مرا۔ مگر راجندر نے چول دربار میں رہنا پسند کیا اور چند سال تک اپنے چچا کو ونگی پر حکمران رہنے دیا۔ سنہ ۱۰۷۰ء میں وہ ونگی کا راجہ ہوا۔ اور اس کے چار سال بعد جب ادھی راجندر کو قتل کیا گیا تو وہ تمام چول سلطنت پر بھی متصرف ہو گیا۔ اس طرح وہ ایک نئے خاندان چلکیا چول کا بانی ہوا۔ اور کلوتنگ چول کا لقب اختیار کیا۔ مگر وہ

اس نئے منصب کا پورا اہل ثابت ہوا۔ اور (۴۹) برس تک اس نے نہایت کامرانی کے ساتھ اس وسیع سلطنت پر حکومت کی۔ اس نے مشرقی گنگ راجہ اننتورمن چوڈ کو شکست دے کر کلنگ کو دوبارہ فتح کیا۔ اندرونی انتظامات میں اس کی حکومت کا زمانہ اس وجہ سے خاص کر مشہور ہے کہ سنہ ۱۰۸۶ء میں تمام سلطنت کی اراضی کی پیمایش لگان کی تشخیص کے لئے نئے سرے سے کی گئی۔ عجیب اتفاق ہے کہ یہی سنہ تھا جس میں انگلستان میں ڈومزڈے بک تیار ہوئی ؛

راماں نج

مشہور و معروف ہندو فلسفی راماں نج نے جو جنوب میں وشنو کے طریق کا سب سے بڑا بزرگ مانا جاتا ہے۔ کانچی میں تعلیم پائی۔ اور ادھراجندر کے زمانے میں ترچناپلی کے قریب سری رنگم کے مقام پر سکونت اختیار کی۔ مگر خود راجہ شیو طریق کا معتقد تھا۔ اور اس کو راماں نج سے دشمنی تھی۔ اسی وجہ سے وہ ادھراجندر کی موت تک میسور کے علاقے میں جا رہا۔ اس کے بعد یہ فلسفی سری رنگم میں واپس آگیا اور زندگی بھر وہیں رہا ؛

بکرم چول۔ سنہ جلوس ۱۱۱۸ء

کلوتنگ کا بیٹا اور جانشین بکرم چول اپنے آباد و اجداد کی روایات کے بموجب اپنے ہمسایوں سے لڑتا بھڑتا رہا۔ اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے خاندان کو

لہ ادھراجندر۔ کلوتنگ۔ اور راماں نج کے حالات لکھنے میں میں نے بھٹ ناتھ سوامی کے مضمون "دی چولاز اینڈ چلکیاز ان دی الیونتھ سینچری" (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۲ صفحہ ۲۱۷ - ۲۴۷) سے استفادہ کیا ہے۔ ان کا یہ مضمون تمام تر ایک منظوم تاریخ "دیویا سورچرت" سے ماخوذ ہے۔ اور ان کا ارادہ ہے کہ اس کتاب کا ترجمہ جلد بعد تصحیح شائع کر دیں۔ متن کتاب سنہ ۱۸۸۹ء میں میسور میں شائع ہوئی تھی۔ کلوتنگ کے لقب کے معنی "خاندان کا بزرگ ترین فرد" ہیں ؛

حکومت اعلیٰ بنا دیا تھا[1]۔ اس کے بعد کے تین بادشاہ کسی طرح مشہور نہیں۔ اور ان کا زمانہ بھی کم تھا؛

کلوتنگ سوم سنہ جلوس ۱۲۸۷ء | خاندان چول کا سب سے آخری بڑا بادشاہ کلوتنگ سوم تھا۔ اس نے ۱۲۸۷ء سے تقریباً چالیس برس حکومت کی۔ اس کے بعد جانشینی کے متعلق خانہ جنگی شروع ہوئی۔ اور چول راجاؤں کی حیثیت بالکل گر گئی۔ سنہ ۱۳۱۰ء تک کی قلیل مدت کے لئے پانڈیا خاندان نے جنوب میں پھر اپنی پرانی حیثیت کو قائم کر لیا۔ مگر اس سال اور اس کے بعد کے زمانے میں ملک کافور کی اسلامی فوج کی فتوحات کے سامنے جنوبی ہند کی تمام ہندو ریاستوں کا زور ٹوٹ گیا۔ چودھویں صدی میں سلطنت وجیانگر کی ترقی سے جزیرہ نما ہند میں ہندوؤں کا نئے سرے سے دور دورہ ہو گیا۔ اور تقریباً سنہ ۱۳۷۰ء میں انتہائی جنوب کا علاقہ سلطنت وجیانگر کے ہاتھ میں آ گیا[2]؛

حصۂ د

خاندان پلو

خاندان پلو کی ابتدا | پلو کون تھے۔ کہاں سے آئے۔ اور کس طرح انھوں نے جنوب ہند میں اپنے آپ کو اتنی بڑی طاقت بنا لیا؟

---

[1] بکرم چول کے کارناموں کا بیان تامل زبان کی ایک نظم "بکرم چول اُلا" میں پایا جاتا ہے (انڈین انٹی کویری جلد ۲۲ صفحہ ۱۴۲)؛

[2] مدرا کے مسلمان سلاطین کے سکے سنہ ۳۰-۱۳۲۹ سے سنہ ۸-۱۳۷۷ء تک پائے جاتے ہیں۔ (ہلش۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ سنہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۶۸۲)؛

یہ ایسے سوالات ہیں۔ جن کا موجودہ حالات میں شافی جواب نہیں دیا جا سکتا ؛
پَلَوٗ اور پہلَوَسْ کے دونوں الفاظ میں اس قدر مشابہت ہے کہ
بعض مصنفوں نے اس قیاس کو بہت کچھ مان لیا ہے کہ پہلو اور پلو ایک
ہی ہیں۔ اور اس طرح وہ آگے چل کر یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ کانچی کے پلَوٗ راجہ
ایرانی النسل تھے۔ مگر زمانہ حال کی تحقیقات سے اب تک کوئی ایسے
تاریخی واقعات معلوم نہیں ہوئے۔ جن سے اس قیاس کی تائید ہو سکے۔
زیادہ قرین قیاس بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ پلَوٗ یہیں ہندوستان
کی کوئی ذات۔ قبیلہ یا قوم تھی[1]۔ بعض اوقات ان کو "کرمب" سمجھ لیا جاتا
ہے۔ جو بموجب روایت کے ایک زمانے میں ایک سمندر سے لے کر
دوسرے سمندر تک تمام دراوڑی ملک پر متصرف تھے۔ لیکن مسٹر ونکیا نے
بالکل درست کہا ہے کہ "اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ آیا کرمب واقعی
پلَوٗ تھے یا ان سے بالکل جدا تھے"۔ مگر اول تو پلَوٗ ہمیشہ تامل سلطنتوں کے
جانی دشمن تھے اور دوسرے روائیتیں ان کی سلطنت کی حدود کی تصریح نہیں
کرتیں۔ ان دونوں واقعوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ تامل قوم سے
بالکل مختلف تھے۔ اور ان کی حکومت پانڈیا۔ چول اور چیر راجاؤں کے
علی الرغم ان تینوں سلطنتوں پر پھیلی تھی۔ کیونکہ روایات کے مطابق
یہی تین حکومتیں تھیں جن میں جنوبی ہند کا تمام علاقہ منقسم تھا۔ لیکن اگر ہم
ان تمام قیاسات پر نظر کر کے یہ فرض کر لیں کہ پلَوٗ اٹھارھویں صدی کے
مرہٹوں کی طرح ایک غارت گر اور لٹیری قوم تھی۔ جس نے بزور شمشیر تقریباً
چول سلطنت کو ہضم کر لیا۔ اور باقی تامل حکومتوں پر اپنا سکہ جما دیا۔ تو میرے
نزدیک واقعات ایک بڑی حد تک اس قیاس کی تائید میں پائے جائینگے ؛

[1] مسٹر رِی کا خیال ہے کہ یہ نام تامل زبان سے مشتق ہے۔ پل بمعنی "دودھ" مذکر "ادن"
(واحد) اور "آور" (جمع)۔ اور اس طرح پلَوٗ کی وہی ذات ہے جو شمالی ہند میں گوالوں
اور اہیروں کی ہے ؛

وہ ذاتیں جن کا تعلق پلوؤں سے تھا

پُدُکوتئی کی باجگذار ریاست کا راجہ جو کلر قبیلہ کا مسلم سردار ہے۔ اب تک اپنے آپ کو راجہ پلوؤ کہتا ہے اور اُس قدیم شاہی خاندان کی اولاد میں سے ہونے کا دعویدار ہے۔ بقول سر والٹر ایلیٹ کلر[1] "ان قبائل میں سے ہیں جن کا پیشہ غارت گری اور لوٹ مار ہے" اور اس کے علاوہ ان کی "دلیرانہ۔ ان تھک۔ اور فوجی عادات وخصائل" ایسے ہیں جو قدیم پلوؤ خاندان کی تاریخی حالات سے بہت کچھ مشابہت رکھتے ہیں۔ زمانۂ حال سے ذرا قبل ہی کلر کرناٹک کے ضلع جو باشندوں پر غالب تھے۔ اور مرہٹوں کے چوتھ کی طرح ان سے بھی روپیہ وصول کیا کرتے تھے۔ غالب قیاس یہ ہے کہ پلوؤ بھی اپنی تمام سیاسی طاقت کو اسی طرح کام میں لاتے تھے۔ اور ان کی وسعت میں تامل سلطنتوں کی کمزوری اور غاصب قبیلہ کی طاقت کے لحاظ سے کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ پَلّی ذات۔ اور وَلّال کی زراعت پیشہ ذات کے بعض طبقے بھی جو کلر اور مَرَوَ ذاتوں کے ساتھ تعلق رکھنے میں مشہور ہیں، پلوؤ کی اولاد ہونے کے مدعی ہیں۔ ممکن ہے کہ "جرائم پیشہ" اقوام جن میں غالباً پلوؤ شامل تھے۔

[1] ایلیٹ:۔ "کائنز آف سدرن انڈیا"، صفحہ ۴۲ - ۴۱۔ کلر (یا چوروں) کی ذات جو اس پیشہ کو آبائی سمجھتی تھی۔ صرف سرزمین مَرَوَ (ساحل کے پاس کا علاقہ) یا ان اضلاع میں پائی جاتی ہے جہاں مچھلیاں بکثرت دستیاب ہوتی ہیں۔ ملک کے حکمران بھی اسی ذات کے تھے۔ یہ لوگ چوری کے پیشے کو اپنے لئے یا اپنے ساتھیوں کے لئے باعث ننگ وعار نہیں سمجھتے۔ کیونکہ وہ چوری کو محض اپنا ذریعۂ معاش اور موروثی پیشہ تصور کرتے ہیں۔ اور نہ ان کو اپنی ذات یا پیشے سے شرم آتی ہے۔ اگر کوئی کسی کلر سے یہ پوچھے کہ اس کی ذات کیا ہے تو وہ بلا تامل جواب دے گا کہ وہ چور ہے۔ یہ ذات مدراس کے علاقے میں، جہاں یہ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ شودروں میں سب سے زیادہ معزز مانی جاتی ہے۔ (ڈبوآ:۔ ہندو مینرس۔ کسٹمز اینڈ سیریمنیز مصححہ بوچمپ۔ طبع سوم صفحہ ١٧)۔

عام آبادی کے اس حصہ سے تعلق رکھتے تھے جو تامل سے مختلف اور غالباً ان سے زیادہ قدیم تھا[1]۔

قدیم ترین پلّو راجہ

اس خاندان کے قدیم تذکرے چند تانبے کی لوحوں پر لکھے ہوئے عطیات کے کتبے ہیں جو ضلع گنتور میں پائے گئے ہیں۔ ان سے ایک راجہ کا حال معلوم ہوتا ہے جو کانچی میں حکمران تھا۔ اور جس کی سلطنت امراؤتی یعنے دریائے کرشنا کے کناروں تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ عطیات تقریباً چوتھی صدی عیسوی کے شروع کے ہیں۔ اور پراکرت زبان میں لکھے ہوئے ہیں۔ مگر ان میں سلطنت کی ابتدا کے متعلق اشارتاً بھی کچھ نہیں ملتا۔ مگر بہر حال یہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سلطنت تیسری صدی عیسوی ہی میں قائم ہوئی تھی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرض کیا جا سکتا ہے کہ اس کا قیام اندھروں کی سلطنت کے بقایا پر ہوا ہوگا۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی ابتدا اس سے ذرا قبل ہوئی ہو۔ تمام مصنف اس امر میں متفق ہیں۔ کہ کانچی کا راجہ وشنوگپت جس کو ۳۵۰ء میں سمدر گپت نے شکست دی تھی خاندان پلّو ہی کا راجہ تھا۔ اور غالباً ونگی کے راجہ کا ہمعصر ہستی ورمن بھی پلّو ہی تھا۔ وشنوگپت اور ہستی ورمن دونوں کے دونوں نام خاندان پلّو کے شجرۂ نسب میں ملتے ہیں۔ کانچی کا راجہ سمہو ورمن (سنہ جلوس ۴۳۷ء[2]) بودھ مذہب کا پیرو تھا۔ اسی قسم کے چند صرف

---

[1] کڈون (یعنے جنگل کا باشندہ) تامل زبان میں پلّو کا مترادف ہے (انڈین انٹی کویری صفحہ ۱۴۳ جلد ۲۲)۔ اگر پلّو واقعی غیر ممالک کے اور ایرانی نسل کے تھے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ کڈون کہے جائیں اور کلّر اور مَر وَر ذاتوں سے ان کا تعلق بھی ہو۔

[2] یہ تاریخ (سک ۳۵۹ء) اس سنہ کی سب سے قدیم تاریخ ہے۔ اور اس کو جین مت کی ایک کتاب کے خاتمہ سے اخذ کیا گیا ہے (آرکی آلوجیکل سروے آف میسور۔ رپورٹ ۹-۱۹۰۸ء صفحہ ۱۳۔ ۱۹۰۹ء۔ فقرہ ۱۱۵) قدیم پلّو راجاؤں کے متعلق دیکھو:۔ ایلیٹ:۔ "کائنز آف سدرن انڈیا" صفحہ ۳۹۔ اور کیلہارن (ایپی گریفیا انڈکا جلد ۸ ضمیمہ ۲ صفحہ ۱۹)۔

پراگندہ واقعات ہی خاندان پلّوَ کے قدیم راجاؤں کے متعلق معلوم ہیں؛

سمہوشنو

چھٹی صدی عیسوی کے نصف آخر یعنے چلکیا خاندان کی تاریخ کے آغاز سے سنہ ۷۵۳ع یعنے راشٹر کوتون کے ہاتھوں ان کی بربادی تک پلّوَ اور چلکیا خاندانوں کا جو ایک دوسرے کو "فطرتی دشمن" سمجھتے تھے - ہمیشہ تعلق رہا - اور ان میں اکثر جنگ وجدال ہوتی رہی - ہر ایک خاندان کا اصلی مقصد یہ تھا کہ کسی طرح جنوبی ہند کی سلطنت کو بالکلیہ حاصل کرلے - اس تقریباً دو صدی کے عرصہ میں تو بادشاہوں تک شاہی خاندان کا شجرۂ نسب بالکل یقینی ہے[1] - ان راجاؤں کا آغاز سمہوشنو (سنہ جلوس سنہ ۵۷۵ع) سے ہوتا ہے - نرسمہوشنو کا دعوی ہے کہ اس نے لنکا کے راجہ اور تینوں تامل سلطنتوں کو شکست دی تھی؛

مہندر ورمن اوّل
اس کے رفاہ عام کے کام

نرسمہوشنو کا بیٹا مہندر ورمن اول (تقریباً سنہ ۶۰۰-۶۲۵ع) اس کا جانشین ہوا - اس نے ترچناپلی - چنگل پت - شمالی ارکاٹ اور جنوبی ارکاٹ کے اضلاع میں بہت سے سنگی مندروں کو کھدواکر اپنا نام ہمیشہ کے لئے روشن کردیا - اس کے علاوہ اس کی شہرت ارکاٹ اور آرکونم کے درمیان مہندرواڑی کے شہر کے کھنڈروں میں بھی باقی ہے - اسی شہر کے قریب اس نے ایک بڑا زبردست تالاب

---

[1] تفصیلات پروفیسر کیلہارن نے دی ہیں (کتاب مذکورۂ بالا صفحہ ۲۰) - ذیل کا تمام بیان (ان مقامات کے سوا جہاں خصوصاً تصریح کردی گئی ہو) تین کتابوں پر مبنی ہے - یعنے (۱) ونکیا "دی پلّوَ" (آرکی آلوجیکل سروے انڈیا - اینول رپورٹ سنہ ۱۹۰۷-۱۹۰۶ع صفحہ ۲۱۷-۲۴۳) - (۲) ہلش کا "دی پلّوَ انسکرپشنز آف دی سیون پیگوڈاز" (ایپی گریفیا انڈکا جلد ۱۰ (جولائی سنہ ۱۹۰۹ع) صفحہ ۱-۱۴) - اور (۳) ری: "پلّوَ آرکی ٹکچر" سنہ ۱۹۰۹ع - مع (۱۲۴) لوحوں کے یہ کتاب "آرکی آلوجیکل سروے" کی ۳۴ ویں جلد ہے - مسٹر ونکیا کی قبل از وقت وفات سے دنیا کو سخت نقصان پہنچا ہے؛

مہندر بھی تعمیر کرایا تھا۔ چنانچہ وشنو کے نام کا ایک سنگی مندر اس تالاب کے کنارے پر اب بھی باقی ہے[۱]۔

اس کی جنگیں

جنگ و جدل کے معاملے میں مہندر ورمن کو چلکیا راجہ پلکیسن دوم جیسے دشمن صعب سے سابقہ پڑا۔ چنانچہ اس کا دعویٰ ہے کہ اس نے ۶۰۹ء یا ۶۱۰ء میں پلّو راجہ کو شکست فاش دی تھی۔ اسی زمانے کے قریب چلکیا راجہ نے ونگی کے صوبے کو جو پلّو سلطنت کا شمالی حصہ تھا اپنی سلطنت کے ساتھ ملحق کرلیا۔ اور اپنے چھوٹے بھائی کو اس کی حکومت سپرد کردی۔ یہی شخص ہے جس نے مشرقی خاندان چلکیا کی بنیاد ڈالی۔ قیاس غالب یہ ہے کہ ونگی کے ہاتھ سے نکل جانے کے احساس ہی سے پلّو خاندان کو جنوب کی طرف اپنی سلطنت کی وسعت کا خیال پیدا ہوا۔ اور یہ یقینی ہے کہ مہندر ورمن ترچناپلی پر قابض تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شروع شروع میں جین تھا۔ اور تامل قوم کے مشہور مذہبی پیشوا نے اس کو شو کا پرستار بنایا تھا۔ تبدیل مذہب کے بعد راجہ نے جنوبی ارکاٹ کے مقام پاٹلی پترم کی زبردست جین خانقاہ منہدم کرادی اور اس کی جگہ شو کے نام کا ایک مندر تعمیر کرادیا۔ غالباً جین فرقے کے لوگ قدیم دارالسلطنت کے نام کو جنوب میں لے آئے تھے اور مدراس کے قریب اس نام کا شہر آباد ہوا تھا۔ مگر بہرحال یہ واقعہ دلچسپ ضرور ہے۔

نرسمہو ورمن تقریباً ۶۲۵-۶۴۵ء

مہندر ورمن کے جانشین نرسمہو ورمن اول (تقریباً ۶۲۵-۶۴۵ء) کے زمانے میں خاندان پلّو کی طاقت انتہائے عروج کو

---

[۱] "رپورٹ آن ایپی گریفی" مدراس جی۔ او۔ پبلک نمبر ۵۱۸۔ مورخہ ۱۸ جولائی ۱۹۰۵ء صفحہ ۴۷ "آرکی آلوجیکل سروے اینول رپورٹ" ۴-۱۹۰۳ء صفحہ ۲۰۳۔ ۱۸۸۲ء میں جب مسٹر سیول نے اپنی کتاب "لسٹس آف انٹی کوئٹیز (مدراس۔ جلد اول صفحہ ۱۶۲)" میں مہندر وادی پر نوٹ لکھا ہے تو اس وقت یہ علم نہ تھا کہ اس شہر کی بنا پلّو خاندان سے ہوئی ہے۔

پہنچ گئی۔ سنہ ۶۴۲ء میں اس نے اپنے دشمن پلکیسن دوم کا پایۂ تخت واتاپی فتح کر کے گذشتہ شکستوں کا بدلا لیا۔ اور غالباً اس جنگ میں خود پلکیسن دوم بھی مارا گیا۔ مگر یہ یقینی ہے کہ شکست ایسی سخت تھی کہ تیرہ برس تک خاندان چلکیا اپنی کھوئی ہوئی طاقت کو پھر حاصل نہ کر سکا۔ اس کے برعکس پلو راجہ جنوبی ہند کا سب سے زبردست راجہ ہو گیا۔ اور اپنی سلطنت میسور اور دکن کے علاقوں تک وسیع کر لی۔ پلو راجہ کو اس مہم میں لنکا کے ایک شہزادے مانوم سے بہت کچھ مدد ملی۔ چنانچہ آخر میں شکر گذار ہندی راجہ کی فوج کی مدد سے اس شہزادے نے اپنے ملک کے تخت و تاج کو حاصل کر لیا[1]۔

ہیون سانگ کا کانچی میں قیام

ہیون سانگ سنہ ۶۴۰ء میں نرسمہورمن اول کے زمانے میں کانچی آیا اور ایک مدت تک اس نے وہاں قیام کیا۔ اس نے اس ملک کا نام جس کا پایۂ تخت کانچی تھا دراوڑ لکھا ہے۔ اور اس کا محیط ایک ہزار میل بتلایا ہے۔ اس لئے یہ علاقہ بہ ہیئت مجموعی حسب روایت "سر زمین چول" کے برابر تھا اور شمالی پنار اور جنوبی ولار دریاؤں کے درمیان واقع تھا۔ زمین زرخیز تھی۔ اور اس کی کاشت باقاعدہ کی جاتی تھی۔ چنانچہ اس میں ہر قسم کا غلہ۔ اور پھل پھول افراط سے پیدا ہوتے تھے۔ دار السلطنت پانچ یا چھ میل کے محیط کا زبردست شہر تھا۔ اور تمام سلطنت میں جاتریوں کو ایک سو سے زائد بودھ مذہب کی خانقاہیں ملیں[2] اور ان میں اندازاً دس ہزار سے زیادہ بھکشو مقیم تھے۔

---

[1] تھادس حصۂ دوم۔ باب ۷ہم۔

[2] مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان خانقاہوں کے کھنڈر کہاں ہیں؟ ایک زبردست عمارت "جہاں ملک کے تمام مشاہیر جمع ہوا کرتے تھے" کانچی کے جنوب میں واقع تھی اور اشوک کا بنایا ہوا سو فٹ بلند ایک ستوپ اس کے قریب ہی تھا۔

یہ سب کے سب لنکا کے لوگوں کی کثیر تعداد کی طرح مہایانا کے ستھور فرقے کے پیرو تھے۔ ہندو اور جین مذہبوں کے مندر تعداد میں کم و بیش اسّی تھے۔ اور جنوبی ہند کے اکثر اقطاع کی طرح یہاں بھی ڈگمبر یعنے ننگے جینوں کا زور تھا۔ زیادہ جنوب کی طرف سلطنت پانڈیا سے بودھ مذہب تقریباً ناپید ہو چکا تھا۔ کانچی کو جو ہندوؤں کے سات سب سے مقدس مقامات میں شمار ہوتا ہے۔ بودھ مذہب والے اس وجہ سے مقدس مانتے تھے۔ کہ وہاں ان کا ایک مشہور و معروف فلسفی دھرمپال پیدا ہوا تھا۔ یہ شخص نالندا کی خانقاہ کے ناظم کی حیثیت سے ہیون سانگ کے استاد سیلبھدر کا پیشرو تھا[1]۔

عمارات۔ چٹانوں سے کھدے ہوئے قدیم ترین مندر مامل پورم کے مقام پر "سات مندر" (سیون پیگوڈاز) کے نام سے مشہور ہیں۔ یہی جگہ آج کل دھرم راج رتھ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مندر مہندر ورمن کے بنائے ہوئے ہیں۔ کیونکہ اس نے مہامل یعنے "شجاع اعظم" کا خطاب اختیار کیا تھا۔ اور اسی لقب پر شہر کا نام رکھا گیا۔ اسی قسم کے اور مندر بھی اس وقت تک جب کہ پلو کے موروثی دشمنوں نے ان کے دارالسلطنت کانچی پر قبضہ کر لیا تھا برابر پلو راجہ بناتے رہے[2]۔ اور غالباً ان میں سے بعض مندروں کے ناتمام رہ جانے کی وجہ یہی آفت سماوی ہو گی۔

---

[1] بیل:- ریکارڈس۔ جلد ۲ صفحہ ۲۲۸-۲۳۰۔ لائف صفحہ ۱۳۸-۱۴۰۔ وٹیرس۔ جلد ۲ صفحہ ۲۲۶-۲۲۸۔ آئی۔ سنگ:- ریکارڈس آف دی بُدھسٹ ریلیجن۔ ترجمہ تکاکسو۔ مقدمہ ۵۷ و ۵۸۔ متن کتاب صفحہ ۱۷۹ و ۱۸۱۔

[2] اس شہر کا نام مختلف طور پر لکھا جاتا ہے۔ مثلاً ماولی ورم۔ مہابلی پور۔ مہاولی پور وغیرہ۔ مگر متن کتاب میں صحیح نام درج کیا گیا ہے۔ "بلی" یا "ولی" کا لفظ غلطی پر مبنی ہے۔

وہ خوبصورت اور عالیشان مندر جو اب کانچی میں کیلاس ناتھ کے نام سے مشہور ہے نرسمہور من دوم الملقب بہ راجسمہر نے تعمیر کرایا تھا۔

پرمیشور ورمن — ۶۵۵ئہ یا اس کے قریب پلکیسن کے بیٹے بکرماجیت اوّل چلکیا نے اپنے خاندان کی کھوئی ہوئی عظمت کو پھر حاصل کیا اور نرسمہورمن کے جانشین پرمیشور ورمن سے اپنے باپ کی سلطنت پھر فتح کرلی۔ اس جنگ کے دوران میں پلو کے پایۂ تخت کانچی پر چلکیا خاندان والے تھوڑی مدت کے لئے قابض و متصرف ہو گئے۔ اور دوسری طرف پلو کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے پیرو لنلور مقام پر اپنے دشمنوں کو شکست دی تھی۔

نندی ورمن — یہ دوامی جنگ بعد کے راجاؤں کے زمانے میں بھی برابر جاری رہی۔ ۷۴۰ئہ میں بکرماجیت دوم چلکیا نے ایک مرتبہ پھر کانچی پر قبضہ کیا۔ اور نندی ورمن پلو کو ایسی سخت اور قطعی شکست دی کہ اس واقعہ کو پلو کی حکومت اور عروج کے خاتمہ کا آغاز سمجھنا چاہیے۔ نندی ورمن، جو تقریباً ۷۲۰ئہ میں نرسمہورمن دوم کا جانشین ہوا سمہوشنو کے ایک بھائی کی اولاد ہونے کی وجہ سے اس راجہ کا رشتہ کا بھائی تھا۔ اس طرح جانشینی کے قواعد و ضوابط میں جو ایکبارگی تغیر و تبدل واقع ہوا ہے۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ عام انتخاب پر مبنی تھا۔ اور کانجی ورم (کانچی) کے مقام پر ویکنٹ پیرمال کے مندر میں ایسی سنگتراشی کے نمونے خستہ حالت میں موجود ہیں۔ جن کے ساتھ ان کا موضوع سمجھانے کے لئے عبارتیں بھی موجود ہیں۔ ان نمونوں کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اسی خاندانی انقلاب کی تصویر پیش کرتے ہیں[۱]۔

آینڈ اجنتا — نندی ورمن نے کم و بیش نصف صدی تک حکومت کی۔

---

[۱] "رپورٹ آن ایپی گرافی" مدراس جی۔ او۔ پبلک نمبر ۴۹۲ مورخہ ۲ جولائی ۱۹۰۶ئہ نقرہ ۴-۲۔

اور اپراجت اس کا جانشین ہوا۔ اس نے سری پربیا کی جنگ میں پانڈیا راجہ ورگن دوم کو شکست دی۔ مگر نویں صدی کے آخری حصے میں خود آدت چول سے مغلوب ہو گیا۔[1] اس واقعہ کے بعد پلو کی عظمت، جو اس سے قبل ۷۴۰ء خاندان چلکیا کی کامرانیوں کی وجہ سے بہت کچھ کمزور اور ضعیف ہو گئی تھی، اب بالکل ٹوٹ گئی۔ اور چول نے ان کی جگہ لی۔ اور جیسا کہ اس سے قبل بیان ہو چکا ہے۔ انھوں نے دسویں اور گیارھویں صدی کے دوران میں کم و بیش مکمل طور سے جنوب کی تمام سلطنتوں کو اپنے حیطۂ اقتدار میں لے لیا۔

راشٹر کوتوں سے جنگ

اپنے زوال و انحطاط کے زمانے میں بھی پلو سرداروں نے جنگ و جدل کا سلسلہ برابر قائم رکھا۔ آٹھویں صدی کے وسط میں جب خاندان چلکیا کی بربادی پر راشٹر کوتوں نے ان کی جگہ لی تو دکن کی سلطنت اعلیٰ اور ان کے جنوبی رقیبوں میں عناد اور کشمکش کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اور نئے فرمانرواؤں نے خاندان پلو کے ساتھ فوراً پرانے تنازعات کی یاد کو تازہ کیا۔ خاندان چلکیا کے برباد کن دنتی درگا کے چچازاد بھائی راجہ دھرو نے ۷۷۵ء میں پلو خاندان کو شکستِ فاش دی۔ اور اس کے بیٹے گوبند سوم نے ۸۰۳ء میں کانچی کے راجہ دنتگ سے خراج وصول کیا۔

شاہان گنگ

دسویں صدی کے دوران میں ہم کو شاہان پلو اور گنگوادی یا میسور کے شاہان گنگ کے درمیان جنگوں کا پتہ چلتا ہے۔ موخرالذکر خاندان مغربی گنگ کے نام سے مشہور ہے اور تاکہ ان کو اسی نام کے راجاؤں سے تمیز کیا جا سکے جو مشرق کی جانب کلنگ پر حکمراں تھے اور کلنگنگرم یعنے ضلع گنجام میں موجودہ مکھلنگم کا

[1] "رپورٹ آن ایپی گریفی" مدراس جی۔ او۔ پبلک۔ نمبر ۴۹۲۔ مورخہ ۲ جولائی ۱۹۰۶ء۔ نقرہ ۲ و ۵۔ اور نمبر ۵۰۲۔ مورخہ ۲۷ جون ۱۹۰۷ء۔ نقرہ ۸ و ۲۴ - ۱۹ تک

مقام ان کا صدر مقام تھا۔ کلنگ کے مشرقی خاندان گنگ کا سب سے زبردست مشہور راجہ اننتورمن چودگنگ تھا اس نے ۱۰۷۶-۱۱۴۷ء تک اکہتر برس حکومت کی اور گنگا سے لے کر دریائے گوداوری تک کے خاصے وسیع علاقے پر اپنا تسلط جما لیا۔ اسی نے جگناتھ پوری کا مندر تعمیر کرایا تھا[۱]۔

آخری پلّوَ راجہ خاندان پلّوَ کے آخری راجہ بڑی بڑی سلطنتوں کے محض باجگذار امرا اور عمال رہ گئے تھے۔ اور یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ راجہ بکرم چول کے باجگذاروں میں بارھویں صدی کے اوائل میں پلّوَ راجہ کی حیثیت سب سے زیادہ سمجھی جاتی تھی[۲]۔ پتہ لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ محدود مقامی راجاؤں کی صورت میں وہ تیرھویں صدی تک باقی رہے۔ اور پلّوَ امرا کے نام تو سترھویں صدی تک سننے میں آتے ہیں۔ مگر اس صدی کے بعد پلّوَ کا نام امتیازی نسل یا قوم ہونے کے لحاظ سے بالکل مٹ جاتا ہے اور وہ کلّر۔ پلّی اور وَلّال ذاتوں میں ضم ہو جاتے ہیں[۳]۔

۱؎ من موہن چکرادرتی: "کرانالوجی آف دی ایسٹرن گنگا کنگس آف اڑیسہ" (یہ ایک نہایت ہی اچھا مضمون ہے)۔ جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ جلد ۷۲ حصہ ۱ (۱۹۰۳ء) کھلنگم کے لیے جو پرلکیمدی سے کوئی بیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ دیکھو ایپی گریفیا انڈکا جلد ۴۔ صفحہ ۹۳-۱۸۳۔ اور مدراس جی۔ او۔ پبلک نمبر ۸۲۹-۲۷، ۸۔ مورخہ ۲۵ اگست ۱۹۰۲ء مغربی گنگ خاندان کی تاریخ پر ڈاکٹر فلیٹ نے "کنریز ڈائنسٹیز" میں بحث کی ہے۔

۲؎ انڈین انٹی کویری جلد ۲۲ صفحہ ۱۴۳۔

۳؎ پلّوَ کے کتبات کے مضامین کا ایک ملخص فلیٹ "بمبئی گزیٹیر" (۱۸۹۶ء) جلد ۱۔ حصہ ۲ ڈائنسٹیز آف دی کنریز ڈسٹرکٹس" طبع دوم میں جمع کر دیا ہے۔ یہ کتبے وہ ہیں جو ۱۸۹۶ء تک دریافت ہوئے تھے۔ اس کے بعد کی تمام دریافتوں پر "ساؤتھ انڈین

مذہب

پانچویں صدی عیسوی میں سب سے پہلے تاریخی پلو راجہ نے امراوتی میں ایک مورت مندر میں بطور نذرانہ پیش کی تھی۔ اس کے متعلق صریحاً یہ بیان موجود ہے کہ بودھ کا چیلا تھا۔ اور غالب قیاس یہ ہے کہ اس خاندان کے دوسرے اراکین بھی ضرور بودھ مذہب کے پیرو ہوں گے[1]۔ مگر چند شہزادے بالخصوص شو کے مذہبی فرقے سے تعلق رکھتے تھے[2]۔ مہندر ورمن شروع زندگی میں جین تھا۔ اور شیو کے فرقے والوں کو اذیتیں پہنچاتا تھا۔ مگر آخر کار اس نے شیو کا مذہب اختیار کر لیا۔ اور اپنے پرانے دوستوں کو ستانا شروع کیا۔ اور ان کی سب سے بڑی خانقاہ کو منہدم کرا دیا[3]۔

مگر ان خاص خاص واقعات کو نظرانداز کر دینے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ بالعموم حریف اور مد مقابل مذاہب کے پیرو پہلو بہ پہلو صلح و آشتی سے رہتے تھے اور ہر ایک کی حکومت پوری پوری حفاظت کرتی تھی۔ کم از کم ہیون سانگ کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۶۴۰ع میں یہی حال تھا۔ بعد کے تمام پلو راجہ بظاہر شو کے پرستار تھے۔ اور اس کے نشان یعنے بیل کو انھوں نے اپنے خاندان کا طغرا مقرر کیا تھا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ انسکرپشنز" (اینول پروگرس رپورٹس آف دی آرکی آلوجیکل سروے)۔ کیلہارن کی "لسٹ" اور "سپلیمنٹ" (اپی گریفیا انڈکا جلد ۷ و ۸ ضمیمہ) اور دوسری کتب مذکورہ میں بحث کی گئی ہے۔

[1] امراوتی کا کتبہ نمبر ۳۹۔ (ساوتھ انڈین انسکرپشنز جلد اول صفحہ ۲۵)۔ اس کتبے کو نیچے سے اوپر کی طرف پڑھنا چاہیئے۔ میں نے راجہ سمہورمن اور اس بادشاہ کے ایک ہی ہونے کو فرض کر لیا ہے جو ۴۳۷ع (سک ۳۵۹ سنہ) میں تخت پر بیٹھا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ کتبہ کسی قدیم تر کتبے کی نقل ہو۔ (ونکیا کتاب مذکورۂ بالا صفحہ ۲۴۸ حاشیہ ۹)۔

[2] مثلاً ہستی ورمن (اُتورما)۔ وجیا سکند ورمن۔ وشنو گوپا ورمن۔

[3] ونگیا۔ کتاب مذکورۂ بالا صفحہ ۲۳۵ مع حواشی۔

ان میں دو بادشاہ مذہب کے معاملے میں ایسے جوشیلے تھے کہ ان کو (۶۳) شیوا کابر مذہب کے زمرہ میں جگہ دی گئی ہے[1]۔

خاتمہ۔ میرا کام جو میں نے محض شوقیہ اپنے ذمے لے لیا تھا۔ ختم ہو گیا ہے۔ اور یہ کتاب اب اپنی نئی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ جہاں تک مصنف کا تعلق ہے یہی شکل اس کی آخری شکل معلوم ہوتی ہے۔ پچیس برس ہوئے کہ اس کا خاکہ تیار ہوا تھا۔ اور اس کے سولہ برس بعد وہ نہایت ناتمام صورت میں سب سے پہلے شایع ہوئی۔ اس ناتمام کتاب کو ناظرین نے جس طرح ہاتھوں ہاتھ لیا تھا اس سے امید بندھتی ہے کہ اسے بھی وہی عزت و شرف حاصل ہوگا۔ اور اس سے ہند قدیم کی تاریخ کے مطالعہ میں جس میں اب ہندوستانی اور بیرونی علماء کثرت سے منہمک ہیں۔ مدد ملے گی اور اس میں دلچسپی پیدا ہوگی۔ مورخ کے تنگ و تاریک راستے پر روزانہ اس قدر روشنی کی شعاعیں پڑ رہی ہیں کہ مجھے قوی امید ہے کہ میرے بعد کے علماء ان مقامات سے جہاں ہر قدم پر میرا پیر پھسلتا تھا اور لغزش پیدا ہوتی تھی۔ نہایت اطمینان قلب کے ساتھ گذریں گے۔

اس کتاب میں ہندوؤں کی ہندوستان کی سیاسی تاریخ سے بحث کی گئی ہے۔ یہی ملک واقعی طور پر برہمنوں کے وطن ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ اور اس میں اُس کی عجیب و غریب تمدن و تہذیب کی وجہ سے ایک خاص کشش اور فریفتگی پیدا ہو گئی ہے۔ ہندوؤں کے ہندوستان کی یہی اجنبیت بمقابلہ اسلامی یا برطانوی فتوحات کے اس کی تاریخ کو یوروپین اور امریکن تمام ناظرین کے لئے خشک بنا دیتی ہے۔ مگر جو شخص ہندوستان کی موجودہ حالت کو کماحقہٗ سمجھنا چاہتا ہو اُس کو

---

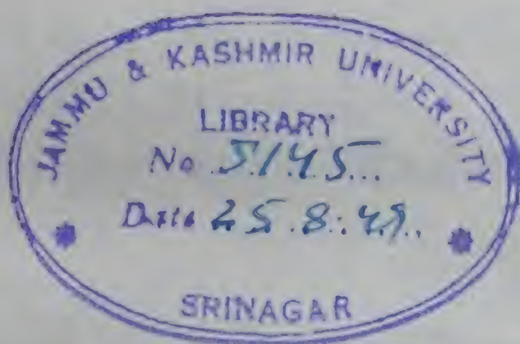
[1] ایضاً صفحہ ۲۲۹۔ حاشیہ ۱۱۔

چاہیئے کہ اپنا تھوڑا بہت وقت قدیم تاریخ کے مطالعہ میں بھی صرف کرے۔

ہندوستان کی سیاسی تاریخ یونان - روم یا موجودہ یورپ کی تاریخوں سے اس معاملے میں مقابلہ نہیں کرسکتی کہ اس میں شہروں یا سلطنتوں کے آئین وقوانین کا ارتقا پایا جاتا ہے - دوسری ایشیائی اقوام کی طرح ہندوستانی بھی ہمیشہ خودمختارانہ حکومت ہی پر قانع رہے ہیں - اور ان دو حکومتوں کے درمیان فرق صرف خودمختار بادشاہوں کے مزاج اور قابلیتوں کا فرق ہی متصور ہو سکتا ہے - اور اس سے ہرگز یہ مراد نہیں ہوتی کہ آئین میں بھی کسی قسم کا ارتقا پیدا ہوا تھا - چندرا گپتا موریا - اشوک اور اکبر جیسے لائق وفائق بادشاہوں کے بنائے ہوئے قواعد وضوابط بالعموم ان ہی کی زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو جایا کرتے تھے - حکومت ہند کا وہ دستور العمل جو اب بتدریج تیار ہو رہا ہے بیرونی اثرات سے متاثر ہے - جن لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیئے اس کو اختراع کیا جا رہا ہے ان کی سمجھ سے باہر ہے - اور ممکن ہی نہیں کہ وہ بالعموم ہردلعزیز ہو جائے۔

تاریخ ہند کی سب سے اہم شاخ اس کی علمی ترقیوں کی تاریخ ہے - مگر کسی ملک کے فلسفی - مذہبی - علمی - ادبی اور فنون لطیفہ کی صحیح معنوں میں تاریخ لکھنے کے لیئے یہ نہایت ضروری ہے کہ اس کے سیاسی واقعات وانقلابات کی تاریخ مکمل کر لی جائے - وہ ناظرین جن کو ایسی تاریخ خشک یا بعض مرتبہ نفرت انگیز معلوم ہوتی ہو - ان کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کے وجود سے وقت وسنہ کے لحاظ سے اور زیادہ دلچسپ کتابوں کا لکھا جانا ممکن ہوگا۔

تمت



JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY
No. 5145
Date 25.8.49
SRINAGAR

فہرست اسماء رجال و مقامات قدیم تاریخ ہند

الف

ایلفنسٹن	Elphinstone
اسٹین	Stein
اولڈنبرگ	Oldenberg
ایرین	Arrain
اپولونئیس	Apollonios
ایلیٹ	Elliot
انٹیاکس تھیوس	Antiochos Theos
ایوبک	Euboic
اگرامیس	Agrammes
اگرینین	Agrianian
ایریگیان	Arigaion
اسکنوئی	Assakenoi
ایساکنوس	Assakenos
ارناس	Aornos
اورا	Ora
امبولیما	Embolima
اوروبیٹس	Orobatis
اتھینے	Athene
اکے سینز	Akesines
آرسکیز	Arsakes
آمفس	Omphis
ارسٹوبولس	Aristoboulos
ایبٹ	Abbot
ابی سریز	Abisares
آکسی ڈریکائی	Oxydrakai
آڈرالیسٹائی	Adraistai
ایمان	Ammon
اولمپیا	Olympai
اپالو	Apollo
ایتھنز	Athens
آرکن	Archon
آلس پسٹومئس	Aulics Postumius
ایٹک	Attic
اُل	Ol
اُنگر	Unger
اگلسوی	Agalassoi
ابریس	Abreas
الئیان	Ilion
اکسیرٹیز	Oxyartes
اکستھروئی	Oxthrei
آسڈوئی	Ossadioi

افیموٹئی	Aphamiotai
آکسی کناس	Oxiknos
اراکوسیہ	Arachosia
اٹلاس	Attalos
انٹی جنیز	Antigenes
اگنور	Agenor
الکزنڈرس ہیون	Alexander's Haven
اربس	Arabis
ارٹئی	Oreitai
اربوئی	Arabioi
اپالوفینز	Apollophanes
اختھوفے گگوٗ	Ichthyophagoi
انٹی پیٹر	Antipater
انٹی گونس	Antigonos
اپساس	Ipsos
ایلین	Aelian
اتھینیم	Atheneaum
ایلی ٹروکیڈیس	Allitrochades
اتھنیوس	Athenaios
انٹی آکس سوٹر	Antiochs Soter
اپین	Appain
اولڈفیلڈ	Oldfield
آٹوفرینک	Otto Franke
امیلی سینارٹ	Emile Senart
اڈمنڈس	Edmunds

اپیرس	Epirus
انٹی گنوس گونٹس	Antigonos Gonatas
ارمینڈرس	Erymandrus
اروسئیس	Orosius
ارسکیز تھیوس	Arsakes Theos
ازیس	Azes
ازلیسیس	Azilises
ابدگسیس	Abdagases
آرتھگنیس	Orthanges
اوریجن	Origen
اگے سلوس	Agesilaos
اگتھوکلیا	Agathokleia
اگتھوکلیز	Agathokles
امنٹس	Amyntas
انٹی الکڈس	Antialkidas
انٹی میکس	Antimachos
آرکیبئاس	Archebios
ارٹی میڈراس	Artemidros
اپینڈر	Epander
انی کیٹاس	Aniketos
آگسٹس	Augustus
امئینس مارسی لینئس	Ammiances Marcellinus
آتھو	Otho
انٹونینس پئیس	Antoninus Pius
ایلاگبیلس	Elagabalus

الگزنڈر سیویرس	Alexander Severus
اولڈہیم	Oldham
انڈی میان	Endymion
اٹلا	Attila
اٹنگاسن	Ettinghausen
الفرڈ لائل	Alfred Lyall
ابٹسن	Ibbetson
الارک	Alaric

ب

بیوہلر	Buhler
(مسنر) بوڈ	Bode (Mrs)
بیلی	Bayley
بیل	Beal
برگس	Burgess
بلاک	Block
بیلو	Bellew
(سر) بنڈن بلڈ	(Sir) Bindon Blood
بیسٹس	Bessus
بوک فلا	Boukephala
برکلے ہیڈ	Barclay Head
برنس	Burnes
(سر) بارٹل فیریر	(Sir) Bartle Frere
بوڈرومیان	Boedromion
بیون	Bevan
بنڈل	Bendall
برناف	Burnouf
برنیٹ	Burnett
بیلیکورس	Beleokourus
برڈینس	Bardanes
بطرے	Petra
برڈٹ	Burdett
باسل	Basil
بُشل	Bushell
برن	Burn
بیورج	Beveridge
بائڈ	Boyd
بلاک مین	Blochmann
بٹویل	Batauyal (U. C.)
بوچنن	Buchanan
بیڈن پاول	Baden Powell
بیمز	Beames
بریکس	Breeks
برنل	Burnell

پ

پرگیٹر	Pargiter
پٹری	Petrie

پریلو	Priaulx
پلوٹارک	Plutarch
پرڈکس	Perdikkas
پنکوٹ	Pencott
پیوکیلیٹوٹس	Peukelaotis
پلنی	Pliny
پبلس کارنی لئیس	Publius Cornelius
پیوکس ٹس	Peukestas
پیروپنیسڈی	Paropanisadai
پٹلینی	Patalene
پوسیڈن	Poseidon
پرنسپ	Prinsip
پرہس	Pyrrhus
پیونک	Punic
پرگیمم	Pergamum
پولی بئیس	Polybius
پنٹیلیون	Pantaleon
پلس اتھینی	Pallas Athene
پولکسناس	Polyxenos
پن-چو	Pan-chao
پلمیرا	Palmyra
پرٹناکس	Pertinax
پیوٹنگیرین	Peutingerian
پوپ	Pope
پارمےنین	Parmenion

(ت)

تھرلول	Thirlwell
تھریسین	Thracian
تھارٹن	Thorton
تھیوفلس	Theophilos
تھرسٹن	Thurston
تا-ہیا	Ta-hai

(ٹ)

ٹامیلین انٹی کویری	Tamilian Antiquary
ٹرنر	Turner
ٹولمی (بطلیموس)	Ptolemy
ٹانی	Tawney
ٹیوبنر	Teubner
ٹائی ریسپیز	Tyriaspes
(سر) ٹامس ہربرٹ	(Sir) Thomas Herbert
ٹری پراڈی سوس	Triparadeisos
ٹولمی فلیڈلفس	Ptolemy Philadelphos
ٹامس (ایف-ڈبلیو)	Thomas(F. W.)
ٹمپل	Temple
ٹرن	Tarn
ٹیلی فوس	Telephos
ٹائیبیریئس	Tiberius

ٹراجن	Trajan
ٹیٹس	Titus
ٹیفینتھالٹر	Tieffenthalter
ٹیٹ (جی پی)	Tate (G. P.)
ٹفنل	Tufnell

ج

جان سٹل	John Still
جولیا ڈومنا	Julia Domna
جولین	Julien
جسٹن	Justin
جارڈائن	Jardine
جیکسن	Jackson
جوزف دہلمان	Joseph Dahlmann
جیولئینس	Julianus
جسٹینین	Justinian

چ

چاؤنیز	Chavannes
چیزنی	Chesney
چنگ-کیان	Chang-kien
چارلس ریولنز	Charles Ruelens

ڈ

ڈوسن	Dowson
ڈینی سن راس	Denison Ross
ڈایوڈورس	Diodorus
ڈیئونی ساس	Dionysos
ڈرٹا	Dyrta
ڈلفیا	Delphai
ڈرنگیانہ	Drangiana
ڈیمکاس	Deimachos
ڈرائسن	Droysen
ڈیمٹرئس	Demetrios
ڈیوڈیس	Diomedes
ڈیکیوس	Dekaios
ڈورن	Dourin
ڈگلاس	Douglas
ڈیون کیسئس	Dion Cassius
ڈومیشئین	Domitian
ڈاکلیشئن	Diocletion
ڈف	Duff
ڈومزڈے بک	Domesday Book
ڈبوآ	Dubois

ر

رؤس	Rouse

رہس ڈیوڈس	Rhys Davids
رالنسن	Rawlinson
ریورٹی	Raverty
ریپسن	Rapson
راک ہل	Rockhill
رائڈر	Ryder
ری	Rae
رینو	Reinaud
رائٹ	Wright
رسلے	Risley

ز

زخاؤ	Sachau
زندرامس	Xandrames
زوس	Zues
زیتھروئی	Xathroi
زیونیسیس	Zeionises
زنتھی پاس	Xanthippos
زئیلوس	Zoilos
زیویر	Xavier

س

سنکلیر (مسٹر)	Sinclair
سسو-ماچین	Ssu-ma-ch'ien
سیلوکس نیکیٹر	Seleukos Nikator
سیول	Sewell
سلوین لیوی	Sylvian Levy
سپیر	Speyer
سٹریبو	Strabo
سی سی کوٹس	Sisikottos
سموتھریس	Samothrace
سوفائی ٹیز	Sophytes
سیکروفورین	Skeirophorion
سبوئی	Siboi
سبرسی	Sabarcae
سمبس ٹئی	Sambastai
سوڈرئی	Soddrai
سیورائٹ	Siviwrightu
سیمیرمیس	Semiramis
سلیرا	Selera
سمباس	Sambos
سٹسنڈراس	Stasandros
سٹیسنار	Stasanor
سبرٹئاس	Sibyrtios
سائمز	Symes
سنگرمنو	Sangermano
سینٹ آوز	St. Ives
سگرڈس	Sigerdis

کاول	Cowell	کرامول	Cromwell
کیلہارن	Kielhorn	کرک	Crooke
کٹیسئس	Ktesias	کارلائل	Carlleyle
کینیڈوس	Knidos	کرن	Kern
کونٹس کرٹس	Quintus Curtius	کورسموئی	Chorasmioi
کونی بیر	Conybeare	کرولا نیومسمیٹکا	Corolla Numismatica
کارڈیر	Cordier	کڈ فائسس	Kadphises
کننگھم	Cunningham	کیلئاپ	Kalliope
کلپروتھ	Klaproth	کلیمنٹ	Clement
کینڈی	Kennedy	کاسمس انڈکو	Cosmas Indico
کس پے پیروس	Kaspapyros	پلسٹینز	pleustes
کریٹراس	Kretros	کورنتھ	Corinth
کرسبی	Karasibie	کرسٹ	Kriste
کنڈسبی	Kondasbe	کاسما کروسی	Cosma Korosi
کلیوفس	Kleophis	کیوٹیو کیئو -	Kieu-tsieu-Kio
کیانوس	Koinos	کوزلکڈفیس	Kozola Kadaphes
کتھوئی	Kathaioi	کو-فو	Kao-Fu
کبیرائی	Cabeiri	کی-پن	Ki-pin
کورٹ	Court	کلی گلا	Caligula
کونسل	Consul	کموڈس	Commodus
کریمس	Chremes	کراکلا	Caracalla
کنگسمل	Kingsmill	کا-پی-لی	Ka-pi-li
کوسنس	Cousens	کیتھ	Kieth
کونگ اسوکا	Konig Asoka	کے	Kaye
کوسمبی	Kosambi	کنو	Konow

نورا	Nora
نیکے	Nike
نیکیا	Nikaia
نوسلا	Nosala
نیس	Neise
نونیز	Nuniz
نیوٹن	Newton
نیکئس	Nikias
نیوبہر	Niebuhr
نن-تیو-می	Nan-tiu-mi
نیرو	Nero
نروا	Nerva
نیول پیری	Noel Peri
نکنور	Nikanor

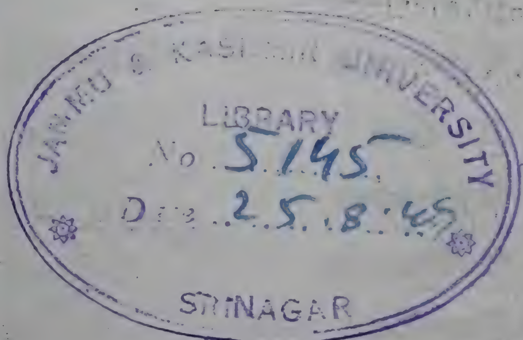
و

ولسن (ایچ-ایچ)	Wilson (H. H.)
وٹیرس	Watters
وگنے	Vigne
ویڈل	Waddel
ویبر	Weber
وُوُنوزنیس	Vonones
ونڈش	Windisch
وسلجیو	Wassiljew
وُو-سُن	Wu-sun
وُو-تی	Wu-ti
ویٹیلئس	Vitallius
وسپیسئین	Vespasian
ویلیرین	Valerian
ویلنز	Valens
وسلیف	Wassilieff
ولش	Walsh
ولہاؤس	Walhouse

ہ

ہیروڈوٹس	Herodotus
ہرمان جیکوبی	Hermann Jacobi
ہارنل	Hoernle
ہال	Hall
ہیکاٹائس	Hekataiois
ہلبرنٹ	Hillebrandt
ہے فی اسٹیان	Hephaistion
ہائی پس پسٹ	Hypaspist
ہولڈیچ	Holdich
ہائی ڈس پیز	Hydaspes
ہائی ڈروٹیز	Hydraotes
ہے گے مان	Hegemon
ہوگرتھ	Hogarth

ی


JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY
No. 5145
Date 2.5.8.45
SRINAGAR

غلط نامہ قدیم تاریخ ہند

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳	۸	اگر	اگرچہ
۵	۱۹	ہوگیا	آگیا
۵	۲۱	سند	سندیں
۱۰	۲۰	جو	اور
۱۰	۲۲	یقین	تعین
۱۰	۲۴	انٹیکوپری	انٹیکویری
۱۱	۲۲	اسٹیسن	اسٹین
۱۴	۱۸	آرین	ایرین
۱۴	۲۱	بیگاس	لیگاس
۱۵	۲۴	ٹی سی۔ کومنی ہیر	ایف سی کونی بیر
۱۷	۱۰	اس کے	ان کے
۱۷	۱۵	ویس	وینس
۱۷	۲۳	پول	مین یُول
۲۰	۱۵	کیوسس	لیوسس
۲۴	۱۷	سمندرگیت	سمدرگپت
۲۶	۱۵	زبان	بان
۲۷	۶	یراں	ہیران
۲۷	۱۳	پارگیٹر	پرگیٹر
۳۱	۵	ڈیٹرس	ویٹرس

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۵	۶	دراور	دراوڑ
۳۷	۱۵	آرکی آلوجی کلا	آرکی آلوجی کل
۳۸	۱۹	انکا	انگا
۳۹	۱۴	انکا	انگا
۴۱	۱۷	بنگال جین	(بنگال) میں
۴۱	۲۳	اسان	موجود
۴۲	۵	اس	اس سے
۴۲	۲۴	ہرہت	بھرہت
۴۳	۲۳	ہرہٹ	بھرہت
۴۵	۱۲	جالستر	اجالستر
۴۹	۱۱	کااجیں	یعنی اجین
۵۰	۱۱	ہوسکتا	کاہوسکتا
۵۱	۲۴	Le	Ce
۵۵	۱	چندراگپت	چندراگپتا
۵۵	۲۴	ملک کرنڈل	میک کرنڈل
۵۶	۱	سندھ کی	سندھ کے
۵۶	۲	پردیون	پردیسیوں
۶۳	۱۸	پارمے تین	پارمے نین

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۰	۱	مسکا	مسگا
۷۰	۶	مسکا	مسگا
۷۱	۱۳	״	״
۷۳	۱۳	״	״
۷۵	۱	اور امسکا	مسگا
۷۵	۱	اور وبٹیس	اور وٹیس
۷۵	۴	قطع	منقطع
۷۵	۹	کرلے ٹراس	کرٹیراس
۸۶	۲۲	بلامزاحمت	×
۹۱	۱۵	بادشاہ کی طرح	شاہانہ
۹۲	۲	بنکیا	نیکیا
۹۲	۲۳	ٹینگز	ٹینگر
۹۳	۱۴	الی سریز	ابی سریز
۹۸	۲۰	شلیسٹو	شلیٹو
۱۰۳	۲۰	انیس	انبس
۱۰۵	۱۲	ہو	ہوگا
۱۲۰	۱۸	ہائی فے سمس	ہائی فے سس
۱۲۸	۲۲	سکندر	سکندر نے
۱۳۱	۷	آسٹروی	آسٹڈوئی
۱۳۳	۹	لیسی ڈی مون	لیسی ڈی مونیا
۱۳۴	۳	اطاعت التماس	التماس اطاعت
۱۳۵	۷	منظور کیا	اطاعت کو منظور کیا
۱۳۷	۱	سمجھ کر	سمجھ کر کہ
۱۳۸	۵	جذر	جزر
۱۴۰	۱۹	اس لئے	اس لئے وہ
۱۴۲	۱	بٹروں	بیرٹے
۱۴۸	۸	بردیٹی سڈی	پروینی سڈی
۱۴۹	۲۲	گو	کو
۱۴۹	۲۰	فوج	فوج کا
۱۵۳	۶	بونکل	بوکفلا
۱۵۵	۳	۲۲۱ سنہ	۳۲۱ سنہ
۱۵۵	۷	اُبھی	ابھی
۱۵۵	۱۵	اٹننیگز	انٹی گونوس
۱۵۶	۱۶	کس	کہیں کہ
۱۵۷	۸	اور	وہ
۱۶۰	۱۴	آریانے	آریانہ
۱۶۰	۱۴	سترابی	کی سترابی
۱۶۰	۲۱	البساس	ابیساس
۱۶۰	۱۵	مقبوضہ	مفوضہ
۱۶۳	۱۶	اٹیروس کرائیڈی	انیرڈس کرائبڈ
۱۶۳	۲۰	اس کو	اس پر
۱۶۵	۱۸	حصے	ہر حصے
۱۶۷	۱۲	دموتا	دھوتا
۱۶۷	۱۵	ایسا	ایسے
۱۷۲	۸	تونصل	تونصل
۱۷۲	۱۴	کی	کی سلطنت
۱۷۲	۱۴-۱۵	کی سلطنت	×

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۷۵	۱	سیپرد	سپرد	۲۱۳	۲۰	سے	یں
۱۷۶	۴	کرتے تھے	کرتی تھیں	۲۲۰	۲۴	کائلنز	گائلنز
۱۷۶	۱۹	کے	اور	۲۲۲	۱۳	میں	ہیں اُس
۱۸۰	۱۸	گی	کی	۲۲۴	۲۱	پائن	پاٹن
۱۸۰	۲۲	گو	کو	۲۲۴	۲۲	پا	یا
۱۸۷	۱۷	اور	اوریادہ	۲۲۸	۲۰	آو	آر
۱۹۹	۱	رکھے	رکھیں	۲۲۸	۲۱	مارشس	مارشل
۱۹۹	۵	جنگلوں	جنگوں	۲۲۹	۲۲	آٹھ شپ	آٹھ شپ فدی
۲۰۱	۱۳	اس کی	×	۲۳۴	۵	ہیں	ہیں جو
۲۰۱	۱۳	اور	اور اس نے	۲۳۴	۲۵	بدھی	بدھ
۲۰۱	۲۲	گیڈیس	کیڈیس	۲۳۴	۲۴	نلگیو	نگلیو
۲۰۳	۴	جس	اُس	۲۳۴	۲۰	کمبی	لمبنی
۲۰۳	۹	نہیں	ہیں	۲۳۵	۱۹	نلگیون	نگلیو
۲۰۳	۹	جمائت	حمائت	۲۳۵	۷	لنکا	لنکا کی
۲۰۳	۱۷	وہ	×	۲۳۵	۹	ان مقامی	مقامی
۲۰۳	۱۷	پہنچے	پہنچنے	۲۴۲	۱۷	اور	او
۲۰۶	۱۵	ایپیٹن	ایپین	۲۴۳	۲	او	اور
۲۰۶	۲۳	ہے	ہے کہ	۲۴۳	۲	گریفنیا	ایپی گریفیا
۲۰۹	۲۱	یا	تا	۲۴۷	۵	شکل	شکل میں
۲۰۹	۲۴	۱۹	صفحہ ۱۹	۲۴۸	۱۱	وجہ	وجہ سے
۲۱۱	۱۰	یور راجہ	یُرُ راجہ	۲۵۳	۱۵	آدن	آڈز
۲۱۲	۱۳	یہس	یہیں	۲۵۴	۲	حسیات	حیات
۲۱۳	۱۱	قصہ	قصے	۲۵۷	۸	ہیں	میں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۵۷	۱۳	بھی	×
۲۵۸	۱۰	کیلے	بڑھ
۲۶۰	۱۰	سیاست	سیادت
۲۶۲	۷	اور بیور تھا	اور بیور
۲۶۴	۱۳	بجا	اُسے بجا
۲۶۶	۸	اِس	اِن
۲۶۶	۸	پیرو	ہیرو
۲۶۷	۲۶	کاسپلز	گاسپلز
۲۷۰	۱۳	حالت	حالت میں
۲۷۳	۲۳	اجننر نگنی	راج ترنگنی
۲۷۵	۱۰	سلطنتِ	سلطنت
۲۷۵	۲۲	جیکن	جیکسن
۲۷۶	۳	تو	کو
۲۷۶	۲۲	ضمیمہ	ضمیمۂ ذ
۲۷۷	۱۸	کردیں	کردے
۲۷۷	۲۴	لیوڈرسل	لیوڈرس
۲۸۰	۱۰	البیاس	ایپاس
۲۸۰	۲۴	بیونگ	ہیونگ
۲۸۲	۶	تھیاس	تھآس
۲۸۲	۲۱	کھاریوالا	کھاریویلا
۲۸۳	۲۳	پرٹیگر	پرگیٹر
۲۸۷	۲۳	اسود میدھ	اَشو میدھ
۲۸۸	۱۹	بسہرمتر	بسومتر
۲۸۸	۲۳	انٹی کوٹمیز	انٹی کوئٹیز
۲۹۰	۳	پونون	یونون
۲۹۱	۱۰	تقتیم	نیم
۲۹۳	۶	لیسومتر	بسومتر
۲۹۴	۱۱	رپورٹ	ریورٹ
۲۹۷	۲۴	پیرس	ہنڈرڈ پیرس
۲۹۸	۱۵	ن	اور
۳۰۰	۲۱	لیوڈر	لیوڈرس
۳۰۱	۱۹	کھارویلا	کھاریویلا
۳۰۱	۲۳	لیوڈر	لیوڈرس
۳۰۳	۴	داشلی	داشتی
۳۰۵	۲	رددرامن	روردامن
۳۰۹	۲	پون	یون
۳۱۰	۲۳	ممکن	ناممکن
۳۱۱	۹	ہر	نہر
۳۱۱	۱۳	کارگی	گارگی
۳۱۱	۲۲	آس	اَس
۳۱۱	۲۴	اساجی	اے۔جی
۳۱۳	۶	ق م	ق م میں
۳۱۳	۱۱	ہلم پور	ہمیرپور
۳۱۳	۱۳	اپالوڈوٹس سوٹر	اپالوڈوٹس سوٹر
۳۱۴	۴	ڈائنسٹیز	ڈائنسٹی
۳۱۴	۶	لیوڈر	لیوڈرس

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۱۵	۷	لیوڈر	لیوڈرس
۳۱۵	۷	۱۳۴۵	نمبر۳:-۱۱۴۴
۳۱۵	۲۴	نان گھاٹ	نانا گھاٹ
۳۱۶	۲	نان گھاٹ	نانا گھاٹ
۳۱۶	۳	کتبہ	کنہہ
۳۱۶	۳	کلاّ کرنی	مُلاّ کرنی
۳۱۶	۴	نان گھاٹ	نانا گھاٹ
۳۱۶	۱۴	سوانی	سواتی
۳۲۰	۱	(الف) متعلقہ صفحہ ۳۴۸	×
۳۲۰	۲	لیوڈر	لیوڈرس
۳۲۰	۴	۷۰	۷۱
۳۲۰	۴	سنہ تخت نشینی	سنہ تخت نشینی (اندازاً)
۳۲۰	۴	"	"
۳۲۰	۷	سند	سندر
۳۲۰	۸	ماتھی	ماتھری
۳۲۰	۱۰	ہد	ہول
۳۲۰	۱۲	حامل	عامل
۳۲۱	۱	(ب) متعلقہ صفحہ ۳۴۵	×
۳۲۱	۱۷	چند	چندر
۳۲۱	۱۴	جیسو دامن	رجیوٗ دامن
۳۲۲	۱	(ج) متعلقہ صفحہ ۳۴۸	×
۳۲۲	۲	لیوڈر	لیوڈرس
۳۲۸	۲۴	نیوسمیٹک	نیومسمیٹک

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۲۹	۷	گرانی	کرنی
۳۲۹	۱۳	سائرکیس	سائزیکس
۳۳۰	۱۳	اسمس	اسامس
۳۳۲	۱۵	جو صرف دو سو ہیں	سوائے دو کے
۳۳۳	۱۸	کارب	گگاسب
۳۳۴	۷	سہ دریا	سُردریا
۳۳۴	۱۵	ہکا اور ہکاماس	ہگا اور ہگاماش
۳۳۷	۲۴	تاس	مٹاس
۳۳۷	۲۴	ٹاکینر	مٹاکینر
۳۳۹	۱	ادیس	میٹوس
۳۳۹	۶	ارتابوس	ارٹبینس
۳۳۹	۱۵	اس	اوراس
۳۴۰	۳	ادیس	یٹوس
۳۴۱	۶	تھا	تھی
۳۴۶	۴	گندوفرہ کسبی	گنڈوفریس
۳۴۸	۴	کُرس	مزرس
۳۵۰	۳	گڈفاسس	گڈفائسس
۳۵۲	۱۴	سوائے	×
۳۵۴	۱۱	دمیٹراس	ڈیمیٹریئس
۳۵۵	۹	ہرپیٹاس	ہرمیٹاس
۳۵۹	۱۰	آرلیبائس	ارکیٹباس
۳۵۹	۲۰	نیلیفورس	نیکیفورس
۳۶۱	۲	پنٹلون	پنٹلیون

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۶۱	۵	بیولے کلمئوس	بیو کلمئوس
۳۶۱	۷	فلاالسنیاس	فلاکسنیاس
۳۶۱	۱۲	ایپی فینز	ایپی فینیز
۳۶۱	۱۹	ڈیلیئوس	ڈیکیئوس
۳۶۱	۲۱	ڈیلیئوس	ڈیگیئوس
۳۶۵	۹	کرسیٹنی	کرسچئینٹ
۳۶۵	۱۵	کرسیٹنی	کرسچینٹی
۳۶۵	۱۶	ہمسروس	ہمروز
۳۶۶	۲۰	ارچ ڈنکین	آرچ ڈکن
۳۶۷	۱۸	جو	پرجو
۳۶۸	۷	کاسمسی	کاسمس
۳۶۸	۹	ریویر	زیویر
۳۷۲	۴	گمئی	سکے
۳۷۲	۲۴	چونیر	چونیز
۳۷۴	۷	اراضی	علاقے
۳۷۸	۱۷	وادی	وادئی کابل
۳۸۰	۱۸	تاریخ	تاغ
۳۸۱	۱۴	نقل	نقل میں
۳۸۲	۱۵	اورای	اوری
۳۸۲	۲۰	تھرسٹس	تھرسٹن
۳۸۷	۱	سٹیو	لٹیئو
۳۸۹	۲	جبی	کاجبی
۳۹۳	۳	چیشٹنس	چشتن
۳۹۴	۶	درون کے	دروں سے
۳۹۵	۱	تھا	تھی
۳۹۶	۱۵	سلطنت	سلطنت چین
۳۹۷	۲۰	بھکشی	بھکتی
۴۰۱	۲۰	سیگر	سیگر کی
۴۰۷	۱۷	تیتی	تبتی
۴۰۷	۱۸	الیر جیز	ریسیر جیز
۴۰۸	۸	سے	ہم سے
۴۰۹	۵	ہو	ہوگا
۴۱۱	۲۲	کارڈنر	گارڈنر
۴۱۴	۱۳	یا ہلیک	با ہلیک
۴۱۴	۱۷	کو	کی
۴۱۵	۹	جو	جنھوں نے
۴۱۵	۲۰	اینیس مارسی لینس	امینئس مارسی لینئس
۴۱۶	۱۹	سمیٹک	مسمیٹک
۴۱۷	۱۵	تیوری	تیو-می
۴۱۹	۵	چینی	چین
۴۱۹	۵	سَل	ہَن
۴۱۹	۱۷	وٹیئس	ویٹیلئس
۴۱۹	۱۸	وسپیسئس	وسپیسئین
۴۲۰	۲	ڈومیٹشین	ڈومیشین
۴۲۱	۱۶	بلیرا	پلمیرا
۴۲۲	۳	پلمپرا	پلمیرا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۳۵	۱۴	جن	کوجن	۴۸۵	۱۴	سرمیل	سریال
۴۳۷	۵	لیسی متر	پشٹی متر	۴۸۵	۱۷	بھیلمال	بھلمال
۴۳۹	۱۴	پوو راجہ	پُو راجہ	۴۹۱	۱۲	ادٹ	اٹ
۴۴۱	۲۴	یلمادی	یلمادی	۴۹۱	۱۳	پارنل	ہارنل
۴۴۲	۱۴	ادرسین	ردرسین	۴۹۲	۱۵	سینٹر	سینٹ
۴۵۰	۲۲	گودر	گوور	۵۱۴	۱۵	دھروبھنٹ	دھرو بھٹ
۴۵۰	۲۳	خوک	ٹوک	۵۱۴	۲۳	ملکس	سیکس
۴۵۲	۲۱	بھولے	اور بھولے	۵۱۴	۲۴	قلیط	فلیٹ
۴۵۷	۲۳	آٹوشنک	آٹوفرنیک	۵۱۶	۱۶	ہیون سانگ	طرح ہیون سانگ
۴۵۷	۲۴	میزن	مینزن	۵۱۷	۸	کی	کی سزا
۴۵۹	۱۴	ولیس	ڈیبس	۵۱۸	۲	کے	اُس کے
۴۵۹	۱۸	کینٹھ	کیتھ	۵۱۸	۲۲	بانڈ	بائنڈ
۴۶۲	۲۴	تمدن کا اتصال تصادم	تمدنوں کا اتصال و تصادم	۵۲۲	۱۵	سانگ	سسانک
				۵۲۲	۲۳	عبادات	عبادت
۴۶۴	۱۸	پرہیوی	پریلو	۵۲۷	۶	چوکنا	چوکنا اور
۴۶۶	۱۸	جو	یہ قوم	۵۲۷	۱۶	بذات	بذات خود
۴۶۹	۴	غلیب	اغلب	۵۲۸	۲۵	سقف	مسقف
۴۷۲	۱۸	پرمارت	پرمارتھ	۵۳۳	۱۹	طلیعہ	بدرقہ
۴۷۳	۶	لوینک	لوینگ	۵۳۲	۶	طلیعہ	فوج
۴۷۳	۲۲	متبرک	میترک	۵۳۵	۸	دہند	او ہند
۴۷۳	۲۳	بھیتارک	بھتارک	۵۳۵	۸	نے	×
۴۷۴	۱۹	پائن	پاٹن	۵۳۶	۸	ہیون سانگ	ہیون سانگ نے
۴۷۷	۲۴	چینوٹ	اس کے سکے چینوٹ	۵۳۶	۱۰	میں	پہلے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۴۵	۱۳	جو	کو	۶۴۰	۵	موریا بھنج	میور بھنج
۵۴۷	۵	قصبوں	قضیوں	۶۴۳	۱۷	اور	آف
۵۴۷	۲۳	کے زور کا	کا زور	۶۴۴	۵	ریسرح	ریسرچ
۵۵۰	۲	کے بعد	×	۶۵۳	۱۲و۱۳	وتسرراج	وَتسَراَج
۵۵۶	۱۲	برٹٹ	رائٹ	۶۵۸	۱۸	میں	کا
۵۵۸	۱۸	رہی	رہا	۶۶۳	۱۷	اگرچہ غلطی سے	(اگرچہ غلطی سے)
۵۶۳	۲۱	طرح	طرف	۶۶۹	۱۹	نظموں سے	نظمیں
۵۷۹	۱	کی	کا	۶۶۹	۲۴	ہیونٹگیر-ین	ہیوٹنگیر-ین
۵۸۱	۵	تک	میں	۶۷۶	۲	گولر	کولر
۵۸۴	۲۱	فرنشا	فنشا	۶۸۵	۱۱	سیسا پتر	سیتا پتر
۵۸۹	۲۱	س	اُس	۶۸۶	۱۲	لیکوبھتراس	لیکوبتھراس
۵۹۷	۱۷	ہینڈیک	ہینڈ بک	۶۹۱	۴	ترسہورمن	نرسمہورمن
۶۰۰	۱۸	پوفرکٹ	یوفرکٹ	۶۹۳	۳	پاٹڈیا	پانڈیا
۶۰۳	۲۱	پونڈرو درہن	پوندرو وردھن	۶۹۳	۱۸	جول	چول
۶۰۷	۱	دلویا	دویا	۷۰۱	۱۸	یونل	یول
۶۰۹	۲۲	ولننگھم	کننگھم	۷۰۳	۱۳	پانڈ	پانڈیا
۶۱۰	۱۸	نے	کے	۷۰۶	۱۲	کے	کی
۶۱۴	۱۶	راجہ	راجہ کی	۷۰۶	۱۵	سنہ ۷-۹۰۶	سنہ ۷-۱۹۰۶
۶۱۸	۲۵	چاورن	چاروردن	۷۱۰	۱	یہ	انھیں
۶۲۵	۹	کردیتا	ہوجاتی	۷۱۳	۷	ڈومزدے	ڈومزڈے
۶۲۶	۲۴	بقیہ	×	۷۱۸	۹-۱۱	نرسمہوشنو	سمہوشنو
۶۲۷	۲۴	ٹرائبسی	ٹرائبس	۷۲۰	۱۵	دلارُ	وَلاّرُو
۶۳۱	۱۳	تک	سے	۷۲۳	۴	سنہ ۴۰-۶۷	(سنہ ۴۰-۶۷)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۲۴	۷	تو	×	۷۲۵	۳	کہ	کہ وہ

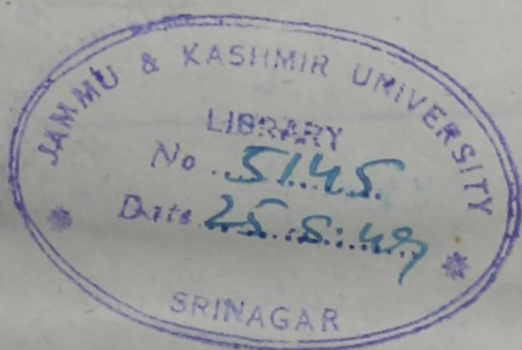
صفحہ ۸ - سطر ۴ :—

"جن کے تعلقات ہمیشہ بیرونی ممالک سے رہے ہیں"

اس عبارت سے پہلے ذیل کا فقرہ بڑھالیا جائے :—

"اور بیرونی دنیا کی توجہ کسی طرح بھی اپنی طرف اس قدر مبذول نہیں کرا سکتیں جتنی کہ شمالی ہند کی سلطنتیں"

تمت



JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY
No. 5145
Date 25.5.49
SRINAGAR



ALLAMA
IQBAL LIBRARY
UNIVERSITY OF KASHMIR
HELP TO KEEP THIS BOOK
FRESH AND CLEAN